

# حادثہ کربلا

اور

## سبائی سازش



تالیف

ابوالفوزان کفایت اللہ السنابلی

# حادثہ کربلا اور سبائی سازش

از

ابوالفوز (کفایت اللہ المناجی)

فہرست

۷	<b>باب اول: حادثہ کربلا کا پس منظر</b> (یہود کی قاتلانہ سازشیں)
۷	<b>فصل اول: یہود اور قتل انبیاء علیہم السلام</b>
۷	یوسف علیہ السلام کے قتل کی سازش
۷	زکریا علیہ السلام کی شہادت
۸	یحییٰ علیہ السلام کی شہادت
۸	سعیا علیہ السلام کی شہادت
۹	عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کی سازش
۹	امام الانبیاء رسول اللہ ﷺ کے قتل کی سازش
۱۱	<b>فصل دوم: یہود اور قتل صحابہ کرام</b> ﷺ
۱۱	خلیفہ راشد ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ پر زہر سے حملہ:
۱۱	خلیفہ راشد عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت
۱۲	خلیفہ راشد عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت
۱۲	جنگ جمل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قتل عام
۱۴	جنگ صفین میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قتل عام
۱۵	<b>فصل سوم: یہود اور قتل اہل بیت</b> ﷺ
۱۵	خلیفہ راشد علی رضی اللہ عنہ کی شہادت
۱۶	نواسہ رسول حسن رضی اللہ عنہ کی شہادت
۱۷	نواسہ رسول حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت
۲۱	<b>باب دوم: حادثہ کربلا کی روداد</b>
۲۱	<b>فصل اول: حادثہ کربلا اور تاریخی روایات</b>
۲۱	(الف): روایات کربلا کی حقیقت

- ۲۳ (ب) : روایات کربلا اور متضاد بیانات
- ۲۴ (ج) : روایات کربلا سے متعلق معتدل موقف
- ۲۸ فصل دوم : حادثہ کربلا کی روداد
- ۲۸ پہلا مرحلہ : قیام مدینہ
- ۳۴ دوسرا مرحلہ : قیام مکہ
- ۵۲ تیسرا مرحلہ : روانگی کوفہ
- ۵۴ چوتھا مرحلہ : روانگی دمشق
- ۵۵ پانچواں مرحلہ : نزول کربلا، وقوع حادثہ
- ۶۲ خلاصہ روداد
- ۶۴ خود ساختہ کہانیاں
- ۶۷ فصل ثالث : حادثہ کربلا کی روایات اور الزام تراشیاں
- ۶۷ الف : یزید بن معاویہ
- ۶۷ ب : حسین رضی اللہ عنہ
- ۷۱ باطل حکومت کے خلاف جہاد
- ۷۲ حکومت وقت کے خلاف خروج
- ۷۷ ج : عبید اللہ بن زیاد
- ۷۷ ۱ : حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ ابن زیاد کا سخت گیر حاکمانہ رویہ
- ۸۰ ۲ : ابن زیاد کے پاس حسین رضی اللہ عنہ کے سر مبارک کا لایا جانا
- ۸۲ ۳ : ابن زیاد کا حسین رضی اللہ عنہ کے سر مبارک کی بے حرمتی
- ۸۲ خوبصورتی کی مذمت

- ۸۳ چہرے پر چھڑی مارنا  
۸۹ د: عمر بن سعد بن ابی وقاص  
۸۹ ھ: شمر بن ذی الجوشن

## باب سوم: سیرت یزید بن معاویہ

- ۹۰ فصل اول: یزید کے مناقب  
۹۰ الف: آیات قرآنی کی روشنی میں  
۹۰ ب: احادیث مبارکہ کی روشنی میں  
۹۶ ج: آثار صحابہ و سلف کی روشنی میں

## فصل دوم: یزید کی طرف منسوب مثالب

- ۱۰۵ الف: آیات قرآنی سے غلط استدلال  
۱۰۸ ب: احادیث سے غلط استدلال  
۱۲۲ ج: بعض آثار صحابہ سے غلط استدلال

## فصل سوم: دور یزید کے بعض حوادث

- ۱۴۴ الف: شہادت حسین رضی اللہ عنہ  
۱۴۴ ۱: قتل حسین رضی اللہ عنہ  
۱۴۵ ۲: سر حسین رضی اللہ عنہ کی بے حرمتی  
۱۴۵ ۳: قاتلین حسین رضی اللہ عنہ سے عدم قصاص  
۱۴۷ ب: واقعہ حرہ  
۱۷۳ ج: حصار مکہ

۲۰۱ یزید سے متعلق شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا موقف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ کتاب جو آپ کے ہاتھ میں ہے دراصل ایک تقریر تھی جسے راقم نے جامع مسجد اہل حدیث، اشوک نگر، کربلا، ممبئی میں قسط وار پیش کیا تھا اس وقت راقم فضیلۃ الشیخ محمد امین الریاضی حفظہ اللہ کے قائم کردہ ادارہ ”کلیہ ام سلمہ الاثریہ، کربلا، ممبئی“ میں بحیثیت استاذ مقرر تھا، تقریر سننے والوں میں شیخ محترم بھی تھے انہوں نے اسے بہت پسند کیا اور کہا کہ میں اسے کتابی شکل دے دوں گا کہ ادارہ سے اسے چھپوا دیا جائے، مگر افسوس کی یہ کام میں بروقت نہ کر سکا پھر کچھ دیگر مصروفیات کے سبب پورا ایک سال نکل گیا اور راقم اگلے سال ادارہ سے بھی علیحدہ ہو گیا۔

لیکن بعد میں کچھ فرصت ملی تو اسے مکمل کر لیا اور کئی سالوں سے یہ کتاب مخطوط تھی، اب کچھ حذف و اضافہ کے ساتھ اس کتاب کی طباعت ہو رہی ہے، اس کتاب میں عام طور سے تاریخی لحاظ سے اس موضوع پر بحث کی گئی ہے لیکن اسی سلسلے کی ہماری ایک دوسری کتاب ہے ”حادثہ کربلا ویزید، صرف صحیح روایات کی روشنی میں“ اس کتاب میں ہم نے اصول حدیث کے لحاظ سے ہر روایت کو پرکھنے کے بعد ہی داخل کتاب کیا ہے اور ہمارے خیال سے اس موضوع پر اس انداز کی یہ پہلی کتاب ہے ان شاء اللہ ہماری کوشش ہوگی کہ یہ دوسری کتاب بھی جلد ہی طبع ہو جائے۔

اس موضوع پر بہت سارے اہل علم نے لکھا ہے ہم نے تمام دستیاب تحریروں سے استفادہ کیا ہے اور کہیں کہیں لفظ بلفظ نقل کر دیا ہے۔

زیر نظر کتاب کا خلاصہ یہ ہے کہ حادثہ کربلا سے قبل امت مسلمہ کے خلاف جو سازشیں کی گئیں، جو عظیم شخصیات شہید ہوئیں ان کے پیچھے جس گروہ کا ہاتھ تھا وہی گروہ میدان کربلا میں بھی ہمارا دشمن تھا جس نے کربلا کے بعد اہل بیت کی محبت کا سہارا لیکر خود کو روپوش کر لیا ہے۔

حادثہ کربلا کے موضوع پر کچھ لکھنا یا بولنا بڑا ہی نازک اور مشکل کام ہے، ہم قارئین کے تاثرات اور اہل علم کی تعلیقات کے منتظر رہیں گے۔

## باب اول: حادثہ کربلا کا پس منظر

(یہودی قاتلانہ سازشیں)

### ❁ فصل اول: (یہود اور قتل انبیاء علیہم السلام)

ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے، اسحاق علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام، اسحاق علیہ السلام کا دوسرا نام اسرائیل تھا [مختصر تاریخ اسلام: ص ۲۹] اسی طرح یعقوب علیہ السلام کا نام بھی اسرائیل ملتا ہے اس لئے ان کی اگلی نسل بنی اسرائیل کے نام سے مشہور ہوئی۔

بنی اسرائیل جنہیں یہود کے نام سے جانا جاتا ہے یہ ابتداء ہی سے شدت پسند اور انتہائی سفاک واقع ہوئے ہیں، ان کی پوری تاریخ قتل انسانیت سے بھری پڑی ہے، انہوں نے نہ صرف یہ کہ عام انسانوں کے خلاف قتل کی خونیں سازشیں رچیں بلکہ ان میں بھی افضل ترین جماعت انبیاء علیہم السلام تک کو بھی اپنے قاتلانہ حملوں کا نشانہ بنایا اور ان میں سے بعض کو شہید بھی کر ڈالا [۲/بقرہ: ۵۱] جب کہ بعض کو اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل و کرم سے بچالیا اور ان کے شر سے محفوظ رکھا۔

### یوسف علیہ السلام کے قتل کی سازش:

یعقوب علیہ السلام کے بیٹے اسرائیلی ہی تھے جنہوں نے اپنے بھائی یوسف علیہ السلام کے خلاف قتل کی سازش کی اور بالآخر انتہائی بے رحمی اور بے دردی کے ساتھ انہیں ایک خوفناک کنویں میں ڈھکیل دیا اور شام کو روتے ہوئے اپنے والد محترم کے پاس پہنچے اور ایک من گھڑت کہانی پیش کر دی، خود ہی قتل کی سازش کی اور خود ہی ماتم بھی کیا یہ ان کی بہت قدیم عادت ہے۔ [سورہ یوسف: ۱۰ تا ۱۸]۔

### ذکریا علیہ السلام کی شہادت:

قرآن میں یہود کے ہاتھوں جن انبیاء کی شہادت کا تذکرہ ہے تفاسیر و تاریخی کتب میں

ان کے ناموں میں زکریا علیہ السلام کا نام بھی آتا ہے [تفسیر الطبری: ۳۵۷/۱۷، البدایة والنہایة: ۵۲/۲]۔

خود یہودیوں کی تاریخی کتابیں بھی ان کے سیاہ کارناموں پر شاہد ہیں، چنانچہ ان کی تاریخ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ زکریا علیہ السلام کو شاہ یہوداہ یوآس کے حکم سے عین ہیکل میں مقدس اور قربان گاہ کے درمیان سنگسار کر دیا گیا۔

### یحییٰ علیہ السلام کی شہادت:

یحییٰ علیہ السلام کا نام بھی ان انبیاء علیہم السلام کی فہرست میں ملتا ہے جو یہود کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے:

مَنْ أَنْكَرَ الْبَلَاءَ فَإِنِّي لَا أَنْكَرُهُ، لَقَدْ ذُكِرَ لِي إِنَّمَا قُتِلَ يَحْيَى بْنُ زَكَرِيَّا فِي زَانِيَةٍ كَانَتْ جَارِيَةً هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ، وَقَدْ رَوَاهُ بَعْضُ الْبَصَرِيِّينَ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَيُّوبَ مُسْنَدًا

یعنی عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تکبی علیہ السلام نے ایک بدکار عورت کو برائی سے روکا جس کے سبب انہیں قتل کر دیا گیا [المستدرک للحاکم: ۳/۶۴۰، رقم: ۶۳۴۸ و ایضاً رقم: ۳۱۴۶ صححہ الحاکم علی شرط الشیخین ووافقه الذہبی، نیز دیکھئے: البدایة والنہایة ط إحياء التراث: ۶۴/۲]۔

خود یہودیوں کی تاریخی کتابوں سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ تکبی علیہ السلام کو یہودیہ کے فرماں روا ہیردو ویس کے حکم سے قتل کیا گیا اور ان کا سر بادشاہ نے ایک تھال میں رکھ کر اپنی معشوقہ کو بطور ہدیہ پیش کیا۔

### شعیا علیہ السلام کی شہادت:

امام بیضاوی (المتوفی: ۶۸۵ھ) کہتے ہیں:

مَرَّتَيْنِ إِفْسَادَتَيْنِ أَوْلَاهُمَا مُخَالَفَةُ أَحْكَامِ التَّوْرَةِ وَقَتْلُ شَعِيَاءٍ وَقِيلَ



أَرَمِيَاءَ. وَثَانِيَهُمَا قَتَلَ زَكَرِيَّا وَيَحْيَى وَقَصِدُ قَتْلِ عِيسَى

یعنی بنو اسرائیل نے جو دومرتبہ فساد برپا کیا تو ان میں سے پہلا فساد توریت کے احکام کی مخالفت اور شعیا علیہ السلام کا قتل ہے اور بعض کے بقول ان کا نام ارمیا علیہ السلام ہے، اور دوسرا فساد زکریا اور یحییٰ علیہما السلام کا قتل اور عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کا ارادہ ہے [تفسیر البیضاوی: ۲/۴۸]۔

حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

”یہ اشارہ ہے اس ذلت و تنہائی کی طرف جو بابل کے فرمانروا بخت نصر کے ہاتھوں حضرت مسیح علیہ السلام سے تقریباً چھ سو سال قبل، یہودیوں پر یروشلم میں نازل ہوئی اس نے بے دریغ یہودیوں کو قتل کیا اور ایک بڑی تعداد کو غلام بنالیا اور یہ اس وقت ہوا جب انہوں نے اللہ کے نبی حضرت شعیا علیہ السلام کو قتل کیا یا حضرت ارمیا علیہ السلام کو قید کیا“ [احسن البیان: تفسیر بنی اسرائیل: آیت: ۵]۔

**عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کی سازش:**

یہودیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کی بھی پوری کوشش کی اور اپنے زعم کے مطابق انہیں سولی پر لٹکا بھی دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے شر سے بچالیا اور اپنی خاص مہربانی سے آپ کو اپنے پاس اٹھالیا۔ [۴/النساء: ۱۵۷، ۱۵۸]۔

**رسول اللہ ﷺ کے قتل کی سازش:**

یہودیوں نے امام الانبیاء، رحمۃ اللعالمین کے قتل کی بھی سازش کی اور اسے عملی جامہ بھی پہنایا، چنانچہ انہوں نے زینب بنت حارث نامی ایک یہودیہ عورت کا انتخاب کیا اور اس کے ہاتھوں رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں بکری کا گوشت پیش کیا جو کہ زہر آلود تھا، آپ ﷺ اور بشر بن براء نامی ایک صحابی نے گوشت کو چکھ لیا، صحابی رسول زہر کے اثر سے انتقال کر گئے، لیکن آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل و کرم سے بچالیا، البتہ وفات

کے وقت آپ ﷺ اس زہر کے اثرات کو محسوس کر رہے تھے۔ [فتح الباری: شرح الاحادیث: ۳۱۶۹، ۴۲۴۹، ۵۷۷۷]۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ يَهُودِيَّةً آتَتْ النَّبِيَّ ﷺ بِشَاةٍ مَسْمُومَةٍ، فَأَكَلَ مِنْهَا، فَجِئَءَ بِهَا فَقِيلَ: أَلَا نَقْتُلُهَا، قَالَ: لَا، فَمَا زِلْتُ أَعْرِفُهَا فِي لَهَوَاتِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک یہودی عورت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں زہر ملا ہوا بکری کا گوشت لائی، آپ ﷺ نے اس میں سے کچھ کھایا (لیکن فوراً ہی فرمایا کہ اس میں زہر پڑا ہوا ہے) پھر جب اسے لایا گیا (اور اس نے زہر ڈالنے کا اقرار بھی کر لیا) تو کہا گیا کہ کیوں نہ اسے قتل کر دیا جائے۔ لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں۔ اس زہر کا اثر میں نے ہمیشہ نبی کریم ﷺ کے تالو میں محسوس کیا [صحیح البخاری: ۱۶۳/۳ رقم: ۲۶۱۷]۔

عَنْ أَنَسِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ امْرَأَةً يَهُودِيَّةً آتَتْ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ بِشَاةٍ مَسْمُومَةٍ، فَأَكَلَ مِنْهَا، فَجِئَءَ بِهَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، فَسَأَلَهَا عَنْ ذَلِكَ؟ فَقَالَتْ: أَرَدْتُ لَا قَتْلَكَ، قَالَ: مَا كَانَ اللَّهُ لِيُسَلِّطَكَ عَلَى ذَاكَ قَالَ: أَوْ قَالَ عَلَى قَالَ قَالُوا: أَلَا نَقْتُلُهَا؟ قَالَ: لَا، قَالَ: فَمَا زِلْتُ أَعْرِفُهَا فِي لَهَوَاتِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ.

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودیہ عورت رسول اللہ ﷺ کے پاس زہر ملا کر بکری کا گوشت لائی تو آپ ﷺ نے اس میں سے کھایا۔ پھر وہ عورت آپ ﷺ کے پاس لائی گئی تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ یہ تو نے کیا کیا؟ وہ بولی کہ میں آپ ﷺ کو مار ڈالنا چاہتی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تجھے اتنی طاقت دینے والا نہیں (کہ تو اس کے پیغمبر کو ہلاک کر سکے)۔ صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم اس کو قتل نہ کر دیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں۔ راوی نے کہا کہ میں ہمیشہ اس زہر کا اثر آپ ﷺ کے حلق کے کونے میں پاتا رہا۔ [صحیح مسلم: ۱۷۲۱/۴ رقم: ۲۱۹۰]۔

## ❁ فصل دوم: (یہود اور قتل صحابہ کرام ﷺ)

انبیاء علیہم السلام کے بعد سفاک یہودیوں نے جس مقدس گروہ کا خون بہایا وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا گروہ ہے، رسول اکرم ﷺ نے جس دن سے اسلام کی دعوت پیش کی یہودی اسی دن سے آپ ﷺ کے جانی دشمن بن گئے بلکہ ان لوگوں کے خون کے بھی پیا سے ہو گئے جنہوں نے آپ ﷺ کی اتباع کی، یہودیوں نے آپ ﷺ کی زندگی میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف متعدد خونیں سازشیں رچیں، لیکن اللہ کے فضل و کرم سے فتح و نصرت مسلمانوں کا مقدر رہی اور یہودیوں کو منہ کی کھانی پڑی، لیکن عہد نبوی کے بعد مسلمان ان کی سازشوں سے نہ بچ سکے، یہودیوں نے پے در پے ان کے خلاف متعدد سازشیں کیں، جس کے شکار ہو کر نہ صرف عام صحابہ کرام بلکہ وہ اجلہ صحابہ بھی شہید ہو گئے جن کو زبان رسالت سے جنت کی بشارت ملی تھی۔

### خليفة راشد ابوبكر الصديق ﷺ پر زہر سے حملہ:

بعض روایات کے مطابق خلیفہ اول ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہودیوں نے زہر دیا تھا، امام طبری نے کہا: وکان سبب وفاته أن اليهود سمته، یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ کے وفات کی وجہ یہ تھی کہ یہودیوں نے آپ کو زہر دیا تھا [تاریخ الطبری: ۳/۴۱۹] یہ زہر ایک سال بعد اثر کرنے والا زہر تھا اور اس زہر کو کھانے کے ٹھیک ایک سال بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ فوت

ہو گئے۔ [الطبقات الكبرى ط دار صادر: ۳/۱۹۸، ومن طريقة اخرجه ابن عساكر: ۴۰۹/۳۰۰ و اسنادہ صحيح الى الزهري لكن الزهري لم يدرك ابابكر۔ وله طرق اخرى انظر: المستدرک على الصحيحين للحاكم: ۳/۶۱ رقم ۴۳۹۵، ص ۶۶ رقم ۴۴۱۱، ص ۶۷ رقم ۴۴۱۲۔ وانظر: الإصابة لابن حجر، ت تركی: ۲۸۰/۶، الرياض النضرة فی مناقب العشرة: ۱/۲۵۹]

### خليفة راشد عمر فاروق ﷺ کی شہادت:

عبداللہ بن سبا ان یہودیوں میں سرفہرست تھا جو اسلام کا چولا پہن کر مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پھیلا رہا تھا، اس کی تمام تر توجہ اسلامی عقائد پر شک و شبہ کا اظہار کرنا،

اور اللہ کے رسول ﷺ کی طرف منسوب کر کے جھوٹی احادیث تیار کرنا تھا، اس ملعون یہودی نے ایک طرف مسلمانوں کے خلاف نظریاتی اور عقائدی جنگ چھیڑی اور دوسری طرف ان کے خلاف قاتلانہ منصوبے بھی تیار کئے، اس خبیث نے عمر بن خطاب ؓ کو اسلام دشمن عناصر کے ساتھ مل کر شہید کرنے کا منصوبہ تیار کیا اور اس منصوبے کے نفاذ کے لئے اس نے ایران کے ایک آتش پرست غلام ابولولو کا انتخاب کیا، ابولولو ویسے ہی اسلام کے خلاف بطور عمومی اور خلیفہ کے خلاف بطور خصوصی عداوت کے جذبات رکھتا تھا کیونکہ فاروق اعظم ہی کے دور سعود میں اسلامی سپاہ نے ایران کے آتش کدوں کو ٹھنڈا کر کے ایوان کسریٰ کی بنیادیں ہلا دی تھیں۔ مذکورہ مجوسی غلام جو مدینہ طیبہ میں رہائش پذیر تھا، اس کے اندر چھپے ہوئے شرک استعمال ابن سباء سے زیادہ کون کر سکتا تھا، بہر کیف اس مجوسی غلام نے ابن سباء کے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے خلیفہ دوم پر ایک زہر آلود خنجر سے حملہ کر کے انہیں شہید کر دیا۔ [حقیقت رافضیت: ص: ۲۵۴ باختصار]۔

### خلیفہ راشد عثمان ؓ کی شہادت:

ابن سباء یہودی کی تخریبی سرگرمیاں رنگ لائیں اور اس سبائی ٹولے یا اس کے حامی افراد نے عثمان ؓ پر بے جا اتہامات والزامات تراشے، ان کی تحقیقات بھی ہوئیں اور سب الزامات غلط ثابت ہوئے لیکن فتنہ کی آگ نہ دبی، بالآخر ابن سباء یہودی کے حامی افراد اور اس کے چیلوں نے دار الخلافہ مدینہ طیبہ میں عثمان ؓ کا ان کے گھر میں محاصرہ کر کے انہیں نہایت ہی درندگی اور سفاکانہ طور سے شہید کر دیا۔ [حقیقت رافضیت: ص: ۲۵۵، نیز دیکھیں البدایہ: ج: ۷: ص: ۱۸۸، طبری: ج: ۵: ص: ۱۳۰]۔

### جنگ جمل میں صحابہ کرام ؓ کا قتل عام:

شہادت عثمان ؓ کے بعد جلد از جلد علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا تاکہ مبادا قاتلین عثمان امر خلافت پر قبضہ نہ جمالیں، پھر سبائی قاتلین عثمان نے علی رضی اللہ عنہ سے بڑھ چڑھ

کر بیعت شروع کر دی ان کا مقصد قصاص عثمان رضی اللہ عنہ سے بچنا، امت مسلمہ کے مابین پھوٹ ڈالنا، علی رضی اللہ عنہ کی طاقت کو اپنے خلاف استعمال ہونے سے روکنا بلکہ موقع ہاتھ آتے ہی علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی عثمان رضی اللہ عنہ جیسا سلوک کرنا تھا۔

اماں عائشہ رضی اللہ عنہا سمیت مسلمانوں کے ایک گروہ نے ان کی سازش بھانپ لی اور ان کی نیت و ارادہ کو پرکھنے کے لئے قصاص عثمان کا مطالبہ پیش کر دیا، علی رضی اللہ عنہ اس پر قادر نہ تھے اس لئے انہوں نے معذرت کر دی، دونوں فریق میں اختلاف ہو گیا لیکن دونوں ایک دوسرے کے اصل معاملات سے واقف نہ تھے، اس اختلاف نے جنگ کی صورت اختیار کر لی اور مسلمانوں کے دو گروہ ایک دوسرے سے ٹکرانے پر آمادہ ہو گئے، اس معرکہ میں اماں عائشہ رضی اللہ عنہا اونٹ پر سوار تھیں اس لئے اسے معرکہ جمل سے جانا گیا۔

جنگ شروع ہونے سے قبل صلح کی کوشش کی گئی، اہل جمل نے قصاص عثمان رضی اللہ عنہ کا مطالبہ دہرایا، علی رضی اللہ عنہ نے اسے قبول کیا مگر اس پر عمل کو حالات کے پرسکون ہو جانے تک ملتوی کر دیا، اہل جمل نے اس تجویز کو منظور کر لیا کیونکہ ان کا مقصد بہر حال اصلاح ہی تھا نہ کہ لڑائی جھگڑا، دونوں گروہ میں اتحاد و اتفاق کی اس صورت سے بے حد خوشی ہوئی۔

فَفَرِحَ هَؤُلَاءِ وَهَؤُلَاءِ. [البداية والنهاية: ۷/۲۳۸]۔

صلح کی یہ صورت دیکھ کر سبائی فتنہ پرداز گھبرا گئے، انہوں نے صلح کو فساد میں بدلنے کے لئے باہم مشورہ کیا اور کہنے لگے، وَرَأَى النَّاسَ فِينَا وَاللَّهِ وَاحِدٌ، وَإِنْ يَصْطَلِحُوا وَعَلَىٰ فَعَلَىٰ دِمَائِنَا۔

”ہم لوگوں کے بارے میں ان کی رائے ایک ہے ان میں اگر باہم صلح ہوئی تو ہمارے خون پر ہوگی“ [تاریخ الطبری: ۴/۹۳]۔

سبائی فتنہ پردازوں کی نیندیں حرام ہو گئیں، ایک پل کے لئے نہ سوئے، ساری رات

مشورہ کرتے رہے، وَجَعَلُوا يَتَشَاوَرُونَ لِيَلْتَهُمْ كُلُّهَا۔ [تاریخ الطبری: ۴/ ۵۰۶]۔

عبداللہ بن سباء جو اس گروہ کا بانی اور سرغنہ تھا اس نے کہا سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ کل جب دونوں گروہ باہم ملیں تو چپکے سے جنگ کی آگ بھڑکادی جائے اور انہیں غور و فکر کا موقع ہی نہ دیا جائے، إِذَا التَّقَى النَّاسُ غَدًا فَأَنْشِبُوا الْقِتَالَ، وَلَا تُفَرِّغُوهُمْ لِلنَّظَرِ۔ [تاریخ الطبری: ۴/ ۴۹۴]۔

چنانچہ رات کی تاریکی ابھی چھٹنے بھی نہ پائی تھی کہ انہوں نے اچانک اہل جمل پر حملہ کر دیا، اہل جمل نے سمجھا کہ علی رضی اللہ عنہ کے لشکر نے ہی دھوکہ میں رکھ کر اس طرح اچانک حملہ کر دیا یہی خیال علی رضی اللہ عنہ کے گروہ نے اہل جمل سے متعلق قائم کیا، چنانچہ اسی وقت ہر دو فریق کے مابین انتہائی خونریز جنگ بھڑک اٹھی، دشمنان اسلام کے لئے صحابہ کرام کو چن چن کر قتل کرنے کا موقع مل گیا انہوں نے خاص طور سے ایسے صحابہ کو نشانہ بنایا جن کے بارے میں مشہور تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ کو ان سے خاص وابستگی تھی یا آپ نے انہیں دنیا ہی میں جنت کی بشارت دی تھی، چنانچہ طلحہ رضی اللہ عنہ جیسے مبشر بالجنہ شہید کر دئے گئے، اور صحابہ کی ایک بڑی تعداد سبائی یہودی سازش کا شکار ہو کر شہید ہو گئی۔ [خلاف و ملوکیت کی تاریخی و شرعی حیثیت: ص: ۳۱۹ تا ۳۲۸ باختصار]۔

### جنگ صفین میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا قتل عام:

جنگ جمل میں سبائی یہودیوں نے اکابر صحابہ کو چن چن کر قتل کیا اس کے بعد بھی ان کے تلواروں کی پیاس نہ بجھی، انہوں نے ایک دوسری سازش رچی اور تمام تر جھوٹ اور مکر و فریب اور غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکایا، یہاں تک کہ دونوں ایک دوسرے کے خلاف آمادہ جنگ ہو گئے، اور صفین کے مقام پر دونوں کی فوجوں میں جنگ شروع ہوئی دونوں طرف سے صحابہ کرام کی بڑی

تعداد شہید ہوئی۔ تفصیل کے لئے دیکھیں: [عاشورا محرم از عبد اللہ رحمانی و خلاف و ملوکیت کی تاریخی و شرعی حیثیت جنگ صفین کی تفصیلات]۔

### ❁ فصل سوم: (یہود اور قتل اہل بیت ﷺ)

خون پرست یہودیوں نے جمل و صفین کے معرکوں میں دل کھول کر اپنی تلواروں کی پیاس بجھائی اور صحابہ کرام میں سے ایک جم غفیر کو شہید کر ڈالا، اس کے بعد انہوں نے اپنی خونی سازشوں کا رخ اہل بیت کی طرف موڑ دیا اور شہادت علی رضی اللہ عنہ سے لیکر حادثہ کربلا تک ان سبائی یہودیوں نے اپنی خونریز تاریخ اہل بیت کے خون سے لکھی۔

#### خليفة راشد علی ﷺ کی شہادت:

جنگ صفین کے بعد یہودی سبائی گروہ نے اپنی شیطنیت کی انتہاء کر دی بالآخر وہی ہوا جس کا اندیشہ اماں عائشہ رضی اللہ عنہا اور طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم نے ظاہر کیا تھا، دراصل ان میں سے کوئی بھی اصلاً علی رضی اللہ عنہ کی بیعت خلافت کا منکر نہ تھا، اور قصاص عثمان کا مطالبہ سبائیوں سے نظام خلافت اور علی رضی اللہ عنہ کے تحفظ کی خاطر تھا، اماں عائشہ رضی اللہ عنہا اور طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ چکے تھے کہ علی رضی اللہ عنہ بھی سبائیوں کے زرعے میں آچکے ہیں اور جلد یا دیر ان کا بھی وہی انجام ہونے والا ہے جو خلیفہ سوم کا ہوا، ان کا یہ اندیشہ اپنی جگہ پر بالکل درست ثابت ہوا، سبائیہ مسلمان نہ تھے بلکہ یہ یہود کی سازشی ایجنسی تھی جس کا کام ہی اسلام کے نظام خلافت کو درہم برہم کرنا اور مسلمانوں کو باہم ایک دوسرے سے لڑانا تھا۔

چنانچہ سبائی گروہ سے خوارج کے نام سے ایک فرقہ نمودار ہوا جس نے علی رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کی اور انہیں اور ان کے ساتھیوں کو علانیہ کافرو مرتد قرار دیا، دوسری طرف اسی گروہ سے شیعان علی کے نام سے ایک غالی فرقہ نمودار ہوا جو روافض کہلائے، انہوں نے

علی رضی اللہ عنہ کو الہ مان کر ان کے مختار کل ہونے کا اعلان کر دیا، اور خود کو صحابہ و اہل بیت سے الگ کر لیا، اس طرح سبائیت کے ان دونوں گروہوں نے مل کر پوری ملت اسلامیہ کو کافر و مرتد قرار دے دیا اور پورے دین و ایمان اور اسلام و قرآن کی نفی کر دی۔ [عاشوراء محرم: ص: ۳۱ ایضاً ص: ۲۰ باختصار]۔

ان دونوں گروہوں کے بانی ابن سباء نے خوارج کو علی رضی اللہ عنہ (جن کو وہ اپنا معبود کہا کرتا تھا) کے خلاف بغاوت پر ایسا ابھارا کہ یہ بغاوت ان کے لئے موت کا پیغام بن گئی اور وہ بھی اسی سبائی سازش کا شکار ہو کر جام شہادت نوش کر گئے۔ [حقیقت رافضیت: ص: ۲۲۵]۔

### نواسہ رسول ﷺ کی شہادت:

علی رضی اللہ عنہ کے بعد عرب کے تمام صوبے معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ تسلیم کر چکے تھے، صرف ایک صوبہ عراق باقی تھا، جو سبائی فتنوں کا سب سے بڑا مرکز بنا، اہل کوفہ و عراق بنو امیہ کے کسی ایک فرد کو بھی اپنا خلیفہ و امام ماننے پر تیار نہ تھے چنانچہ وہ اس بات پر بضد تھے کہ معاویہ کو اپنا خلیفہ تسلیم نہ کر کے حسن بن علی رضی اللہ عنہ کو اپنا امام بنائیں گے چنانچہ حسن رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے لئے نہیں بلکہ مسلمانوں کو کسی اور متوقع فتنہ سے بچانے کے لئے محض مصلحتاً ان کی یہ پیش کش قبول کر لی اور ان سے سمع و طاعت کی بیعت لے لی۔

حسن رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بن جانے کے بعد سبائیوں نے حسن رضی اللہ عنہ کو معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف خوب بھڑکایا اور ایک بار پھر کوشش کی کہ جمل و صفین کی تاریخ دہرائی جائے اور امت مسلمہ کے بیچ خونریزی پھیلائی جائے، لیکن نواسہ رسول حسن رضی اللہ عنہ نے سبائی فتنہ پردازوں کی اس سازش کو بھانپ لیا اور بہت ہی سوجھ بوجھ سے کام لیتے ہوئے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کر لی اور خلافت سے دست بردار ہو گئے۔

اس طرح حسن رضی اللہ عنہ کی دانشمندی سے امت مسلمہ ایک بار پھر جنگ و جدال سے



بچ گئی اور پوری مملکت اسلامیہ میں امن و امان کا دور دورہ ہو گیا، اور امن کے اس سال کو عام الجماعۃ یعنی اتحاد و اتفاق کا سال کہا گیا۔

یاد رہے حسن ؓ کے اس نیک اقدام کی پیشین گوئی خود اللہ کے رسول ﷺ نے بھی کر رکھی تھی جو حرف بحرف پوری ہوئی [بخاری: ۲۷۰۴]۔

سبائی یہودیوں نے جب دیکھا کہ حسن ؓ نے ان کے ناپاک عزائم کو اس طرح ناکام بنا دیا ہے تو وہ بہت برہم ہوئے انہوں نے آپ کو امیر المؤمنین کے بدلہ اب مدل المؤمنین، عار المؤمنین، مسود وجوہ المؤمنین جیسے بدترین خطابات سے نوازا اور آپ سے انتقام لینے کی ٹھان لی، لیکن ظاہر ہے کہ اس صلح کے بعد اگر وہ حسن ؓ کو علانیہ طور پر قتل کرتے تو معاویہ ؓ کے غیض و غضب کا نشانہ بنتے اور قصاص سے کسی طرح بھی نہ بچ سکتے، لہذا ان سبائی یہودیوں نے حسن ؓ کو زہر دے کر شہید کر ڈالا۔ [عاشورا محرم: ص: ۳۲ تا ۳۵ باختصار، زہر دینے والی بات صحیح سند سے ثابت ہے دیکھئے: حادثہ کربلا ویزید صرف صحیح روایات کی روشنی میں]۔

### نواسہ رسول حسین ؓ کی شہادت:

سبائی درندے جب مسلمانوں کے بیچ خونریزی پھیلانے کیلئے حسن ؓ استعمال نہ کر سکے تو انہوں نے آپ کو زہر دے کر شہید کر دیا اب آپ کی شہادت کے بعد سبائی یہودیوں کی نگاہیں حسین ؓ کی طرف مرکوز ہو گئیں، وہ جانتے تھے کہ مسلمانوں میں انتشار پھیلانے کے لئے حسین ؓ کی شخصیت بہت کارآمد ہے، لیکن چونکہ معاویہ ؓ انتہائی دور اندیش اور معاملہ فہم شخص تھے، اس لئے جب تک وہ زندہ تھے، سبائیوں کو جرأت نہ ہوئی کہ ان کے خلاف کوئی علانیہ سازش کرتے، اس لئے سبائی خاموشی کے ساتھ معاویہ ؓ کی موت کا انتظار کرنے لگے، کہ جوں ہی یہ دنیا سے رخصت ہوں گے اس کے بعد ہی حسین ؓ کا استعمال کر کے امت مسلمہ کے بیچ خونریزی و قتل و غارت گری عام کر دی جائے گی۔

بعض شری پسندوں نے خفیہ طور پر کچھ خطوط اہل بیت کے بعض افراد بشمول حسین علیہ السلام کی طرف بھیجے مگر اہل بیت نے اسے فتنہ اور شری پسندی قرار دیا اور ان کی دعوت ٹھکرا دی۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی میں ہی سبائیوں کے اس ناپاک ارادے کو بھانپ لیا اور انہیں اندیشہ ہوا کہ ان کی وفات کے بعد خلافت کے مسئلہ کو لیکر پھر امت مسلمہ کو لڑایا جاسکتا ہے، اس لئے انہوں نے سوچا کہ اپنی زندگی ہی میں یہ مسئلہ بھی حل کر دیا جائے تاکہ ان کی وفات کے بعد بھی فتنہ کا سد باب ہو جائے، اور سبائیوں کے سامنے امت مسلمہ کے بیچ خونریزی پھیلانے کا کوئی راستہ نہ رہے، لیکن جب یہ مسئلہ حل ہوا تو امیر معاویہ کے بیٹے یزید ہی کی شخصیت پر سب نے اتفاق کر لیا اور انہیں کو نامزد کر دیا گیا (۱)۔

اس کے بعد بھی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں سبائی حسین رضی اللہ عنہ کا استعمال کر کے فتنہ نہ برپا کریں اس لئے انہوں نے اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ:

وَأَمَّا الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ فَإِنَّ أَهْلَ الْعِرَاقِ لَنْ يَدْعُوهُ حَتَّى يَخْرُجُوهُ، فَإِنْ خَرَجَ عَلَيْكَ فَظْفَرْت بِهِ فَاصْفَحْ عَنْهُ

”مجھے خدشہ ہے کہ اہل عراق (سبائی) خاموش نہیں بیٹھیں گے، بلکہ حسین رضی اللہ عنہ کو تمہارا رے خلاف بھڑکائیں گے، اور وہ ان کی باتوں میں آجائیں اور تم ان پر قابو پا جانا تو

(۱) بعض حضرات کہتے ہیں یزید کی نامزدگی مناسب نہ تھی کیونکہ اس وقت صحابہ موجود تھے۔ عرض ہے کہ اول تو یہ فیصلہ صحابہ ہی کا تھا، دوسرے یہ کہ خلافت کی ذمہ داری محض فضیلت دیکھ کر نہیں دی جاتی ہے نہ وہ وفات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت کے لئے اختلاف نہ ہوتا کہ کیونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سب سے افضل ہونے میں کسی کو اختلاف نہ تھا۔ پھر بھی خلیفہ کے انتخاب کے وقت اختلاف ہوا۔ اور پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ کو منتخب کیا گیا، لیکن محض ان کی فضیلت دیکھ کر نہیں بلکہ ان کی اہلیت کے پیش نظر۔ اور یزید کے وقت جو صحابہ موجود تھے وہ افضل ضرور تھے مگر امور سیاست و حکومت میں دلچسپی و تجربہ نہیں رکھتے تھے بلکہ علم و فن اور تعلیم و تعلم ان کا میدان تھا۔ ایسے میں یزید ہی کا انتخاب کیا گیا کیونکہ اسے امور سیاست سے پوری طرح آگاہی تھی نیز امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے ماہر سیاست کے زیر سایہ اس کی تربیت ہوئی تھی۔ علاوہ بریں یہی سب سے مناسب نام تھا جس پر سب کے اتفاق کی امید تھی اور ہوا بھی یہی کہ پوری امت نے اس پر اتفاق کر لیا۔ نیز دیکھیں: [عہد صحابہ اور جدید ذہن کے شبہات: ص ۴۰۳ تا ۴۰۵]

انہیں معاف کر دینا“ [تاریخ الطبری: ۵/۳۲۲، دار التراث۔ بیروت، الطبعة الثانية ۱۳۸۷ھ]۔ چنانچہ وہی ہوا جس کا اندیشہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ظاہر کیا تھا جوں ہی معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی فوراً ہی سبائی حسین رضی اللہ عنہ کے پیچھے پڑ گئے اور حسین رضی اللہ عنہ بھی ان کی سازش کو سمجھ گئے اس لئے شروع شروع میں انکار کر دیا لیکن جب ان کی طرف سے مسلسل خطوط آنے لگے تو حسین رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے بھائی حسن رضی اللہ عنہ کی تاریخ دہرانے کا پروگرام بنالیا اور یہ ارادہ کر لیا کہ کسی طرح اس فتنہ کو ختم کرنا ہے اور امت مسلمہ کو ایک بار پھر خونریزی سے بچانا ہے، بلکہ بغاوت کے اس فتنہ کو جڑ سے ختم کرنا ہے۔

یہ بات حسین رضی اللہ عنہ نے صرف ابن عباس رضی اللہ عنہ کو بتلائی تھی اور جب یزید بن معاویہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ حسین کو کوفہ جانے سے روکیں تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یزید کو بھی حسین رضی اللہ عنہ کے اصل مشن سے آگاہ کر دیا، جس کے بعد یزید خاموش اور مطمئن ہو گئے۔ [حوالے آگے آرہے ہیں دیکھئے: ص ۴۱]۔

لیکن جب حسین رضی اللہ عنہ کوفہ کے قریب پہنچے تو حالات کچھ اور تھے وہ سمجھ گئے کہ کوئی وسبائی یہودیوں پر کٹر ول حاصل کرنا آسان نہیں اس لئے انہوں نے یزید کے پاس جانے کی اجازت مانگی، عبید اللہ ابن زیاد نے اجازت دے دی اور حسین رضی اللہ عنہ شام روانگی کے لئے تیار ہو گئے، مگر خطوط بھیجنے والے کوئی سمجھ گئے حسین رضی اللہ عنہ ہماری موت کا پیغام یزید کے پاس لے جا رہے ہیں، اس لئے ان کو فیوں نے حسین رضی اللہ عنہ کے قافلہ پر حملہ کر کے خطوط جلادیا اور حسین رضی اللہ عنہ کو بھی شہید کر دیا خیر خواہان حسین رضی اللہ عنہ نے حسین رضی اللہ عنہ کی حفاظت کے لئے جان کی بازی لگا دی اور ان کی ایک بڑی تعداد شہید ہو گئی مگر پھر بھی وہ قاتلین حسین رضی اللہ عنہ پر قابو نہ پاسکے، اس طرح حسین رضی اللہ عنہ امت مسلمہ کے بیچ اتحاد و اتفاق کی کوشش میں شہید ہو گئے۔

خلاصہ کلام یہ کہ حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا پس منظر یہود کی خونی تاریخ ہے، شہادت حسین سے قبل، انبیاء علیہم السلام، صحابہ کرام، خلفاء راشدین اور اہل بیت کی شہادتوں کا ایک سلسلہ ہے، حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے، یعنی حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے والے وہی لوگ تھے جنہوں نے متعدد انبیاء علیہم السلام کو شہید کیا، حسین رضی اللہ عنہ کے نانا رسول اللہ ﷺ کو زہر دے کر شہید کرنے کی کوشش کی، حسین رضی اللہ عنہ کے بہنوئی عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو شہید کیا، حسین رضی اللہ عنہ کے خالو عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا، حسین رضی اللہ عنہ کے والد علی رضی اللہ عنہ کو شہید کیا، حسین رضی اللہ عنہ کے بھائی حسن رضی اللہ عنہ کو شہید کیا، یہی حادثہ کربلا کا حقیقی پس منظر ہے اور حسین رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی سکیبہ بنت الحسین رضی اللہ عنہا کے شوہر کو جب اسی ٹولے نے شہید کیا تو انہوں نے اس پورے پس منظر کو چند لفظوں میں سمیٹتے ہوئے کہا:

قتلتم اباي، و جدی، و اخي، و عمی، و زوجی، ایتتمونی صغیرہ، و ایتتمونی کبیرہ۔

اے اہل کوفہ تم ہی نے میرے والد (حسین رضی اللہ عنہ) کو قتل کیا، تم ہی نے میرے دادا (علی رضی اللہ عنہ) کو قتل کیا، تم ہی نے میرے بھائی (ابن الحسین) کو قتل کیا، تم ہی نے میرے چچا (حسن رضی اللہ عنہ) کو قتل کیا، تم ہی نے میرے شوہر کو قتل کیا، تم لوگوں نے مجھے بچپن میں یتیم بنا ڈالا، اور بڑے ہونے پر بیوہ کر دیا [العقد الفريد: ۲۷۷/۷]۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں:

برسہا برس کی تحقیق اور ذرا سا بھی متعصبانہ سوچ کے بغیر میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ اور جانشینی کی جنگیں یہودی سازش کا نتیجہ تھیں۔ علی رضی اللہ عنہ عاتشہ رضی اللہ عنہا اور معاویہ رضی اللہ عنہ تمام نیک نیتی کے ساتھ لڑے اور ان کی قطعی

کوئی ذاتی خواہشات نہ تھیں [جنگ جمل اور جنگ صفین کا یہودی پس منظر: ص ۲۶]

## باب دوم: حادثہ کربلا کی روداد

### ❁ فصل اول: حادثہ کربلا اور تاریخی روایات

(الف): روایات کربلا کی حقیقت:

حادثہ کربلا کا مرجع تاریخی روایات ہیں جن کی جمع و تحقیق میں وہ اہتمام نہیں ہوا جو احادیث کے باب میں ہوتا ہے، مزید یہ کہ اکثر تاریخی روایات کے بیان کرنے والے ایسے رواۃ ہیں جو ضعیف ہی نہیں بلکہ کذاب اور شیعہ ہیں، اور مؤرخین نے حادثہ کربلا کے بیان میں ان سب کی مرویات یکجا کر دی ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں:

”وَقَدْ صَنَّفَ جَمَاعَةٌ مِّنَ الْقُدَمَاءِ فِي مَقْتَلِ الْحُسَيْنِ تَصَانِيفَ فِيهَا الْعَث وَالسَّمِينُ وَالصَّحِيحُ وَالسَّقِيمُ.“

اور متقدمین نے شہادت حسین رضی اللہ عنہ سے متعلق کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں رطب و یابس، صحیح و غلط سب موجود ہے، [الإصابة لابن حجر: ۲/۸۱]۔

مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں:

”اس وقت جس قدر بھی مقبول اور متداول ذخیرہ اس موضوع پر موجود ہے وہ زیادہ تر نوحہ خوانی سے تعلق رکھتا ہے جس کا مقصد زیادہ سے زیادہ گریہ و بکا کی حالت پیدا کر دینا ہے نہ کہ تاریخی حثیت سے بیان واقعات“۔ [شہید اعظم: ص: ۶]

واضح رہے کہ تاریخی روایات سے متعلق جو ہم یہ کہہ رہے ہیں کہ اس میں ہر طرح کی رطب و یابس، سچ اور جھوٹ کو بھر دیا گیا ہے تو یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ اگر ان تاریخی روایات کے لکھنے والے مؤرخین کے سامنے کہتے تو وہ کوئی صفائی دے سکتے بلکہ ان مؤرخین نے تو خود اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ ان کی ان کتابوں میں ایسی روایات مل سکتی ہیں

جونہ تو کسی طرح صحیح ہو سکتی ہیں، اور نہ ہی کسی طرح سمجھ میں آ سکتی ہیں، مثال کے طور پر تاریخ طبری ہی کو لیں، جس میں حادثہ کربلا کی سب سے زیادہ تفصیلات ہیں، اس کے متعلق خود امام طبری بیان کرتے ہیں:

فَمَا يَكُنْ فِي كِتَابِي هَذَا مِنْ خَبَرٍ ذَكَرْنَاهُ عَنْ بَعْضِ الْمَاضِينَ مِمَّا يَسْتَنْكَرُهُ قَارِئُهُ، أَوْ يَسْتَشْنَعُهُ سَامِعُهُ، مِنْ أَجْلِ أَنَّهُ لَمْ يَعْرِفْ لَهُ وَجْهًا فِي الصَّحَّةِ، وَلَا مَعْنَى فِي الْحَقِيقَةِ، فَلْيَعْلَمْ أَنَّهُ لَمْ يُوْتِ فِي ذَلِكَ مِنْ قَبْلِنَا، وَإِنَّمَا أَتَى مِنْ قَبْلِ بَعْضِ نَاقِلِيهِ إِلَيْنَا، وَإِنَّا إِنَّمَا أَدِينَا ذَلِكَ عَلَى نَحْوِ مَا أَدَى إِلَيْنَا.

ترجمہ: ”ہماری اس کتاب میں جو بعض ایسی روایات ہیں جنہیں ہم نے پچھلے لوگوں سے نقل کیا ہے، جن میں ہماری کتاب پڑھنے والے یا سننے والے اس بنا پر نکارت و شاعت محسوس کریں گے، کہ اس میں انہیں صحت کی کوئی وجہ اور معنی میں کوئی حقیقت نظر نہ آئے، انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ان کا اندراج ہم نے خود اپنی طرف سے نہیں کیا ہے بلکہ اس کا منبع وہ ناقل ہیں جنہوں نے وہ روایات ہمیں بیان کیں، ہم نے وہ روایات اسی طرح بیان کر دی جس طرح ہم تک پہنچیں“ [تاریخ الطبری: ۸/۱، دیکھئے: کربلا اور اس کا پس منظر: ص ۲۳]۔

عقیق الرحمن سنہلی صاحب مذکورہ وضاحت اور امام طبری کا بالا بیان درج کرنے کے بعد لکھتے

ہیں:

”غور کیجئے! کہ جب مؤرخ کا دامن اتنا وسیع ہو کہ موٹی اور دور سے نظر آنے والی اجوبگی کے ساتھ بھی ایک روایت کو اس کے یہاں بے چوں چرا جگہ مل سکتی ہے تو پھر راویوں کی کون سی غلطی، مبالغہ آرائی یا غلط بیانی رہ جاتی ہے جس کی توقع ہمیں اپنے ان مؤرخین کی کتابوں میں نہیں کرنی چاہئے؟ خاص کر کربلا جیسے واقعات جن سے جذبات متعلق ہوتے ہیں تعصبات متعلق ہوتے ہیں، اور مثبت و منفی مفادات بھی متعلق ہوتے ہیں“ [کربلا اور اس کا پس منظر: ص ۲۳]۔

الغرض روایات کربلا کی حقیقت یہ ہے کہ ان میں محدثانہ اصول نہیں برتے گئے، اس لئے اپنے مفاد کے لئے ان میں من مانی تحریفیں کی گئیں، نیز وافر مقدار میں فرضی واقعات بھی شامل کر لئے گئے ہیں، اس لئے ان کے مطالعہ کے وقت انتہائی محتاط اور چوکس رہنے کی ضرورت ہے۔

### (ب) : روایات کربلا اور متضاد بیانات :

روایات کربلا کی صرف یہی ایک خصوصیت نہیں ہے کہ ان کا اکثر حصہ من گھڑت اور غیر مستند ہے بلکہ اس کے ساتھ ایک دوسری مصیبت یہ بھی ہے کہ واضح تضاد اور تعارض جگہ جگہ موجود ہے۔

جناب عتیق الرحمن سنبھلی صاحب فرماتے ہیں :

”متضاد روایتوں والے اس واقعے کی اصل حقیقت تو اللہ ہی جانتا ہے، ہمارا کہنا صرف اپنے مطالعہ کے نتیجے کے طور پر ہے“ [واقعہ کربلا: ص ۲۸۸]۔

حافظ صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں :

”ایک تو تاریخ کی متضاد روایتوں نے واقعات کو بہت الجھا دیا ہے دوسرے اس سیاسی نوعیت کے واقعہ کو مذہبی رنگ دے دیا گیا ہے، جس کی وجہ سے اس پر کھل کر گفتگو کرنا بھڑوں کے چھتے کو چھیڑنے کے مترادف ہو گیا ہے، ہم تاریخی تضاد کے انبار سے اگر حقیقت کی چہرہ کشائی کریں تو یہ راستہ طویل بھی ہوگا اور پھر بھی شاید آپ کے لئے ناقابل قبول، کیونکہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ تاریخی روایت کا ایک پہلو ہے جبکہ روایات کا دوسرا پہلو اس کے برعکس ہے“ [رسومات محرم: ص ۴۹]۔

جب بات ایسی ہے کہ روایات کربلا میں دونوں پہلو کی روایات موجود ہیں، ایک پہلو تو وہ ہے جس سے حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب کی حمایت و تائید ثابت ہوتی ہے اور یزید اور ان کے ساتھیوں پر جرح ہوتی ہے اور دوسرا پہلو وہ ہے جس سے حسین ؑ اور ان

کے ساتھیوں پر حرف آتا ہے اور یزید اور ان کے ساتھیوں کی براءت ثابت ہوتی ہے، تو آخر کیا وجہ ہے کہ ان میں سے کسی ایک ہی پہلو کو منتخب کر لیا جائے اور مخالفین پر سب و شتم شروع کر دیا جائے۔

مولانا مودودی نے اپنی کتاب خلافت و ملوکیت میں اسی جانب داری کا مظاہرہ کیا ہے جس کے جواب میں حافظ صلاح الدین یوسف نے بجا طور پر لکھا:

”ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ تمام نکتہ سنجیاں محض انہیں روایات کو صحیح باور کرانے کے لئے کیوں ہیں، جو حضرت عثمان و حضرت معاویہ کو مجرم گردانتی ہیں؟ یہ نکتہ سنجیاں آخر ان تاریخی روایات کی صحت کے لئے کیوں نہیں ہو سکتیں جو حضرت علی و حسین کے کردار کو بھی مجروح کرتی ہیں“ [خلافت و ملوکیت کی شرعی حیثیت: ص: ۱۶۳]۔

کربلا کی متضاد روایات کی بابت بھی لوگوں میں یہی بے انصافی عام ہے چنانچہ وہ تمام روایات قابل قبول سمجھ لی جاتی ہیں جن میں حسین ؑ کی حمایت اور یزید پر سب و شتم کی بات ہوتی ہے اور جن روایات میں حسین ؑ پر جرح ہوتی ہے اور یزید کی طرف داری ہوتی ہے وہ روایتیں مطلقاً رد کر دی جاتی ہیں۔

ہمارے نزدیک چاہے حسین رضی اللہ عنہ کا معاملہ ہو یا یزید کا، ان میں سے کسی پر بھی اگر سب و شتم یا کسی طرح کی جرح والی روایت ملتی ہے تو وہ ہمارے نزدیک قطعاً قابل قبول نہیں کیونکہ ان روایات کی حقیقت ہم اوپر واضح کر چکے ہیں۔

### (ج): روایات کربلا سے متعلق معتدل موقف:

روایات کربلا سے متعلق کوئی بھی موقف اپنانے سے پہلے درج ذیل تین باتیں پیش نظر رکھنی ضروری ہیں:

(۱) روایات کربلا میں ایسے لوگوں کے اعمال و اخلاق کا تذکرہ بھی آتا ہے جن کا مسلمان ہونا متحقق ہے اور مسلمانوں کے آپسی حقوق میں سے ایک حق یہ بھی ہے کہ ایک



مسلمان دوسرے مسلمان کی بے عزتی و کردار کشی نہ کریں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا:

فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ، وَأَمْوَالَكُمْ، وَأَعْرَاضَكُمْ، بَيْنَكُمْ حَرَامٌ، كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا، فِي شَهْرِكُمْ هَذَا، فِي بَلَدِكُمْ هَذَا.

یقیناً تمہاری جانیں اور تمہارے مال اور تمہاری آبرو تمہارے درمیان اسی طرح حرام ہیں جس طرح آج کے دن کی حرمت تمہارے اس مہینے اور اس شہر میں ہے [صحیح البخاری: ۱/ ۲۴ رقم: ۶۷۰]۔

(۲) روایات کر بلا میں جن مسلمانوں کا تذکرہ آتا ہے ان کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ جس دور کے ہیں اس دور کے سلسلے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر کی شہادت دی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

خَيْرُ النَّاسِ قُرْنِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ.

سب سے بہتر میرے زمانہ کے لوگ ہیں، پھر وہ لوگ جو اس کے بعد ہوں گے، پھر وہ لوگ جو اس کے بعد ہوں گے [صحیح البخاری: ۳/ ۱۷۱ رقم: ۲۶۵۲]۔

(۳) روایات کر بلا میں ایسے صحابہ و تابعین کا تذکرہ بھی آتا ہے جن کے فضائل و مناقب مسلم ہیں۔

جب بات ایسی ہے کہ روایات کر بلا ایسے لوگوں کے کردار سے بحث کرتی ہے جن میں مسلمان ہیں، صحابہ و تابعین ہیں، اور قرون مشہود لہذا بالخیر کے لوگ ہیں، تو ان روایات کے سلسلے میں انتہائی محتاط رہنا چاہئے، کیونکہ یہ روایات اسنادی حیثیت سے اس معیار کی نہیں ہیں کہ ان پر آنکھ بند کر کے بھروسہ کر لیا جائے، خواہ ان کا بیان کچھ بھی ہو، بلکہ ان کی حقیقت و نوعیت کیا ہے، گزشتہ سطور میں ہم اسے واضح کر چکے ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۲۸ھ) کہتے ہیں:

”لَمْ يَجْزُ لِأَحَدٍ أَنْ يَحْتَجَّ فِي مَسْأَلَةٍ فَرْعِيَّةٍ بِحَدِيثٍ حَتَّى يُبَيِّنَ مَا بِهِ يَنْبُتُ، فَكَيْفَ يَحْتَجُّ فِي مَسَائِلِ الْأُصُولِ، الَّتِي يَفْدَحُ فِيهَا فِي خِيَارِ الْقُرُونِ وَجَمَاهِيرِ الْمُسْلِمِينَ وَسَادَاتِ أَوْلِيَاءِ اللَّهِ الْمُقَرَّبِينَ، بِحَيْثُ لَا يَعْلَمُ الْمُحْتَجُّ بِهِ صِدْقَهُ؟“

ترجمہ: ”کسی شخص کے لئے کسی فروعی مسئلہ میں بھی کسی حدیث سے استدلال اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک کہ وہ اسے صحیح ثابت نہ کر دے، پھر یہ کس طرح صحیح ہو سکتا ہے کہ ان اصولی مسائل میں جن سے خیر القرون، جمہور مسلمان، اور اللہ تعالیٰ کے عظیم اولیاء (صحابہ) پر حرف آتا ہے، ان روایات کو بطور حجت پیش کرنا جائز ہو، جن کا صدق ہی نامعلوم ہو“ [منہاج السنة النبوية: ۶۱/۷]۔

قاضی ابوبکر بن العربی، المالکی رحمہ اللہ (المتوفی ۵۴۳ھ) فرماتے ہیں:

”أَنْكُمْ لَا تَقْبَلُونَ عَلَى أَنْفُسِكُمْ فِي دِينَارٍ، بَلْ فِي دَرْهَمٍ، إِلَّا عَدْلًا بَرِينًا مِّنَ التَّهْمِ، سَلِيمًا مِّنَ الشَّهْوَةِ فَكَيْفَ تَقْبَلُونَ فِي أَحْوَالِ السَّلَفِ وَمَا جَرَى بَيْنَ الْأَوَائِلِ مِمَّنْ لَيْسَ لَهُ مَرْتَبَةٌ فِي الدِّينِ، فَكَيْفَ فِي الْعَدَالَةِ!“

”جب تم اپنے خلاف دینار و درہم تک کا دعویٰ اس وقت تک صحیح تسلیم نہیں کرتے جب تک کہ مدعی عادل، تہمتوں سے پاک اور خواہشات نفسانی سے محفوظ نہ ہو تو پھر تم سلف کے احوال اور صحابہ کرام کے مابین ہونے والے واقعات کے متعلق ان لوگوں کی روایت کس طرح قبول کر لیتے ہو جن کی عدالت تو کجا سرے سے جن کا دین ہی میں کوئی مقام نہیں ہے“ [العواصم من القواصم الأوقاف السعودية: ص ۲۵۲]۔

لہذا کر بلا کی وہ روایات قطعاً قابل قبول نہیں ہیں جو شان صحابیت اور تابعین کے بلند

معیار پر پوری نہیں اترتیں، خواہ ان کا تعلق حسین رضی اللہ عنہ سے ہو یا یزید سے، علاوہ بریں، کربلا کی روایات میں ایک مجموعہ روایات ایسا بھی ہے جس سے نہ تو حسین رضی اللہ عنہ پر کوئی حرف آتا ہے اور نہ ہی یزید کی کردار کشی ہوتی ہے بلکہ اس مجموعہ روایات کی رو سے وہ تمام تر الزامات لغو قرار پاتے ہیں جو ایک دوسرے مجموعہ روایات کو بنیاد بنا کر حسین رضی اللہ عنہ یا یزید بن معاویہ پر عائد کئے جاتے ہیں۔

اگر روایات کربلا کی حقیقت و نوعیت کو سمجھ کر، صحابہ و تابعین اور سلف صالحین کی عظمت و فضیلت کو پیش نظر رکھتے ہوئے سنجیدگی سے غور کیا جائے تو ان روایات سے متعلق معتدل موقف یہی معلوم ہوتا ہے کہ تاریخی اعتبار سے ان کا صرف وہ حصہ قبول کیا جائے جو شان صحابیت اور تابعین و اسلاف کے معیار پر پورا اترتا ہو اور ان کے مجموعی طرز عمل سے مناسبت رکھتا ہو، قطع نظر اس بات کے کہ ان کا تعلق حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب سے ہے یا یزید بن معاویہ اور ان کے اصحاب سے۔

## فصل دوم: حادثہ کربلا کی روداد

گذشتہ سطور میں روایات کربلا سے متعلق جو موقف پیش کیا گیا ہے اس روشنی میں حادثہ کربلا کی روداد ملاحظہ ہو:

اس حادثہ کے واقعات کو ہم درج ذیل پانچ مرحلوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

- ☆ پہلا مرحلہ: قیام مدینہ۔
- ☆ دوسرا مرحلہ: قیام مکہ۔
- ☆ تیسرا مرحلہ: روانگی کوفہ۔
- ☆ چوتھا مرحلہ: روانگی دمشق۔
- ☆ پانچواں مرحلہ: نزول کربلا، وقوع حادثہ۔

### پہلا مرحلہ: قیام مدینہ:

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد یزید بن معاویہ خلیفہ بنے، یزید کی خلافت اور ان کی بیعت کتاب و سنت کے موافق تھی جیسا کہ بخاری کی درج ذیل حدیث سے پتہ چلتا ہے:

امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵۶ھ) نے کہا:

حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ قَالَ لَمَّا خَلَعَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ يَزِيدَ بْنَ مُعَاوِيَةَ جَمَعَ ابْنُ عُمَرَ حَشَمَهُ وَوَلَدَهُ فَقَالَ إِنِّي سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ يُنْصَبُ لِكُلِّ غَادِرٍ لَوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَإِنَّا قَدْ بَايَعْنَا هَذَا الرَّجُلَ عَلَى بَيْعِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِنِّي لَا أَعْلَمُ غَدْرًا أَكْثَرَ مِنْ أَنْ يُبَايَعَ رَجُلٌ عَلَى بَيْعِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُنْصَبُ لَهُ الْقِتَالُ وَإِنِّي لَا أَعْلَمُ أَحَدًا مِنْكُمْ خَلَعَهُ وَلَا بَايَعَ فِي هَذَا الْأَمْرِ إِلَّا كَانَتْ الْفِيصَلُ بَيْنِي وَبَيْنَهُ.

نافع روایت کرتے ہیں کہ جب اہل مدینہ نے یزید بن معاویہ کی بیعت توڑ دی تو ابن

عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں اور بچوں کو اکٹھا کیا اور کہا کہ میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ: ہر وعدہ توڑنے والے کے لئے قیامت کے دن ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا، اور ہم

اس (یزید) کی بیعت اللہ اور اس کے رسول کے موافق کر چکے ہیں، میں نہیں جانتا کہ اس سے بڑھ کر کوئی بے وفائی ہو سکتی ہے کہ ایک شخص کی بیعت اللہ اور اس کے رسول کے موافق ہو جائے پھر اس سے جنگ کی جائے، تم میں سے جو شخص یزید کی بیعت توڑے گا، اور اس کی اطاعت سے روگردانی کرے گا تو میرا اس سے کوئی رشتہ باقی نہیں رہے گا۔ [صحیح البخاری: ۱۸/۱۰۱۸ رقم الحدیث: ۷۱۱۱]

اس روایت سے درج ذیل باتیں ثابت ہوئیں:

۱: یزید کی بیعت و خلافت کتاب و سنت کے مطابق تھی۔

۲: ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بیعت توڑنے والوں پر اس حدیث رسول کو فٹ کیا ہے جس میں خلیفہ کی بیعت توڑنے کی وعید ہے۔

۳: تمام صحابہ بشمول حسین رضی اللہ عنہ اور تابعین یزید کی بیعت و خلافت سے متفق تھے، کیونکہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بلا استثناء وَإِنَّا قَدْ بَايَعْنَا کہا ہے۔ اس عمومی بیان کے خلاف صرف عبداللہ بن ابی بکر اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما ہی سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ انہوں نے بیعت نہیں کی تھی وہ بھی یزید کی شخصیت کی وجہ سے نہیں بلکہ باپ کے بعد بیٹے کو خلیفہ بنانے کی وجہ سے۔ نیز ان میں سے اول الذکر، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں ہی وفات پا چکے تھے اس لحاظ سے ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی سے بھی عدم بیعت ثابت نہیں ہے اور پوری امت کے اتفاق کے بعد کسی ایک کے اختلاف کا کوئی اعتبار نہیں۔ جن روایتوں میں آتا ہے کہ ابن عمر، ابن عباس اور حسین رضی اللہ عنہ نے بیعت سے انکار کیا وہ جھوٹی ہونے کے ساتھ ساتھ بخاری کی اس ثابت شدہ روایت کے خلاف ہے لطف تو یہ ہے کہ جھوٹی روایت میں منکرین بیعت میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کو بھی شامل کر دیا گیا جبکہ بخاری کی صحیح روایت میں ابن عمر رضی اللہ عنہ نہ صرف یہ کہ بیعت کا اقرار کر رہے ہیں بلکہ اسے کتاب و سنت کے موافق بھی بتلا رہے ہیں۔

۴: جن لوگوں نے یزید کی خلافت سے اختلاف کیا تھا ان کا واقعہ شہادت حسین رضی اللہ عنہ کے بہت بعد کا تھا، گویا کہ شہادت حسین سے قبل اور اس کے بعد ایک لمبے عرصہ تک پوری امت مسلمہ بشمول حسین رضی اللہ عنہ میں سے کسی ایک شخص نے بھی یزید کے خلاف خروج نہیں کیا اور نہ ہی ان کی بیعت توڑی۔

۵: شہادت حسین رضی اللہ عنہ کے بہت بعد جن لوگوں نے یزید سے اختلاف کیا وہ لوگ بھی پہلے بیعت کر چکے تھے، کیونکہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں عہد شکن قرار دیا ہے۔ جب یہ معلوم ہو گیا کہ یزید کی بیعت و خلافت کتاب و سنت کے موافق تھی اور پوری امت اس پر متفق تھی تو لازمی بات ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ بھی خلافت یزید کو تسلیم کرنے والوں میں سے تھے، یزید کے باقاعدہ خلیفہ بننے کے وقت حسین رضی اللہ عنہ مدینہ میں مقیم تھے اور اس بیچ ان کے تعلق سے کوئی ایسی مستند روایت نہیں ملتی جس سے مستفاد ہو کہ انہیں خلافت یزید پر کوئی اعتراض تھا۔

بلکہ بعض روایات بتلاتی ہیں کہ یزید کے باقاعدہ خلیفہ بننے کے بعد یزید کے اصحاب جب مدینہ میں حسین رضی اللہ عنہ کے پاس بیعت کی رسم پوری کرنے کے لئے پہنچے تو انہوں نے بالکل انکار نہیں کیا بلکہ مجمع عام میں یہ رسم پوری کرنے کا وعدہ کیا تا کہ سب کو معلوم ہو جائے کہ حسین رضی اللہ عنہ بھی یزید کے مخالف نہیں ہیں:

وَدَعَاهُ إِلَى الْبَيْعَةِ، فَقَالَ حُسَيْنٌ: إِنَّا لِلَّهِ وَأَنَا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ وَرَحِمَ اللَّهُ مُعَاوِيَةَ وَعَظَمَ لَكَ الْأَجْرُ. أَمَّا مَا سَأَلْتَنِي مِنَ الْبَيْعَةِ فَإِن مِّثْلِي لَا يُعْطَى بِعِثَتِهِ سِرًّا وَلَا أَرَاكَ تَجْتَرِّءُ بِهَا مِنِّي سِرًّا ذُوْنَ أَنْ نَظْهَرُهَا عَلَى رُؤُوسِ النَّاسِ عِلَانِيَةً، قَالَ أَجَل. قَالَ: فَإِذَا خَرَجْتُ إِلَى النَّاسِ فَدَعَوْتُهُمْ إِلَى الْبَيْعَةِ دَعَوْتَنَا مَعَ النَّاسِ فَكَانَ امْرَأً وَاحِدًا، فَقَالَ لَهُ الْوَلِيدُ، وَكَانَ يُحِبُّ الْعَافِيَةَ: فَانْصَرَفَ عَلَى اسْمِ اللَّهِ حَتَّى تَأْتَيْنَا مَعَ جَمَاعَةِ النَّاسِ.

ولید نے حسین رضی اللہ عنہ کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر دی اور یزید کے

لئے بیعت کی دعوت دی تو حسین رضی اللہ عنہ نے کہا: انا للہ وانا الیہ راجعون، اللہ معاویہ رضی اللہ عنہ پر رحم کرے، اور تمہیں اجر عظیم سے نوازے تم مجھ سے جو بیعت کا مطالبہ کر رہے ہو تو مجھ جیسے شخص کو خفیہ بیعت نہیں کرنی چاہئے، اور میں سمجھتا ہوں کہ تم بھی یہاں کی گئی خفیہ بیعت کو کافی نہیں سمجھو گے جب تک میں پورے مجمع کے سامنے اس کا اعلان نہ کر دوں، ولید نے کہا جی ہاں آپ نے درست فرمایا، اس پر حسین رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب تمام لوگوں کو بلا کر بیعت لینا تو وہاں لوگوں کے ساتھ ہمیں بھی بلالینا پھر تمام لوگوں کے ساتھ ہماری بیعت بھی ہو جائے گی، تو ولید نے جو عافیت پسند تھے کہا: ٹھیک ہے پھر آپ اللہ کا نام لیکر رخصت ہوں اگلی بار تمام لوگوں کے ساتھ آپ آجائے گا [تاریخ الطبری: ۳۳۹/۵]۔

حسین رضی اللہ عنہ نے بھرے مجمع میں بیعت کی خواہش اس لئے ظاہر کی تاکہ یہ بات زیادہ سے زیادہ مشہور ہو جائے اور سب کو معلوم ہو جائے کہ حسین رضی اللہ عنہ یزید کے مخالف نہیں ہیں، اور انہوں نے یزید کی بیعت کر لی ہے، دراصل حسین رضی اللہ عنہ سے سبائیوں نے مخالفت کی امیدیں لگا رکھی تھیں اس لئے حسین رضی اللہ عنہ بھرے مجمع میں بیعت کرنا چاہتے تھے تاکہ یہ بات عام ہو جائے۔

یاد رہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے بھی ابو بکر رضی اللہ عنہ کی جب بیعت کی تو مسجد میں تمام لوگوں کے سامنے بیعت کی [صحیح البخاری: ۱۳۹/۵ رقم ۴۲۴۰]

اسی طرح شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد لوگوں نے جب علی رضی اللہ عنہ سے بیعت کی خواہش ظاہر کی تو اس وقت بھی آپ نے کہا:

فإن بیعتی لا تكون سرا، ولكن أخرج إلى المسجد فمن شاء أن یبایعنی بایعنی

میری بیعت خفیہ نہیں ہوگی بلکہ میں مسجد جاؤں گا اور وہاں جو مجھ سے بیعت کرنا چاہے

گا بیعت کر لے گا [فضائل الصحابة لأحمد بن حنبل: ۵۷۳/۲ واسنادہ صحیح]

علی رضی اللہ عنہ کے بعد حسن رضی اللہ عنہ کا بھی یہی حال ہے انہوں نے بھی معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کی اور بھرے مجمع میں ان سے بیعت کی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل بیت کے افراد کھلے عام بیعت کرتے تھے تاکہ ان کی بیعت پر ایک بڑی تعداد گواہ رہے اور کسی کو شکوک و شبہات پھیلانے کی گنجائش نہ ملے۔ اسی خاندانی اصول کے مطابق حسین رضی اللہ عنہ نے بھی بھرے مجمع میں بیعت کرنے کی خواہش ظاہر کی۔

واضح رہے کہ ایک ہوتا ہے خلافت کو تسلیم کرنا اور بیعت پر رضا مند ہونا اور ایک ہوتا ہے بیعت کی رسم پوری کرنا، اطاعت امیر کے لئے پہلی چیز ہی کافی ہے اور دوسری چیز ایک رسمی ہے جس کا مقصد اقرار بیعت کو سب کے علم میں لانا اور اس پر مہر لگانا ہوتا ہے، موخر الذکر روایت میں جو یہ ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ سے بیعت کا مطالبہ کیا گیا تو اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ انہوں نے خلافت یزید کو اب تک تسلیم نہیں کیا تھا بلکہ خلافت تو تسلیم کیا تھا لیکن بیعت کی رسم کا مطالبہ ہو رہا تھا، جس سے حسین رضی اللہ عنہ نے قطعاً انکار نہیں کیا بلکہ مجمع عام میں اس رسم کی ادائیگی کا مطالبہ کیا۔

اور بیعت اگر منظور ہو تو اس کی رسم کی ادائیگی میں تاخیر کرنا کوئی عیب کی بات نہیں ہے، خود حسین رضی اللہ عنہ کے والد علی رضی اللہ عنہ کو دیکھ لیں بخاری و مسلم کی روایت کے مطابق انہوں نے خلیفہ اول ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کی رسم چھ ماہ بعد ادا کی (۱) دیکھئے:

[بخاری: ۱۳۹/۵، رقم: ۴۲۴۰، مسلم: ۱۳۸۰/۳، رقم: ۱۷۵۹]۔

(۱) ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے شروع ہی میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تھی، جس کی بنا پر بعض اہل علم کا خیال ہے کہ صحیحین میں جس بیعت کا ذکر ہے وہ تجدید بیعت ہے کیونکہ بعض لوگ شکوک و شبہات میں مبتلا ہو گئے تھے جن کے ازالہ کے لئے علی رضی اللہ عنہ نے بیعت کی تجدید کی تھی۔ لیکن ہمارے مطالعہ کی حد تک شروع میں بیعت والی روایت صحیح نہیں ہے جس کی وضاحت کافی تفصیل طلب ہے۔ مزید برآں یہ کہ صحیحین کی روایت میں یہ بھی صراحت ہے کہ اس سے قبل انہوں نے بیعت نہیں کی تھی۔



صحیحین کی روایات سے معلوم ہوا کہ علی رضی اللہ عنہ نے چھ ماہ تک ابو بکر رضی اللہ عنہ سے بیعت کی رسم پوری نہیں کی تھی لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ انہیں ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت و بیعت سے انکار تھا۔

امام نووی رحمہ اللہ مذکورہ حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

”ہر ایک شخص کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ امیر کے پاس حاضر ہو کر اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ رکھے بلکہ ضروری یہ ہے کہ جب اہل حل و عقد کی طرف سے کوئی امیر منتخب ہو جائے تو وہ اس کی اطاعت قبول کر لے اور اس کی مخالفت ظاہر نہ کرے اور نہ ہی اس کی نافرمانی کرے، یہی حال علی رضی اللہ عنہ کا اس مدت (چھ ماہ کے بیچ) میں بیعت ابو بکر رضی اللہ عنہ (کی رسمی ادائیگی) سے قبل تھا کیونکہ علی رضی اللہ عنہ نے اس دوران ابو بکر رضی اللہ عنہ کی مخالفت ظاہر نہیں کی اور نہ ہی ان کی نافرمانی کی بلکہ انہوں نے عذر کی بنا پر حاضری (بیعت کے رسم کی ادائیگی) میں تاخیر کی“ [شرح النووی علی مسلم: ۷۷/۱۲]

ہم کہتے ہیں یہی معاملہ حسین رضی اللہ عنہ کا بھی ہے انہوں نے بھی یزید کی مخالفت ظاہر نہیں کی بلکہ مصلحتاً (جو کہ ان حالات میں ایک عذر تھا اس کے سبب) بیعت میں تاخیر کی۔

بہر حال اگلے دن وعدہ کے مطابق حسین رضی اللہ عنہ مدینہ میں موجود رہے لیکن حکام دوسری مصروفیات کے باعث ان کی بیعت کا انتظام نہیں کر سکے اور پھر اس کے بعد والی رات کو حسین رضی اللہ عنہ مکہ روانہ ہو گئے۔

فَتَشَاغَلُوا عَنْ حُسَيْنٍ بَطْلِبِ عَبْدِ اللَّهِ يَوْمَهُمْ ذَلِكَ حَتَّى أَمْسُوا، ثُمَّ بَعَثَ الرِّجَالُ إِلَى حُسَيْنٍ عِنْدَ الْمَسَاءِ فَقَالَ: أَصْبَحُوا ثُمَّ تَرَوْنَ وَنَرَى، فَكُفُّوا عَنْهُ تِلْكَ اللَّيْلَةَ، وَلَمْ يَلْحَوْا عَلَيْهِ، فَخَرَجَ حُسَيْنٌ مِنْ تَحْتِ لَيْلَتِهِ.

حکام اگلے دن عبد اللہ بن زبیر کے سلسلے میں مصروف رہے یہاں تک کہ شام ہو گئی پھر

شام کو انہوں نے بعض لوگوں کو حسین ؑ کے پاس بھیجا تو آپ نے فرمایا صبح ہو جائے پھر دیکھیں گے، چنانچہ یہ لوگ واپس ہو گئے اور حسین ؑ سے کوئی اصرار نہیں کیا، پھر حسین ؑ اسی رات مدینہ سے نکل گئے [تاریخ الطبری: ۳۴۱/۵]۔

ظاہر ہے اس میں حسین رضی اللہ عنہ کی کوئی کوتاہی نہیں ہے وہ وعدہ کے مطابق اگلے دن مدینہ ہی میں موجود تھے لیکن حکام، حسین رضی اللہ عنہ کی خواہش کے مطابق ان کی بیعت کا انتظام نہ کر سکے اور شام کو ان کے پاس ان کے شرائط کے خلاف پہنچے اور حسین رضی اللہ عنہ نے اس بار کوئی وعدہ نہیں کیا بلکہ کہا کہ صبح ہو جانے دو پھر دیکھیں گے، لیکن اسی رات حسین رضی اللہ عنہ مکہ روانہ ہو گئے۔

### دوسرا مرحلہ: قیام مکہ:

حسین رضی اللہ عنہ مکہ آ گئے، مکہ کس لئے آئے تھے اس بارے میں ہم حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ حسن ظن ہی رکھیں گے کہ ان کی نیک ترجیحات ہی تھیں، یہ بات قطعاً نہیں تسلیم کی جاسکتی کہ بیعت یزید سے چھٹکارا حاصل کرنے کی غرض سے مکہ آئے تھے کیونکہ:

☆ انہوں نے بیعت پر رضامندی ظاہر کر دی تھی صرف اتنی بات ہی بیعت کے لئے کافی ہے اور رسم بیعت کی ادائیگی مزید تاکید کے لئے ہوتی ہے، جیسا کہ گذشتہ سطور میں صحیحین کے حوالے سے واضح کیا گیا، لہذا اصل مقصود پورا کرنے کے بعد رسم بیعت کی ادائیگی سے فرار بے معنی چیز ہے۔

☆ وہ دو دن پہلے بیعت کا وعدہ کر چکے تھے اور ان سے وعدہ خلافی کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

☆ دوسرے دن مکمل طور پر وہ مدینہ ہی میں مقیم رہے اور وعدہ بیعت کی تکمیل کے لئے

تیار تھے، مگر ان کی بیعت کا انتظام حکام کی طرف سے نہیں ہو سکا، اس میں حسین رضی اللہ عنہ کا کوئی قصور نہیں۔

☆ اگر بیعت سے فرار کی نیت لے کر مکہ گئے تھے تو یہ غیر معقول بات تھی کیونکہ مکہ میں بھی ان سے بیعت کا مطالبہ ہوتا۔

مولانا سید علی احمد عباسی لکھتے ہیں:

”رہا ان دونوں بزرگوں (حسین و ابن زبیر رضی اللہ عنہما) کا مکہ آنا تو ضروری نہیں ہے کہ امیر ولید کو دھوکہ دے کر ہی ان کا آنا ہوا ہو، آدمی یوں ہی بھی تو مکہ آ سکتا ہے، امیر المؤمنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات یکم رجب ۶۰ ہجری کو ہوئی تھی، اور یہ مہینہ عمرہ کا ہوتا ہے، لہذا قرین قیاس یہ ہے کہ یہ دونوں بزرگوار پہلے ہی سے غالباً بنیت عمرہ آ گئے تھے“ [حضرت معاویہ کی سیاسی زندگی: ص ۳۱۳]۔

بہر حال جب حسین رضی اللہ عنہ بیعت کی رسم پوری کئے بغیر مکہ پہنچ گئے اور یہ بات اہل کوفہ (سبائیوں یہودیوں) کو معلوم ہوئی تو انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ حسین رضی اللہ عنہ یزید کی خلافت سے متفق نہیں ہیں، پھر انہوں نے سازش رچی کہ حسین رضی اللہ عنہ کا استعمال کر کے مسلمانوں کے بیچ خونریزی کی جائے اور جمل و صفین کی تاریخ دہرائی جائے، اس کی خاطر انہوں نے حسین رضی اللہ عنہ کی طرف خطوط بھیجنا شروع کیا۔

حسین رضی اللہ عنہ اہل کوفہ کی یہ سازش بہت پہلے ہی بھانپ گئے تھے کہ یہ کوفی انہیں خلیفہ بنانے کے لئے ہرگز نہیں بلا رہے ہیں بلکہ ان کا اصل مقصود امت مسلمہ کے بیچ فتنہ و فساد اور قتل و غارت گری عام کرنا ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ اپنے اس مقصد کے لئے حسین رضی اللہ عنہ کا استعمال کریں اور جب مقصود پورا ہو جائے تو انہیں بھی قتل کر دیں گے۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں:

كَانَ أَهْلُ الْكُوفَةِ يَكْتُبُونَ إِلَيْهِ يَدْعُوْنَهُ إِلَى الْخُرُوجِ إِلَيْهِمْ فِي خِلَافَةِ

مُعَاوِيَةَ، كُل ذَلِك يَأْبَى عَلَيْهِمْ، فَقَدِمَ مِنْهُمْ قَوْمٌ إِلَى مُحَمَّدِ بْنِ الْحَنَفِيَّةِ يَطْلُبُونَ إِلَيْهِ أَنْ يَخْرُجَ مَعَهُمْ فَأَبَى، وَجَاءَ إِلَى الْحُسَيْنِ يَعْرِضُ عَلَيْهِ أَمْرَهُمْ، فَقَالَ لَهُ الْحُسَيْنُ: إِنَّ الْقَوْمَ إِنَّمَا يُرِيدُونَ أَنْ يَأْكُلُوا بَنَاءً، وَيَسْتَبِيلُوا بَنَاءً، وَيَسْتَبِطُوا دِمَاءَ النَّاسِ وَدِمَاءَنَا، فَأَقَامَ حُسَيْنٌ عَلَى مَا هُوَ عَلَيْهِ مِنَ الْهَمُومِ، مَرَّةً يُرِيدُ أَنْ يَسِيرَ إِلَيْهِمْ، وَمَرَّةً يَجْمَعُ الْإِقَامَةَ عَنْهُمْ.

معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کے دور میں اہل کوفہ حسین رضی اللہ عنہ کی طرف خطوط بھیجتے تھے اور انہیں اپنے پاس آنے کی مسلسل دعوت دیتے، لیکن حسین رضی اللہ عنہ ہر بار انکار کرتے رہے، پھر کچھ کوئی حسین رضی اللہ عنہ کے بھائی محمد بن حنفیہ کے پاس آئے اور مطالبہ کیا کہ وہ ان کے ساتھ چلیں لیکن انہوں نے بھی صاف انکار کر دیا اور حسین رضی اللہ عنہ کے سامنے آ کر ان کی اس پیشکش کے بارے میں بتلایا تو حسین رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ کوئی لوگ درحقیقت ہمیں اپنے مفاد کے لئے استعمال کرنا چاہتے ہیں، نیز وہ ہمارا استعمال کر کے سرکشی اور امت مسلمہ کے بیچ خونریزی پھیلانا اور خود ہمارا بھی خون بہانا چاہتے ہیں، یہ سب دیکھ کر حسین رضی اللہ عنہ فکر مند ہو گئے کبھی سوچتے کہ (اس فتنہ کو ختم کرنے کے لئے) ان کے پاس جا (کر کچھ کرنا) چاہئے اور کبھی سوچتے کہ جہاں ہیں وہیں رہنا چاہئے [البداية والنهاية ط إحياء التراث : ۱۷۴/۸ - البداية والنهاية : ۱۶۱/۸ مكتبة المعارف - البداية والنهاية ط الفكر : ۱۶۱/۸]

حسین رضی اللہ عنہ کے ان الفاظ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ اہل کوفہ کی دعوت کے پیچھے ان کی چھپی ہوئی سازش کو بہت اچھی طرح سمجھ چکے تھے، اسی طرح مکہ سے روانہ ہونے کے بعد ایک مقام پر پہنچے تو حسین رضی اللہ عنہ نے صاف طور سے کہہ دیا کہ ان کے خطوط اس بات پر غماز ہیں کہ یہ مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں۔

امام ابن سعد رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۰) نے کہا:

أخبرنا موسى بن إسماعيل . قال : حدثنا جعفر بن سليمان . عن يزيد الرشك . قال : حدثني من شافه الحسين . قال : رأيت أبنية مضروبة بفلاة من الأرض فقلت : لمن هذه؟ قالوا : هذه لحسين قال : فأتيته فإذا شيخ يقرأ القرآن . قال : والدموع تسيل على خديه ولحيته . قال : قلت : بأبي وأمي يا ابن رسول الله . ما أنزلك هذه البلاد والفلاة التي ليس بها أحد؟ قال : هذه كتب أهل الكوفة إلى ولا أراهم إلا قاتلي . فإذا فعلوا ذلك لم يدعوا لله حرمة إلا انتهكوها فيسلط الله عليهم من يذلهم حتى يكونوا أذل من فرم الأمة - يعني مقنعتها .

یزید بن ابی یزید الضبعی فرماتے ہیں کہ مجھے اس شخص نے بتایا جس نے براہ راست حسین ؑ سے گفتگو کی، اس نے کہا: میں نے بے آب و گیاہ میدان میں چند خیمے دیکھے تو میں نے لوگوں سے پوچھا: یہ کس کے خیمے ہیں؟ لوگوں نے کہا: یہ حسین رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ پھر میں حسین رضی اللہ عنہ کے پاس آیا دیکھا کہ آپ قرآن پڑھ رہے ہیں اور آنسو آپ کے رخساروں اور داڑھی پر بہہ رہے ہیں، میں نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان اے نواسہ رسول ﷺ! آپ کو اس بے آب و گیاہ میدان میں کیا چیز لے آئی ہے؟ حسین رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ میرے نام اہل کوفہ کے خطوط ہیں اور وہ مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں اگر انہوں نے ایسا کر ڈالا تو اللہ کی قسم! اللہ کی تمام حرمت کو پامال کر ڈالیں گے پھر اللہ ان پر ایسے لوگوں کو مسلط کرے گا جو انہیں ذلیل کر دیں گے یہاں تک کہ یہ لوگ لونڈی کے حقیر کپڑوں سے بھی بدتر ہو جائیں گے۔ [الطبقات الكبرى - متمم الصحابة - الطبقة الخامسة :

یہی بات شیعہ مصنف نے بھی نقل کیا ہے ملاحظہ:

إِنَّ هَؤُلَاءِ أَخَافُونِي وَهَذِهِ كُتُبُ أَهْلِ الْكُفْرِ وَهُمْ قَاتِلِي

یہ لوگ مجھے خوفزدہ کر رہے ہیں اور یہ اہل کوفہ کے خطوط ہیں یہ مجھے قتل کرنا چاہتے

ہیں [مقتل الحسین للمقدم: ص ۱۷۵]۔

معلوم ہوا کہ حسین رضی اللہ عنہ اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ اہل کوفہ ان کے ساتھ کبھی بھی وفاداری نہیں کر سکتے بلکہ اہل کوفہ کا مقصد آپ کو استعمال کر کے مسلمانوں کا خون بہانا، اور بالآخر انہیں بھی قتل کرنا ہے، ان حالات میں یہ ناممکن ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ کوفہ خلیفہ بننے کی نیت سے جائیں اور سب کچھ جاننے کے باوجود ان عدا کو فیوں پر اعتماد کر لیں، کوئی معمولی سے معمولی شخص بھی ان حالات میں ایسا فیصلہ نہیں کر سکتا۔

لہذا درست بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ حسین ؑ نے کوفہ کا ارادہ محض اس لئے کیا تھا تاکہ اہل کوفہ کی بغاوت کے خاتمہ کے لئے اپنی خدمات پیش کر سکیں، کیونکہ حالات بتا رہے تھے کہ کوئی ان کے قتل کے درپے ہیں، مزید یہ کہ اللہ کے نبی ﷺ نے ان کی شہادت کی پیشین گوئی بھی کر دی تھی، لہذا حسین ؑ نے سوچا کہ جب میرا خون بہایا جانا یقینی ہے تو بہتر ہوگا کہ مکہ میں میرا خون نہ بہے اور وہ بھی اس طرح کہ میری شہادت صرف اخروی سعادت میں محصور ہو جائے اور اس کے ساتھ ساتھ امت کے لئے بھی نفع بخش نہ ہو، اس لئے بہتر یہی ہے کہ ان کی شہادت کسی اور مقام پر ہو نیز ان کی شہادت ان کے لئے اخروی اجر و ثواب کے باعث ہونے کے ساتھ ساتھ امت کے حق میں بھی مفید ثابت ہو۔

پھر اس صورت حال میں حسین ؑ کے سامنے کل تین راستے تھے:

**اول:** جہاں پر ہیں وہیں اقامت پذیر رہیں اور مستقبل کے حالات اللہ کے سپرد

کردیں۔

**دوم:** کسی سرحد پر جا کر مجاہدین کے ساتھ جہاد کرتے اور شہادت پاتے اس طرح مکہ کی سرزمین میں ان کا خون نہ بہتا نیز ان کی شہادت سے امت کا بھی بھلا ہوتا۔

**سوم:** کوفہ جا کر وہیں اقامت اختیار کر لیں اور اہل کوفہ پر کنٹرول حاصل کریں اور انہیں سمجھا بجھا کر یا کسی بھی ممکنہ صورت پر عمل کر کے انہیں اسلامی حکومت کے تابع رکھیں جیسا کہ ان کے بڑے بھائی حسن رضی اللہ عنہ نے کیا تھا، گرچہ اس نیک اقدام کی وجہ سے دشمنان اسلام انہیں شہید کر ڈالیں جس طرح ان کے بڑے بھائی حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا، ایسی صورت میں بھی مکہ کی مقدس سرزمین پر ان کا خون نہ بہے گا نیز ان کی شہادت ان کے حق میں اخروی مقام و مرتبے کے ساتھ ساتھ امت کے حق میں بھی مفید ثابت ہوگی۔

چنانچہ حسین ؑ نے آخری صورت کو ترجیح دی اور یہی فیصلہ کیا کہ مکہ میں اپنا خون نہیں بہنے دیں بلکہ مکہ سے باہر شہادت پائیں گے اور اپنی شہادت کو ذخیرہ آخرت بنانے کے ساتھ ساتھ، امت کے حق میں بھی مفید ثابت کریں گے اسی مقصد کے تحت حسین ؑ نے مکہ سے روانگی کا فیصلہ کیا۔

یہ اقدام گرچہ مخلصانہ تھا لیکن بہت ہی پرخطر تھا، اس لئے بعض خیر خواہوں نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ مکہ نہ چھوڑیں لیکن حسین رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اگر میں مکہ نہ چھوڑوں گا تو یہیں پر میرا خون بہا دیا جائے گا، اس لئے بہتر ہے کہ اس مقدس سرزمین پر میرا خون نہ بہے:

امام طبرانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۶۰ھ) نے کہا:

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ ، حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مَيْسَرَةَ ، عَنْ طَاوُسٍ ، قَالَ: قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: اسْتَأْذَنِي حُسَيْنٌ فِي الْخُرُوجِ ، فَقُلْتُ: لَوْلَا أَنَّ يُزْرَى ذَلِكَ بِي أَوْ بِكَ لَشَبَكْتُ بِيَدِي فِي رَأْسِكَ ، قَالَ:

فَكَانَ الَّذِي رَدَّ عَلَيَّ ، أَنُ قَالَ : ” لَأَنْ أُقْتَلَ بِمَكَانٍ كَذَا وَكَذَا أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ يُسْتَحَلَّ بِي حَرَمُ اللَّهِ وَرَسُولِهِ “ ، قَالَ : فَذَلِكَ الَّذِي سَلَى بِنَفْسِي عَنْهُ .

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حسین ؑ نے مجھ سے روانگی کوفہ کی اجازت طلب کی تو میں نے کہا: اگر میری اور آپ کی شان کے خلاف نہ ہوتا تو میں آپ کو پکڑ کر رکھتا، عبداللہ بن عباس ؑ کہتے ہیں کہ اس پر حسین ؑ نے جواب دیا کہ: میں فلاں فلاں مقام پر قتل کر دیا جاؤں یہ میرے نزدیک اس بات سے زیادہ بہتر ہے کہ میری وجہ سے مکہ کی حرمت پامال ہو، عبداللہ بن عباس ؑ کہتے ہیں کہ یہ بات کہہ کر حسین ؑ نے مجھے مطمئن کر دیا [المعجم الكبير للطبرانی: ۱۹۹/۳ و اسنادہ صحیح ، دیکھئے حادثہ کربلا ویزید، صرف صحیح روایات کی روشنی میں]۔

الغرض یہ کہ مذکورہ ارادے کے تحت حسین رضی اللہ عنہ نے مکہ سے نکلنے کا فیصلہ کر لیا یعنی مشن یہ تھا کہ اہل کوفہ پر کنٹرول حاصل کر کے انہیں کسی طرح حکومت وقت کے ماتحت کر دیں تاکہ جو اتحاد و اتفاق صلح حسن رضی اللہ عنہ سے پیدا ہوا تھا اس کی تجدید ہو جائے ، دوسرے الفاظ میں یہ کہہ لیں کہ اہل کوفہ حسین رضی اللہ عنہ کو بلا کر صفین کی تاریخ دہرانا چاہتے تھے اور حسین رضی اللہ عنہ اپنے بڑے بھائی حسن رضی اللہ عنہ کی تاریخ دہرانے کے خواہش مند تھے، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے ایک خط سے حسین رضی اللہ عنہ کا یہی موقف صراحتہ معلوم ہوتا ہے۔

چنانچہ جب حسین رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ کے متواتر خطوط ملنے کے بعد کوفہ جانے کا ارادہ کر لیا تو یہ بات کسی طرح یزید کو معلوم ہو گئی یزید نے فوراً ابن عباس رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ حسین رضی اللہ عنہ کو سمجھائیں ابن سعد نے متعدد سندوں سے نقل کیا کہ:

وَكُتِبَ يَزِيدَ بْنِ مُعَاوِيَةَ إِلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ يُخْبِرُهُ بِخُرُوجِ الْحُسَيْنِ



إِلَى مَكَّةَ. وَنَحْسِبُهُ جَاءَهُ رِجَالٌ مِّنْ أَهْلِ هَذَا الْمَشْرِقِ فَمَنَّوْهُ  
الْخِلَافَةَ. وَعِنْدَكَ مِنْهُمْ خُبْرَةٌ وَتَجَرِبَةٌ. فَإِنْ كَانَ فَعَلَ فَقَدْ قَطَعَ وَاشْجَ  
الْقَرَابَةَ. وَأَنْتَ كَبِيرُ أَهْلِ بَيْتِكَ وَالْمَنْظُورُ إِلَيْهِ. فَكَفَهُ عَنِ السَّعْيِ فِي الْفِرْقَةِ.

اور یزید بن معاویہ نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ حسین رضی اللہ عنہ مکہ  
جا چکے ہیں، ان کے پاس اس مشرق (کوفہ) سے کچھ لوگ آ کر انہیں خلافت کی امیدیں  
دلا رہے ہیں، آپ اہل کوفہ سے اچھی طرح واقف ہیں اور پورا تجربہ رکھتے ہیں، اس لئے  
سوچ لیں کہ اگر حسین رضی اللہ عنہ ایسا کر گئے تو اس سے ساری قرابتداریاں خاک میں مل  
جائیں گی، آپ اپنے گھر کے سب سے بڑے اور پسندیدہ شخص ہیں، لہذا آپ حسین رضی  
اللہ عنہ کو تفرقہ کی کوششوں سے روکیں [الطبقات الكبرى: ۱/۴۵۰، تاریخ مدینة  
دمشق: ۱۴/۲۱۰، بغیة الطلب فی تاریخ حلب: ۶/۲۶۱۱، البداية والنهاية: ۸/۱۶۴،  
تہذیب الکمال للمزی: ۶/۴۲۰، سیر أعلام النبلاء للذہبی: ۳/۳۰۴]۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جواباً یزید کو لکھا اور انہیں آگاہ کیا کہ حسین رضی اللہ عنہ کا  
خروج آپ کے خلاف نہیں ہے، وہ کوفہ جا کر ایسا کوئی کام نہیں کریں گے جو آپ کو ناپسند ہو:  
فَكَتَبَ إِلَيْهِ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبَّاسٍ: إِنِّي أُرْجُو أَنْ لَا يَكُونَ خُرُوجُ الْحُسَيْنِ  
لَأَمْرٍ تُكْرِهُهُ. وَلَسْتُ أَدْعِ النَّصِيحَةَ لَهُ فِيمَا يَجْمَعُ اللَّهُ بِهِ الْأُلْفَةَ وَيَطْفِئُ بِهِ  
النَّارَ

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے جواباً یزید کو لکھا کہ: مجھے پوری امید ہے کہ (کوفہ کی  
طرف) حسین رضی اللہ عنہ کسی ایسے مقصد کی خاطر نہیں نکل رہے ہیں جو آپ کو ناپسند ہو اور میں  
انہیں پوری طرح ایسی چیزوں کی نصیحتیں کر دوں گا جن سے ان شاء اللہ اتحاد و اتفاق قائم ہوگا  
اور فتنہ کی آگ بجھ جائے گی۔ [الطبقات الكبرى: ۱/۴۵۰، تاریخ مدینة دمشق: ۱۴/۲۱۰،

بغیۃ الطلب فی تاریخ حلب: ۶/۲۶۱۱، البدایۃ والنہایۃ: ۸/۱۶۴، تہذیب الکمال للزمزى: ۶/۴۲۰، سیر أعلام النبلاء للذهبی: ۳/۳۰۴۔

اسی طرح کربلا سے حسین رضی اللہ عنہ نے عبید اللہ بن زیاد کے پاس ایک خط لکھا اور یہ خط پڑھ کر عبید اللہ بن زیاد نے بھی حسین رضی اللہ عنہ کے اسی موقف کی وضاحت کی۔

فَلَمَّا قَرَأَ عُبَيْدُ اللَّهِ الْكِتَابَ قَالَ: هَذَا كِتَابُ رَجُلٍ نَاصِحٍ لَأَمِيرِهِ، مُشْفِقٍ عَلَى قَوْمِهِ، نَعَمْ قَدْ قَبِلْتُ.

عبید اللہ بن زیاد، حسین رضی اللہ عنہ کا خط پڑھ کر پکار اٹھا کہ یہ تو ایسے شخص کا خط ہے جو اپنے خلیفہ کا خیر خواہ ہے اور اپنی قوم پر شفیق ہے، مجھے حسین رضی اللہ عنہ کی بات منظور ہے [تاریخ الطبری: ۵/۴۱۴]۔

بعض لوگوں نے خود حسین رضی اللہ عنہ کے خروج کا مقصد انہیں کے الفاظ میں یوں نقل کیا ہے:

وَأَنِّي لَمْ أَخْرَجْ أَشْرَاءً، وَلَا بَطْرًا، وَلَا مُفْسِدًا، وَلَا ظَالِمًا، وَإِنَّمَا خَرَجْتُ لِطَلَبِ الْإِصْلَاحِ فِي أُمَّةٍ جَدِّي، أُرِيدُ أَنْ أَمَرَ بِالْمَعْرُوفِ وَأَنْهِيَ عَنِ الْمُنْكَرِ .  
میرا خروج کسی سرکشی یا تکبر کی بنا پر نہیں ہے اور نہ میں فساد یا ظلم پر پا کر ناپا ہوتا ہوں، بلکہ میں تو صرف اس لئے نکلا ہوں تاکہ اپنے نانا کی امت میں اصلاح کا کام کروں، میرا مقصد بھلائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا ہے [مقتل الحسين الخوارزمی: ۱/۱۸۹، وعام کتب شیعہ]۔

مولانا یار خان لکھتے ہیں:

”امام جب شیعہ تھے تو شیعوں نے قتل کیوں کیا؟ معلوم ہوتا ہے کہ معاملہ برعکس ہے، امام، امام اہل سنت تھے ان کا مذہب وہی تھا جو باقی عرب کا تھا، اسی وجہ سے کوفہ کے شیعوں نے دھوکہ دے کر امام کو بلایا اور قتل کیا، امام کو معلوم تھا کہ وہ شیعہ ہیں مگر ان کی

اصلاح کی خاطر چلے گئے، [حضرت حسین کے قاتل خود شیعہ تھے: ص: ۱۷۰]۔

محمد مبشر نذیر صاحب لکھتے ہیں:

”اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے ان مخلص رشتے داروں کی بات کیوں نہ مانی اور اہل کوفہ کے باغیوں پر اعتبار کر کے وہاں کیوں چلے گئے؟ اوپر بیان کردہ خط کو پڑھنے سے اس کی جو وجہ سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ کا کوئی ارادہ بغاوت برپا کرنے کا نہ تھا بلکہ آپ ان باغیوں کو کنٹرول کر کے حکومت وقت کے معاملات کی اصلاح کرنا چاہتے تھے۔ حکومت کے رویے سے بھی ظاہر یہی تھا کہ یہ لوگ حضرت حسین کا احترام کر رہے تھے۔“ [عہد صحابہ اور جدید ذہن کے شبہات: ص: ۴۵۴]۔

الغرض یہ کہ حسین رضی اللہ عنہ کوفہ خلیفہ بننے کی نیت سے نہیں جا رہے تھے بلکہ ان کا مقصد اہل کوفہ کی شراٹگریزی پر قابو پانا اور امت کے مابین متوقع خونریزی کو روکنا تھا اہل کوفہ چاہتے تھے کہ وہ ابن سباء کی تاریخ دہرا کر امت مسلمہ میں تباہی پھیلائیں اور حسین رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ حسن رضی اللہ عنہ کی تاریخ دہرا کر امت کو متحد اور عالم اسلام میں امن وامان قائم کیا جائے۔

بہر حال اہل کوفہ کی سازشوں کو ناکام بنانے ہی کی خاطر حسین رضی اللہ عنہ نے کوفہ جانے کا ارادہ کر لیا مگر یہ کام آسان نہیں تھا اہل کوفہ مستقل کیا چند عرصہ کے لئے بھی حسین رضی اللہ عنہ کے کنٹرول میں نہیں آ سکتے تھے اور ان کی کسی ہدایت پر عمل پیرا نہیں ہو سکتے تھے، اس لئے متعدد خیر خواہان نے انہیں کوفہ نہ جانے ہی کا مشورہ دیا، حسین رضی اللہ عنہ نے بھی ان مشوروں میں وزن محسوس کیا اس لئے کوفہ کے حالات کا جائزہ لینے کے لئے مسلم بن عقیل کو وہاں بھیجا۔

ثُمَّ دَعَا الْحُسَيْنُ مُسْلِمَ بْنَ عَقِيلٍ فَسَيَّرَهُ نَحْوَ الْكُوفَةِ وَأَمَرَهُ بِتَقْوَى اللَّهِ وَكَتْمَانِ أَمْرِهِ

پھر حسین رضی اللہ عنہ نے مسلم بن عقیل کو بلایا اور انہیں کوفہ کی جانب روانہ کیا اور تقویٰ اور اپنے معاملہ کو راز میں رکھنے کا حکم دیا۔ [الکامل فی التاریخ: ۳/۱۳۴، تاریخ الطبری: ۵/۳۵۴]

مسلم بن عقیل وہاں پہنچے تو ابتداء میں ان کی خوب مقبولیت ہوئی اور انہوں نے حسین رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیج دیا کہ کوفہ آ جائیں حالات آپ کے موافق ہیں یہ پیغام ملتے ہی حسین رضی اللہ عنہ کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

ادھر حسین رضی اللہ عنہ کوفہ کی طرف روانہ ہوئے اور ادھر کوفہ میں مسلم بن عقیل کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی ظاہر کرنے والے ان کے ساتھ جمع ہوتے رہے اور حکومت وقت خلاف سازش اور مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کا منصوبہ بنانے لگے۔

اس وقت کوفہ کے امیر صحابی رسول نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ تھے ایک شخص نے انہیں اہل کوفہ کی اس خوفناک سرگرمی سے آگاہ کیا تو انہوں نے اہل کوفہ کو نصیحت کی۔

وَأَنْتَشَرَ خَبَرُهُمْ حَتَّى بَلَغَ أَمِيرَ الْكُوفَةِ النُّعْمَانَ بْنِ بَشِيرٍ خَبْرَهُ رَجُلٌ بِذَلِكَ، فَجَعَلَ يَضْرِبُ عَنْ ذَلِكَ صَفْحًا وَلَا يَغْبُأُ بِهِ، وَلَكِنَّهُ خَطَبَ النَّاسَ وَنَهَاهُمْ عَنِ الْإِخْتِلَافِ وَالْفِتْنَةِ، وَأَمَرَهُمْ بِالْإِتِّتِلَافِ وَالسُّنَّةِ، وَقَالَ: إِنِّي لَا أُقَاتِلُ مَنْ لَا يُقَاتِلُنِي، وَلَا أَثْبُ عَلَى مَنْ لَا يَثْبُ عَلَيَّ، وَلَا آخُذُكُمْ بِالظَّنَّةِ، وَلَكِنْ وَاللَّهِ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لَئِنْ فَارَقْتُمْ إِمَامَكُمْ وَنَكَشْتُمْ بَيْعَتَهُ لَا قَاتِلَ لَكُمْ مَا دَامَ فِي يَدِي مِنْ سَيْفِي قَائِمَتُهُ.

ان لوگوں کی خبر عام ہو گئی یہاں تک کہ امیر کوفہ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ تک پہنچی، ان تک ایک شخص نے یہ خبر پہنچی تھی لیکن انہوں نے اسے نظر انداز کیا اور اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ البتہ اہل کوفہ کو خطاب کیا اور انہیں اختلاف اور فتنہ انگیزی سے روکا، اور اتحاد و اتفاق

اور سنت کی پیروی کا حکم دیا۔ اور کہا: جو شخص مجھ سے قتال نہیں کرے گا میں بھی اس سے قتال نہیں کروں گا، اور جو شخص مجھ پر حملہ نہیں کرے گا میں بھی اس پر حملہ نہیں کروں گا۔ نیز محض شبہ کی بنیاد پر کسی کے خلاف کارروائی نہیں کروں گا۔ لیکن اس اللہ کی قسم جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے! اگر تم لوگ اپنے امام (یزید بن معاویہ) سے برگشتہ ہو گئے اور ان کی بیعت توڑ دی، تو جب تک میرے ہاتھوں میں تلوار کی پکڑ ہے گی میں تم سے قتال کرتا رہوں گا۔ [البداية والنهاية: ۸/۱۵۲، مكتبة المعارف]

لیکن اس تقریر کا اہل کوفہ پر کوئی اثر دکھائی نہ دیا اور ان کی فتنہ انگیز سرگرمیاں جاری رہیں تو بعض لوگوں نے اس پوری صورت حال سے یزید کو خط لکھ کر باخبر کر دیا۔ یزید کو جب پتہ چلا کہ اہل کوفہ اس قدر بڑے پیانے پر فتنہ و فساد کا ارادہ رکھتے ہیں اور محض نصیحتوں سے قابو میں آنے والے نہیں معلوم ہوتے۔ تو یزید نے ممکنہ فتنہ کی سرکوبی کے لئے بعض لوگوں کے مشورہ پر کوفہ کی امارت عبید اللہ بن زیاد کے سپرد کر دی۔

فَكَتَبَ ذَلِكَ الرَّجُلُ إِلَى يَزِيدٍ يُعَلِّمُهُ بِذَلِكَ، وَكَتَبَ إِلَى يَزِيدَ عُمَارَةُ بْنُ عَقْبَةَ وَعُمَرُ بْنُ سَعْدٍ ابْنُ أَبِي وَقَاصٍ فَبَثَّ يَزِيدٌ فَعَزَلَ النُّعْمَانَ عَنِ الْكُوفَةِ وَضَمَّهَا إِلَى عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ زِيَادٍ مَعَ الْبَصْرَةِ، وَذَلِكَ بِإِشَارَةِ سَرْجُونِ مَوْلَى يَزِيدَ بْنِ مُعَاوِيَةَ

پھر اس شخص نے یزید کو اس پوری صورت حال کے بارے میں لکھا۔ نیز عمارہ بن عقبہ اور عمر بن سعد بن ابی وقاص نے بھی یزید کو ان حالات کے بارے میں لکھا۔ تو یزید نے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کو کوفہ سے معزول کر دیا اور عبید اللہ بن زیاد کو بصرہ کے ساتھ کوفہ کی امارت بھی سونپ دی۔ اور یزید نے یہ فیصلہ اپنے آزاد کردہ غلام سرجون کے مشورہ پر کیا۔ [البداية

عبید اللہ بن زیاد کی آمد کی خبر سنتے ہی مسلم بن عقیل کی نصرت و حمایت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والے اپنی اوقات پر آگئے، مسلم بن عقیل کی مدد کرنا تو دور کی بات، ان میں سے کسی کو یہ بھی ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ مسلم بن عقیل کو اپنے گھر میں ٹھہرا سکیں، چنانچہ مسلم بن عقیل در در کی ٹھوکریں کھاتے ہوئے ناخواندہ مہمان کی طرح ہانی بن عروہ کے گھر پہنچے، اور ان کی مرضی کے بغیر ان کے یہاں مقیم ہو گئے۔

حَتَّىٰ انْتَهَىٰ إِلَىٰ دَارِ هَانِيٍّ بَنِ عُرْوَةَ الْمُرَادِيِّ، فَدَخَلَ بَابَهُ، وَأَرْسَلَ إِلَيْهِ أَنْ أَخْرِجْ، فَخَرَجَ إِلَيْهِ هَانِيٌّ، فَكَرِهَ هَانِيٌّ مَكَانَهُ حِينَ رَأَاهُ، فَقَالَ لَهُ مُسْلِمٌ: أَتَيْتَكَ لِتَجِيرَنِي وَتُضَيِّفَنِي، فَقَالَ: رَحِمَكَ اللَّهُ! لَقَدْ كَلَفْتَنِي شَطَطًا، وَلَوْلَا دُخُولُكَ دَارِي وَثَقْتُكَ لِأَحَبِّتٍ وَلَسَأَلْتُكَ أَنْ تَخْرُجَ عَنِّي.

مسلم بن عقیل ہانی بن عروہ مرادی کے گھر پہنچے اور ان کے دروازے میں داخل ہو گئے، اور انہیں باہر بلایا۔ ہانی باہر آئے تو مسلم بن عقیل کو سامنے پا کر کراہت محسوس کی۔ مسلم نے ان سے کہا: میں آپ کے پاس آیا ہوں تاکہ آپ مجھے پناہ دیں اور مہمان بنالیں۔ ہانی نے کہا: اللہ آپ پر رحم کرے! آپ نے مجھے مشکل میں ڈال دیا ہے۔ اگر آپ میرے گھر میں داخل نہ ہوئے ہوتے اور آپ کا اعتماد نہ ہوتا تو میں چاہتا اور آپ سے گزارش کرتا کہ یہاں سے نکل جائیں [تاریخ الطبری ۵: ۳۶۲]

بہر حال ہانی نے نہ چاہتے ہوئے بھی بن بلائے مہمان کو اپنے گھر ٹھہرایا۔ اور جب عبید اللہ بن زیاد کو فہ پہنچ کر حالات کو قابو میں کرنے کی کوشش کرنے لگا تو مسلم بن عقیل کے نام نہاد اعوان و انصار نے عبید اللہ بن زیاد کے قتل کا منصوبہ بنایا اور اس کام کے لئے مسلم بن عقیل ہی کو مجبور کیا کہ وہ عبید اللہ بن زیاد کو قتل کریں۔

وَقَدْ تَحَوَّلَ مُسْلِمُ بْنُ عَقِيلٍ إِلَىٰ دَارِ هَانِيٍّ بَنِ حَمِيدٍ بَنِ عُرْوَةَ الْمُرَادِيِّ

ثُمَّ إِلَى دَارِ شَرِيكِ بْنِ الْأَعْوَرِ وَكَانَ مِنَ الْأَمْراءِ الْأَكَابِرِ، وَبَلَغَهُ أَنَّ عُبَيْدَ اللَّهِ يُرِيدُ عِيَادَتَهُ، فَبَعَثَ إِلَى هَانِيٍّ يَقُولُ لَهُ: ابْعَثْ مُسْلِمَ بْنَ عَقِيلٍ حَتَّى يَكُونَ فِي دَارِي لِيَقْتُلَ عُبَيْدَ اللَّهِ إِذَا جَاءَ يَعُودُنِي، فَبَعَثَهُ إِلَيْهِ فَقَالَ لَهُ شَرِيكٌ: كُنْ أَنْتَ فِي الْحَبَاءِ، فَإِذَا جَلَسَ عُبَيْدُ اللَّهِ فَإِنِّي أَطْلُبُ الْمَاءَ وَهِيَ إِشَارَتِي إِلَيْكَ، فَاخْرُجْ فَاقْتُلْهُ، فَلَمَّا جَاءَ عُبَيْدُ اللَّهِ جَلَسَ عَلَى فِرَاشِ شَرِيكِ وَعِنْدَهُ هَانِيٌّ بْنُ عُرْوَةَ، وَقَامَ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ غُلَامٌ يُقَالُ لَهُ مِهْرَانُ، فَتَحَدَّثَ عِنْدَهُ سَاعَةً ثُمَّ قَالَ شَرِيكٌ: اسْقُونِي، فَتَجَبَّنَ مُسْلِمٌ عَنْ قَتْلِهِ

مسلم بن عقیل، ہانی بن عروہ کے گھر منتقل ہو گئے۔ پھر (ابن زیاد) قتل کرنے کے لئے شریک بن اعور کے گھر آئے جو اکابرین امرا میں سے تھا۔ دراصل شریک کو معلوم ہوا کہ عبید اللہ بن زیاد اس کی عیادت کرنا چاہتا ہے تو شریک نے ہانی بن عروہ (جہاں مسلم بن عقیل ناخاندہ مہمان بن کر ٹہرے ہوئے تھے) کے پاس پیغام بھیجا جس میں کہا کہ: مسلم بن عقیل کو میرے گھر بھیج دو تا کہ جب عبید اللہ بن زیاد میرے گھر پہنچے تو مسلم بن عقیل اسے قتل کر دیں۔ چنانچہ ہانی بن عروہ نے مسلم بن عقیل کو شریک کے گھر بھیج دیا، تو شریک نے مسلم بن عقیل سے کہا: تم گھر میں چھپ جاؤ، جب عبید اللہ بن زیاد یہاں بیٹھے گا تو میں پانی طلب کروں گا یہ تمہاری طرف اشارہ ہو گا یہ سنتے ہی تم باہر نکل کر عبید اللہ بن زیاد کو قتل کر دینا۔ چنانچہ جب عبید اللہ بن زیاد آیا تو شریک کے بستر پر بیٹھا، ہانی بن عروہ بھی اس کے پاس موجود تھا، اور (ابن زیاد کا) مہران نامی غلام ان کے سامنے کھڑا تھا۔ پھر عبید اللہ بن زیاد نے تھوڑی دیر شریک سے گفتگو کی، اس کے بعد شریک نے کہا: مجھے پانی پلاؤ! لیکن مسلم بن عقیل نے عبید اللہ بن زیاد کو قتل کرنے سے

بزدلی دکھائی۔ [البداية والنهاية، مكتبة المعارف: ۱۵۳/۸]

شریک بار بار پانی مانگ کر مسلم بن عقیل کو اشارہ دیتا رہا، یہ صورت حال دیکھ کر مہران

نامی غلام نے سازش کی بوسونگھ لی اور عبید اللہ بن زیاد کو اشارہ کر دیا۔

فَفَهَمَ مِهْرَانُ الْغَدْرَ فَعَمَزَ مَوْلَاهُ فَهَضَّ سَرِيْعًا وَخَرَجَ، فَقَالَ شَرِيْكٌ: أَيُّهَا الْأَمِيرُ، إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُوصِيَ إِلَيْكَ، فَقَالَ: سَاعُدْ! فخر ج به مولاه فأركبه وطرده به - أى ساق به - وجعل يقول له مولاه: إِنَّ الْقَوْمَ أَرَادُوا قَتْلَكَ فَقَالَ: وَيَحْكُ إِنِّي بِهِمْ لَرَفِيقٌ. فَمَا بِالْهُمُ

مهران نے غداری بھانپ لی اور اپنے آقا عبید اللہ بن زیاد کو اشارہ کیا وہ جلدی سے اٹھا اور باہر نکل گیا۔ شریک نے کہا: اے امیر محترم! میں ایک وصیت کرنا چاہتا ہوں۔ عبید اللہ بن زیاد نے کہا: میں بعد میں آتا ہوں۔ پھر غلام اپنے آقا کو لے کر نکل گیا اور اسے سوار کر کے وہاں سے روانہ ہو گیا اور اپنے آقا سے کہنے لگا: ان لوگوں نے آپ کے قتل کا ارادہ کیا تھا۔ عبید اللہ بن زیاد نے کہا: تو ہلاک ہو! میں تو ان کے ساتھ نرمی سے پیش آرہا ہوں پھر انہیں کیا ہو گیا ہے؟ [البداية والنهاية، مكتبة المعارف: ۸/۱۵۳]

معلوم ہوا کہ عبید اللہ بن زیاد نے بھی شروع شروع میں نرمی و شفقت سے ہی معاملات سلجھانے کی کوشش کی حتیٰ کہ کوفہ کے اکابرین کو اپنے پاس بلانے کے بجائے خود ان کے پاس جا کر بات چیت کرنی چاہی لیکن پہلے مرحلہ ہی میں اہل کوفہ نے غداری کا ثبوت دیا حتیٰ کہ عبید اللہ بن زیاد کی جان کے پیچھے پڑ گئے۔

بآسانی سمجھا جاسکتا ہے کہ عبید اللہ بن زیاد کی نرمی و شفقت کے جواب میں اس کے قتل کی منصوبہ بندی عبید اللہ بن زیاد کے لئے قطعاً ناقابل برداشت ہوگی، اور ظاہر ہے کہ وہ اپنے دشمنوں، اپنے خون کے پیاسوں اور اسلامی خلافت کے خلاف سازش کرنے والوں کو کسی بھی صورت کامیاب نہیں ہونے دے گا۔

چنانچہ جوں ہی پتہ چلا کہ اس کے قتل کا ارادہ کرنے والے مسلم بن عقیل، ہانی بن عروہ



کے گھر مقیم تھے۔ تو فوراً عبید اللہ بن زیاد نے ہانی بن عروہ کو حراست میں لے لیا۔ اس سے پوچھا تاچھ کی۔ اس نے شروع میں مسلم بن عقیل سے لاعلمی ظاہر کی، لیکن تھوڑی دیر بعد اقرار کر لیا کہ مسلم بن عقیل اس کے گھر تھے مگر اس نے انہیں بلایا نہیں تھا بلکہ وہ خود ہی اس کے گھر آٹھرے تھے، چنانچہ ہانی بن عروہ نے کہا:

أَصْلَحَ اللَّهُ الْأَمِيرَ، وَاللَّهِ مَا دَعَوْتُهُ إِلَى مَنْزِلِي، وَلَكِنَّهُ جَاءَ فَطَرَحَ نَفْسَهُ

علیٰ

اللہ امیر محترم (عبید اللہ بن زیاد) کا بھلا کرے! اللہ کی قسم! میں نے مسلم بن عقیل کو اپنے گھر نہیں بلایا بلکہ انہوں نے خود آ کر اپنے آپ کو مجھ پر ڈال دیا [البداية والنهاية، مكتبة المعارف: ۱۵۴/۸]

اس کے بعد عبید اللہ بن زیاد نے ہانی بن عروہ سے مسلم بن عقیل کا پتہ پوچھا۔ ہانی بن عروہ نے بتانے سے انکار کیا جس پر عبید اللہ بن زیاد نے اس کی پٹائی کی اور قید کر دیا۔

فأمر به فحبس في جانب القصر

پھر عبید اللہ بن زیاد کے حکم سے ہانی کو قصر کے ایک گوشہ میں قید کر دیا گیا [تاریخ

الطبری: ۳۴۹/۵، البداية والنهاية، مكتبة المعارف: ۱۵۴/۸]

کذابوں اور جھوٹوں نے مار پیٹ اور قید کی خبر کو قتل کی خبر بنادیا اور یہ شور کر دیا کہ عبید اللہ بن زیاد نے ہانی بن عروہ کو قتل کر دیا ہے۔ یہ سن کو ہانی بن عروہ کی قوم والے آ کر عبید اللہ بن زیاد کے قصر کے دروازے پر جمع ہو گئے۔

وَجَاءَ قَوْمُهُ مِنْ بَنِي مَذْحِجٍ مَعَ عَمْرِو بْنِ الْحَجَّاجِ فَوَقَفُوا عَلَى بَابِ الْقَصْرِ يَطْلُبُونَ أَنَّهُ قَدْ قُتِلَ، فَسَمِعَ عُيَيْدُ اللَّهِ لَهُمْ جَلْبَةً، فَقَالَ لَشَرِيحِ الْقَاضِي وَهُوَ عِنْدَهُ: أَخْرِجْ إِلَيْهِمْ فَقُلْ لَهُمْ: إِنَّ الْأَمِيرَ لَمْ يَحْبِسْهُ إِلَّا لَيْسَالَهُ عَنْ مُسْلِمِ بْنِ عَقِيلٍ، فَقَالَ لَهُمْ: إِنَّ صَاحِبَكُمْ حَيٌّ وَقَدْ ضَرَبَهُ سُلْطَانُنَا ضَرْبًا لَمْ يَبْلُغْ

نَفْسَهُ، فَأَنْصَرِفُوا وَلَا تَحْلُوا بِأَنْفُسِكُمْ وَلَا بِصَاحِبِكُمْ. فَتَفَرَّقُوا إِلَىٰ مَنَازِلِهِمْ

ہانی بن عروہ کی قوم والے بنودج، عمرو بن الحجاج کے ساتھ آئے اور قصر کے دروازے پر کھڑے ہو گئے۔ یہ سمجھ رہے تھے کہ ہانی بن عروہ قتل کر دئے گئے ہیں، عبید اللہ بن زیاد نے ان کا شور و ہنگامہ سنا تو قاضی شریح سے جو اس کے پاس ہی تھے کہا: آپ ان کی طرف جائیں اور ان سے کہیں کہ امیر (عبید اللہ بن زیاد) نے ہانی بن عروہ کو مسلم بن عقیل سے متعلق صرف پوچھنا چھ کے لئے حراست میں لیا ہے۔ چنانچہ قاضی شریح نے ان سے کہا: تمہارا ساتھی زندہ ہے ہمارے امیر نے اسے مارا ہے لیکن اس کی جان نہیں لی ہے۔ اس لئے تم واپس ہو جاؤ اور اپنے ساتھی کی اور اپنی جانیں مت گنواؤ۔ پھر وہ لوگ اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔ [البداية والنهاية، مكتبة المعارف: ۱۵۴/۸]

یہ لوگ اس وقت تو چلے گئے لیکن پھر کوفہ کے فتنہ پرداز اور سازشی درندے چپ نہیں بیٹھے بلکہ انہوں نے اپنے ہم خیال لوگوں کو بلا بلا کر ایک لشکر تیار کر لیا اور مسلم بن عقیل کو اس کا امیر مقرر کر دیا اور پھر آگے بڑھ کر دارالامارہ (گورنر ہاؤس) کا محاصرہ کر لیا اور حملہ کر دیا۔

فبادر عبید اللہ فدخل القصر ومن معه وأغلقوا عليهم الباب فلما انتهى مسلم إلى باب القصر وقف بجيشه هناك

عبید اللہ بن زیاد اور اس کے ساتھی فوراً قصر کے اندر داخل ہو گئے اور قصر کا دروازہ حملہ آوروں کے لئے بند کر دیا۔ جب مسلم بن عقیل قصر کے دروازے پر پہنچے تو اپنے لشکر کو وہیں ٹھہرا دیا۔ [البداية والنهاية، مكتبة المعارف: ۱۵۴/۸]

عبید اللہ بن زیاد نے اس بار بھی ان حملہ آوروں کو سمجھانے بجھانے کی کوشش کی اور ایک بار پھر قصر میں موجود کوفہ کے اشراف سے کہا کہ اہل کوفہ کو سمجھائیں کہ دارالامارہ پر حملہ کرنے سے باز رہیں۔

فَأَشْرَفَ أَمْرَاءُ الْقَبَائِلِ الَّذِينَ عِنْدَ عُبَيْدِ اللَّهِ فِي الْقَصْرِ، فَأَشَارُوا إِلَى قَوْمِهِمُ الَّذِينَ مَعَ مُسْلِمٍ بِالْأَنْصَرَفِ،

عبید اللہ بن زیاد کے پاس قصر میں قبائل کے جو امراء تھے انہوں نے مسلم بن عقیل کے ساتھ موجود اپنی قوم والوں کو سمجھایا کہ وہ واپس چلے جائیں۔ [البداية والنهاية، مكتبة المعارف: ۸/۱۵۴]

سمجھانے بجھانے سے کئی لوگ باز آ گئے اور اپنے گھر واپس چلے گئے۔ مگر کچھ مسلم بن عقیل کو لے کر ڈٹے رہے جن پر قصر کی دیواروں سے جوابی حملہ کیا گیا۔ احمد بن داؤد الدینوری (۲۸۲ھ) لکھتے ہیں:

فتقدموا جميعا حتى أحاطوا بالقصر، واتبعهم هو في بقية الناس. وتحصن عبید الله بن زیاد في القصر مع من حضر مجلسه في ذلك اليوم من اشراف اهل الكوفة والأعوان والشرط، وكانوا مقدار مائتي رجل، فقاموا على سور القصر يرمون القوم بالمدنر والنشاب، ويمنعونهم من الدنو من القصر، فلم يزلوا بذلك حتى امسوا

ان تمام کوفیوں نے پیش قدمی کی یہاں تک عبید اللہ بن زیاد کے قصر (گورنر ہاؤس) کا محاصرہ کر لیا، مسلم بن عقیل بھی بقیہ لوگوں کے ساتھ ان کے پاس پہنچے، عبید اللہ بن زیاد قصر میں ان لوگوں کے ساتھ محصور ہو گیا جو اس دن اس کی مجلس میں حاضر تھے۔ یہ کوفہ کے اشراف و اکابر، اور پولیس کے لوگ تھے۔ ان کی تعداد دوسو کے قریب تھی۔ یہ لوگ قصر کی دیواروں پر کھڑے ہو گئے اور کوفی حملہ آوروں پر نیزے اور بھالے برسانے لگے اور انہیں قصر کے قریب آنے سے روکنے لگے۔ شام تک یہ لڑائی جاری رہی۔ [الأحبار

بالآخر مسلم بن عقیل کا لشکر پسپا ہوا اور ایک ایک کر کے سارے کو فی بھاگنے لگے، اور مسلم بن عقیل کو تنہا چھوڑ دیا، مسلم بن عقیل کو بھی فرار ہونا پڑا، اہل کوفہ نے انہیں بے یار و مددگار چھوڑ دیا جس کے نتیجے میں وہ گرفتار کر لئے گئے اور عبید اللہ بن زیاد کے قتل کی سازش میں شرکت، دار الامارۃ (گورنر ہاؤس) پر لشکر کشی، متعدد سپاہیوں پر قاتلانہ حملہ کے جرم میں انہیں قتل کر دیا گیا۔

حسین رضی اللہ عنہ نے انہیں اس کام کے لئے کوفہ نہیں بھیجا تھا اور جو کام سوچنا تھا اسے بھی راز میں رکھنے کا حکم دیا تھا۔ لیکن افسوس کہ کو فیوں نے اپنے ناپاک ارادوں کے لئے ان کا استعمال کیا، انہیں عبید اللہ بن زیاد کے قتل پر اکسایا، قصر حکومت پر لشکر کشی اور سپاہیوں پر حملہ کروایا، اور انہوں نے ہی انہیں گرفتار کیا اور عبید اللہ بن زیاد کے حکم سے انہیں قتل بھی کیا، اسی لئے مسلم بن عقیل نے قتل ہونے سے قبل کہا:

اللهم احکم بیننا و بین قوم کذبونا و غرونا و خذلونا و قتلونا

اے اللہ! ہمارے اور اس قوم کے درمیان فیصلہ کر دے جنہوں نے ہمیں جھٹلایا، ہمیں

دھوکہ دیا، ہمیں رسوا کیا، اور ہمیں قتل کیا [تاریخ الطبری: ۵/۳۷۸]

بعض روایات کے مطابق قتل سے قبل مسلم بن عقیل نے حسین ؑ تک یہ پیغام پہنچانے کی وصیت کی کہ وہ کوفہ نہ آئیں اور مکہ واپس ہو جائیں۔ لیکن اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ کیونکہ مسلم بن عقیل کے پہلے پیغام کے بعد حسین رضی اللہ عنہ کوفہ کے لئے روانہ ہو چکے تھے۔

### تیسرا مرحلہ: روانگی کوفہ:

مسلم بن عقیل کا پیغام ملنے کے بعد حسین رضی اللہ عنہ کوفہ کے لئے روانہ ہو گئے، لیکن راستے ہی میں معلوم ہوا کہ مسلم بن عقیل قتل کر دئے گئے ہیں اور ان کے ساتھ اہل کوفہ نے

عداری کی یہ خبر پاتے ہی حسین رضی اللہ عنہ نے واپسی کا فیصلہ کر لیا۔

لیکن وہ کوئی جو آپ کو لینے کے لئے آئے تھے اور آپ کے ساتھ تھے انہوں نے ایک طرف تو مسلم بن عقیل کے بھائیوں کو انتقام کا نعرہ دیا اور وہ کہنے لگے:

لَا وَاللَّهِ لَا نَبْرُحُ حَتَّى نُدْرِكَ ثَارَنَا، أَوْ نَذْذُوقَ مَا ذَاقَ أَخُونَا.

ہم ہرگز واپس نہ ہوں گے یہاں تک کہ انتقام لے لیں یا ہمارا بھی وہی انجام ہو جو ہمارے بھائی کا ہوا [تاریخ الطبری: ۵/۳۹۷]۔

اور دوسری طرف ان کو فیوں نے حسین رضی اللہ عنہ سے کہا:

إِنَّكَ وَاللَّهِ مَا أَنْتَ مِثْلَ مُسْلِمِ بْنِ عَقِيلٍ، وَلَوْ قَدِمْتَ الْكُوفَةَ لَكَانَ النَّاسُ إِلَيْكَ أَسْرَعَ.

یقیناً آپ مسلم بن عقیل کی طرح نہیں ہیں (وہ لوگ نہیں جانتے تھے) لیکن آپ اگر کوفہ پہنچ جائیں تو لوگ آپ کی اطاعت کے لئے ٹوٹ پڑیں گے [تاریخ الطبری: ۵/۳۹۸]۔

کو فیوں کی مکاریوں کی وجہ سے حسین رضی اللہ عنہ چاہنے کے باوجود واپس نہ ہو سکے اور بادل نخواستہ سفر جاری رکھا۔

اس موڑ پر پہنچ کر حسین رضی اللہ عنہ اپنے تمام ارادے منسوخ کر دیتے ہیں ان کا جو بھی موقف تھا یہاں آنے کے بعد بدل جاتا ہے اس کے بعد آگے جو کچھ ہوا وہ حسین رضی اللہ عنہ کے اس موقف سے ہٹ کر تھا جو انہوں نے مکہ میں اختیار کیا تھا، بہر حال حسین رضی اللہ عنہ مستقبل کے حالات سے بے خبر بے مقصد آگے بڑھتے رہے۔

کوفہ کے قریب پہنچے تو آپ کو بعض اعرابیوں سے معلوم ہوا کہ کوفہ کے حالات بہت ہی نازک ہیں وہاں جانا مناسب نہیں اس لئے آپ نے یہاں سے دمشق کا رخ کیا جہاں یزید

بن معاویہ موجود تھے۔

أَنَّ ابْنَ زِيَادٍ أَمَرَ بِأَخْذِ مَا بَيْنَ وَاقِصَّةِ إِلَى طَرِيقِ الشَّامِ إِلَى طَرِيقِ الْبَصْرَةِ  
فَلَا يَدْعُونَ أَحَدًا يَلْجُ وَلَا أَحَدًا يَخْرُجُ فَأَقْبَلَ الْحُسَيْنَ وَلَا يَشْعُرُ بِشَيْءٍ حَتَّى  
لَقِيَ الْأَعْرَابَ فَسَأَلَهُمْ فَقَالُوا لَا وَاللَّهِ مَا نَدْرِي غَيْرَ أَنَا لَا نَسْتَطِيعُ أَنْ نَلْجَ وَلَا  
نَخْرُجُ قَالَ فَانْطَلَقَ يَسِيرُ نَحْوَ طَرِيقِ الشَّامِ نَحْوَ يَزِيدَ.

عبید اللہ بن زیاد نے حکم دیا کہ واقعہ اور شام و بصرہ کے بیچ پہرہ لگا دیا جائے اور کسی کو  
بھی آنے جانے سے روک دیا جائے، چنانچہ حسین رضی اللہ عنہ آگے بڑھتے رہے اور ان  
حالات سے بے خبر تھے یہاں تک کہ آپ کی ملاقات چند اعرابیوں سے ہوئی اور آپ نے  
ان سے پوچھتا چھ کی تو انہوں نے کہا: واللہ ہمیں اس کے سوا کچھ نہیں معلوم کہ ہم نہ تو کوفہ جا  
سکتے ہیں اور نہ وہاں سے نکل سکتے ہیں، راوی کہتے ہیں کہ یہ سننے کے بعد حسین رضی اللہ عنہ  
شام (دمشق) کی طرف روانہ ہو گئے جہاں یزید بن معاویہ موجود تھے [تاریخ الأمم والرسائل  
والملوک الطبری: ۳/۲۹۹ و اسنادہ صحیح دیکھئے: حادثہ کر بلا و یزید، صرف صحیح روایات کی روشنی  
میں]۔

### چوتھا مرحلہ: روانگی دمشق:

قافلہ حسین دمشق کی طرف روانہ ہوا تو آگے چل کر حبر بن یزید سے ٹھہ بھیڑ ہو گئی جو  
انہیں کی تلاش میں نکلا تھا حسین رضی اللہ عنہ نے حبر بن یزید کو بتایا کہ اہل کوفہ ہی نے مجھے  
خطوط دے کر بلوایا، میں از خود نہیں آیا، حبر بن یزید نے کہا:  
إِنَّا وَاللَّهِ مَا نَدْرِي مَا هَذِهِ الْكُتُبُ الَّتِي تَذْكُرُ.

حبر بن یزید نے حسین رضی اللہ عنہ سے کہا: اللہ کی قسم! ہمیں کچھ خبر نہیں، آپ کن خطوط کا تذکرہ

کر رہے ہیں [تاریخ الطبری: ۳/۳۰۶]۔

فَقَالَ الْحُسَيْنُ: يَا عُقْبَةَ بْنَ سَمْعَانَ، أَخْرِجَ الْخُرَجِينَ اللَّذِينَ فِيهِمَا كِتَابُهُمْ إِلَيَّ، فَأَخْرَجَ خُرَجَيْنِ مَمْلُوءَيْنِ صَحْفًا، فَنَشَرَهَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ.

حسین ؑ نے کہا اے عقبہ بن سمعان ان دو بوریوں کو نکالا اور خطوط حربین یزید وغیرہ کے سامنے پھیلا دئے [الطبری: ۵/۴۰۲]۔

حربن یزید نے اصرار کیا کہ حسین ؑ دمشق نہ جا کر اس کے ہمراہ عبید اللہ بن زیاد کے پاس کوفہ چلیں لیکن حسین ؑ دمشق جانے ہی پر مصر رہے، اور آگے بڑھتے رہے جب کربلا کے مقام پر پہنچے تو عبید اللہ بن زیاد کی طرف سے بھیجے گئے عمر بن سعد اور اس کے ماتحت سپاہیوں سے ٹدھ بھٹڑ ہوئی، عمر بن سعد نے ان سب کو روک لیا۔

### پانچواں مرحلہ: نزول کربلا و وقوع حادثہ :

یہاں پر حسین ؑ نے ان کے سامنے تین پیشکش رکھی :

فَقَالَ الْحُسَيْنُ: يَا عَمْرُؤُ احْتَرِ مِنِّي إِحْدَى ثَلَاثَ: تَتْرَكُنِي أَرْجِعَ كَمَا جِئْتُ، وَإِنْ أَبَيْتَ هَذِهِ فَاسِيرِنِي إِلَى التَّرْكِ أَقَاتِلُهُمْ حَتَّى أَمُوتَ، وَإِنْ أَبَيْتَ هَذِهِ فَأَبْعَثْ بِي إِلَى يَزِيدَ (وعند الطبری: یزید امیر المؤمنین) لِأَضْعُ يَدِي فِي يَدِهِ، وَأَرْسِلْ إِلَى ابْنِ زِيَادٍ بِذَلِكَ.

حسین رضی اللہ عنہ نے کہا اے عمر بن سعد میری تین باتوں میں سے کوئی ایک قبول

کر لو:

☆ مجھے چھوڑ دو تا کہ میں جہاں سے آیا ہوں وہیں واپس چلا جاؤں۔

☆ اگر یہ منظور نہیں تو مجھے سرحد پر بھیج دو میں دشمنوں کے ساتھ جہاد کروں گا یہاں تک کہ شہید ہو جاؤں۔

☆ اگر یہ بھی منظور نہیں تو مجھے یزید (اور طبری میں ہے: امیر المؤمنین یزید) کے پاس بھیج دیں (جانے دیں نہیں بلکہ ”بھیج دیں“ یعنی چند سپاہیوں کی حفاظت میں بھیج دیں) تاکہ میں اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں رکھ دوں، اور یہ تینوں باتیں لکھ کر عبید اللہ بن زیاد کو ارسال کر دیں۔ عمر بن سعد رحمہ اللہ نے حسین ؑ کی یہ تینوں پیشکش لکھ کر عبید اللہ بن زیاد کے پاس روانہ کر دیں، [المحاسن والمساوی للبيهقي: ص: ۲۸، تاریخ الطبری: ۳/۳۱۳]۔

عبید اللہ بن زیاد نے جب اسے پڑھا تو فوراً بول اٹھا:  
”هَذَا كِتَابُ رَجُلٍ نَاصِحٍ لِّأَمِيرِهِ مُشْفِقٍ عَلٰی قَوْمِهِ نَعَمَ قَدْ قَبِلْتُ.  
یہ ایسے شخص کا خط ہے جو امیر المؤمنین کا خیر خواہ اور امت مسلمہ پر مہربان ہے، ٹھیک ہے میں نے ان کی بات قبول کی“ (۱) [تاریخ الطبری: ۳/۳۱۳]۔

یعنی ابن زیاد نے تیسری بات کی منظوری دے دی کہ انہیں بحفاظت یزید کے پاس بھیج دیا جائے کیونکہ بعض روایت کے مطابق حسین ؑ نے اللہ کا واسطہ دے کر اس کا مطالبہ کیا تھا (کما سیاتی بسند صحیح) نیز یزید کے پاس جا کر حسین ؑ یزید کی براہ راست بیعت بھی کر لیتے اور تمام حالات سے انہیں باخبر بھی کر دیتے۔

کوفیوں نے جب دیکھا کہ ابن زیاد نے آپ کو دمشق جانے کی اجازت دے دی ہے اور آپ دمشق یزید کے پاس جا رہے ہیں اور ظاہر ہے یزید تمام معاملات سے آگاہ ہوں

(۱) اس کے آگے سبائیوں نے اس روایت میں یہ آمیزش کی ہے کہ عبید اللہ بن زیاد کے اس فیصلہ کے بعد شمر بن ذی الجوشن نے اسے بہکایا جس کے بعد عبید اللہ بن زیاد نے اپنا فیصلہ بدل دیا۔ لاریب یہ افتراء اس روایت میں سہائی پیوند کاری ہے۔ مزید وضاحت آگے آرہی ہے۔ دیکھئے: ص: ۷۷ تا ۸۰۔



گے پھر ان تمام لوگوں کے لئے خطرہ ہو سکتا ہے جنہوں نے حسین رضی اللہ عنہ کو خلافت کی دعوت دی تھی اور خفیہ طور پر یزید بن معاویہ کے خلاف بغاوت کی سازش رچی تھی۔

اس لئے ان کو فیوں نے سوچا کسی طرح حسین رضی اللہ عنہ کو یزید کے پاس جانے سے روک دیا جائے اور ان کے پاس موجود ہمارے باغیانہ خطوط یزید تک نہ پہنچنے پائیں، ظاہر ہے کہ یہ کوئی حسینی قافلہ میں تو شامل تھے اس کے ساتھ ساتھ اپنی سابقہ چالوں کے مطابق لازمی طور پر ان میں کچھ فوجی دستہ میں بھی شامل تھے، چنانچہ ان لوگوں نے موقع پا کر یہاں پر بھی وہی کیا جو جنگ جمل کے موقع پر کر چکے تھے یعنی ایک سازش کے تحت حسین رضی اللہ عنہ ہی کے قافلہ پر حملہ کر دیا، فوجی دستہ کے جو دیگر مخلصین تھے وہ فوراً الگ ہو گئے اور حسینی قافلہ کے بچاؤ میں لگ گئے، بعض روایات میں ان مخلصین کی تعداد تیس بتلائی جاتی ہے جن میں حبر بن یزید سرفہرست تھا۔

چنانچہ حبر بن یزید نے جب دیکھا کہ فوجی دستے کے لوگ بھی حسینی قافلے پر حملہ آور ہیں تو وہ فوراً حسینی قافلہ کے بچاؤ میں لگ گیا اور حملہ آوروں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

يَا أَهْلَ الْكُوفَةِ لَا مَكَمَ الْهَيْلِ أَدْعَوْتُمُ الْحُسَيْنَ إِلَيْكُمْ حَتَّى إِذَا أَتَاكُمْ  
أَسْلَمْتُمُوهُ زَعَمْتُمْ أَنَّكُمْ قَاتِلُوا أَنْفُسَكُمْ ذُوْنَهُ ثُمَّ عَدَوْتُمْ عَلَيْهِ لَتَقْتُلُوْهُ.

اے اہل کوفہ تمہارا برا ہو، تم حسین رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس بلاتے ہو اور جب وہ تمہارے پاس آتے ہیں تو تم انہیں بے یار و مددگار چھوڑ دیتے ہو تم نے خیال کیا کہ تم ان کی حفاظت میں اپنی جانیں لڑاؤ گے پھر تم نے انہیں قتل کرنے کے لئے ان پر حملہ کر دیا [البداية والنهاية : ۱۸۰/۸]۔

حبر بن یزید نے یہ جملہ فوجی دستہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہے اس سے معلوم ہوا کہ فوجی دستہ میں بھی کچھ سبائی کوئی چھپے ہوئے تھے اور موقع پا کر انہوں نے قافلہ حسین رضی اللہ عنہ

پر حملہ کر دیا، اور یہ انہیں لوگوں میں سے تھے جنہوں نے حسین رضی اللہ عنہ کو خط لکھ کر بلوایا تھا، جیسا کہ حرب بن یزید نے کہا، یاد رہے کہ حسین رضی اللہ عنہ حرب بن یزید کو ان کو فیوں کے خطوط دکھا چکے تھے، جنہوں نے حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ آنے کی دعوت دی تھی۔  
خود حسین رضی اللہ عنہ نے کہا:

اللَّهُمَّ احْكَمْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمٍ دَعَوْنَا لِنُعْصِرَ وَنَافَقْتَنَا

اللہ ہمارے اور ان کے بیچ فیصلہ کر دے جنہوں نے ہمیں بلایا تا کہ ہمارے ساتھ تعاون کریں گے لیکن یہی ہمیں قتل کر رہے ہیں [تاریخ الطبری: ۵/۳۸۹]۔  
محمد بشر نذیر صاحب لکھتے ہیں:

”اس روایت میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بعض الفاظ ایسے بیان ہوئے ہیں جن سے کچھ اشارہ ملتا ہے کہ اس جنگ کے چھڑنے کے ذمہ دار کون لوگ تھے۔ دوران جنگ آپ نے اللہ تعالیٰ سے فریاد کی: ”اے اللہ! ہمارا اور ان لوگوں کا تو انصاف فرما۔ انہوں نے ہمیں اس لئے بلایا کہ ہماری مدد کریں گے اور اب ہم لوگوں کو قتل کر رہے ہیں“ یہ ایسے الفاظ ہیں جن کے مصداق نہ تو عمر بن سعد ہو سکتے ہیں اور نہ ابن زیاد اور اس کے ساتھی کیونکہ ان لوگوں نے تو آپ کو کوئی خط نہ لکھا تھا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سرکاری فوج میں وہ لوگ موجود تھے جنہوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو خطوط لکھ کر کوفہ بلایا تھا۔ اب انہی لوگوں نے آپ پر حملہ کر کے آپ اور آپ کے ساتھیوں کو شہید کرنا شروع کر دیا تھا“۔ [عہد صحابہ اور جدید ذہن کے شبہات: ص ۴۶۰]۔

معلوم ہوا کہ جن کو فیوں نے حسین رضی اللہ عنہ کو بلوایا تھا انہیں کو فیوں نے ہی حسین رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا اور شہید کیا۔

عمر بن سعد رحمہ اللہ بھی حسین رضی اللہ عنہ کا تحفظ کرنے والوں ہی میں سے تھے، بلکہ شہادت حسین پر زار و قطار رو رہے تھے۔

وَقَدْ دَنَا عُمَرُ بْنُ سَعْدٍ مِنْ حُسَيْنٍ، فَقَالَتْ: يَا عُمَرُ بْنُ سَعْدٍ، أَيْقِظْ أَبُوبَ عَبْدِ اللَّهِ وَأَنْتَ تَنْظُرُ إِلَيْهِ! قَالَ: فَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى دُمُوعِ عَمْرٍ وَهِيَ تَسِيلُ عَلَى خَدَيْهِ وَلَحِيَّتِهِ.

عمر بن سعد رحمہ اللہ حسینؑ کے قریب بڑھے، انہیں دیکھ کر حسین رضی اللہ عنہ کی بیٹی زینب نے کہا: اے عمر بن سعد! کیا حسینؑ قتل کر دئے جائیں گے اور آپ دیکھتے رہیں گے، راوی کہتے ہیں کہ میں عمر بن سعد کے آنسوؤں کو دیکھ رہا تھا وہ ان کے گالوں اور داڑھی پر بہے جا رہے تھے [تاریخ الطبری: ۵/۴۵۲]۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عمر بن سعد، حسین رضی اللہ عنہ کے بچاؤ کی کوشش کر رہے تھے لیکن کامیاب نہ ہو سکے اور شہادت حسین رضی اللہ عنہ پر زار و قطار رو رہے تھے۔ الغرض یہ کہ جب کربلا میں حسین رضی اللہ عنہ کے دمشق جانے اور یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا فیصلہ ہو گیا تو سبائی کو فی جو حسینی قافلہ میں بھی تھے اور ابن زیاد کی فوج میں بھی تھے انہوں نے اپنے لئے خطرہ محسوس کیا کہ ایسا ہوا اور حسین رضی اللہ عنہ یزید سے مل گئے تو پھر ہماری خیر نہیں ہوگی اس لئے انہوں نے ہنگامہ کھڑا کر کے حسین رضی اللہ عنہ کو دمشق یزید کے پاس جانے سے نہ صرف روک دیا بلکہ حسین رضی اللہ عنہ کے قافلہ پر حملہ کر دیا اور ان کے جو باغیانہ خطوط حسین رضی اللہ عنہ کے خیمہ میں تھے ان میں آگ لگا دی اور حسین رضی اللہ عنہ کو بھی شہید کر ڈالا، اور پھر بھاگ کھڑے ہوئے۔

یاد رہے کہ قافلہ حسین رضی اللہ عنہ پر حملہ کرنے والے تمام کے تمام کو فی ہی تھے اس بات کا اعتراف اہل تشیع نے بھی کیا، چنانچہ:

مسعودی شیعہ لکھتا ہے:

وَكَانَ جَمِيعُ مَنْ حَضَرَ مَقْتَلَ حُسَيْنٍ مِنَ الْعَسَاكِرِ وَحَارِبِهِ وَتَوَلَّى قَتْلَهُ

مِنْ أَهْلِ الْكُوفَةِ خَاصَّةً لَمْ يَحْضَرْهُمْ شَامِي.

وہ تمام لوگ جنہوں نے حسین رضی اللہ عنہ کے قتال میں حصہ لیا اور ان کے خلاف جنگ کی اور انہیں قتل کیا یہ سب کے سب خالص اہل کوفہ میں سے تھے شام کا کوئی بھی شخص ان کے ساتھ موجود نہ تھا [مروج اللذہب للمسعودی: ج: ۳، ص: ۷۱]۔

ملا باقر مجلسی شیعہ لکھتا ہے:

وَتَوَلَّى قَتْلَهُ مِنْ أَهْلِ الْكُوفَةِ خَاصَّةً لَمْ يَحْضَرْهُمْ شَامِي.

حسین رضی اللہ عنہ کو خالص کوفیوں نے قتل کیا ہے ان میں کوئی بھی شامی موجود نہیں

تھا [بحار الأنوار: ج: ۱۰، ص: ۲۳۱]۔

ہنگامہ ختم ہونے کے بعد عمر بن سعد، حسین رضی اللہ عنہ کے اہل خانہ کو لیکر کوفہ لوٹے جب کوفہ کے قریب یہ قافلہ پہونچا تو کوفہ کی خواتین باہر نکل نکل کر رو رہی تھیں، یہ منظر دیکھ کر زین العابدین یعنی علی ابن الحسین نے کہا کہ اگر یہ رو رہی ہیں تو ہمیں قتل کس نے کیا ہے:

لَمَّا دَخَلَ عَلَى بَنِ الْحُسَيْنِ الْكُوفَةَ رَأَى نِسَاءً هَا يُبْكِينَ وَيَضْرُخْنَ فَقَالَ: "هَؤُلَاءِ يُبْكِينَ عَلَيْنَا فَمَنْ قَتَلَنَا؟" أَى مَنْ قَتَلَنَا غَيْرَهُمْ.

جب علی ابن الحسین کوفہ میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ کوفہ کی عورتیں رو رہی ہیں اور چیخ رہی ہیں، یہ دیکھ کر علی بن الحسین نے کہا اگر یہ لوگ ہم پر رو رہی ہیں تو پھر ہمیں قتل کس نے کیا ہے؟ [تاریخ یعقوبی: ۱/۲۳۵]۔

یہی بات حسین رضی اللہ عنہ کی بیٹی سکینہ رضی اللہ عنہا نے اس وقت کہی تھی جب ان ہی کوفیوں نے ان کے شوہر کو شہید کیا تھا اور یہ کوفہ سے جا رہی تھیں:

وَلَمَّا أَرَادَتْ سَكِينَةُ بِنْتُ الْحُسَيْنِ بَنِ عَلَى رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ الرَّحِيلُ مِنَ الْكُوفَةِ إِلَى الْمَدِينَةِ بَعْدَ قَتْلِ زَوْجِهَا الْمُصْعَبِ، حَفَّتْ بِهَا أَهْلُ الْكُوفَةِ وَقَالُوا:

أَحْسَنَ اللَّهُ صَحَابَتَكَ يَا ابْنَةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ! فَقَالَتْ: لَا جَزَاكُمْ اللَّهُ خَيْرًا مِنْ قَوْمٍ، وَلَا أَحْسَنَ الْخِلَافَةَ عَلَيْكُمْ، قَتَلْتُمْ أَبِي، وَجَدَدِي، وَأَخِي، وَعَمِّي، وَزَوْجِي، أَيَتَمَّتُونِي صَغِيرَةً، وَأَيَّمَّتُونِي كَبِيرَةً!

جب سیکہ بنت الحسین نے اپنے شوہر مصعب کے قتل کے بعد کوفہ سے مدینہ جانے لگیں تو اہل کوفہ نے انہیں گھیر لیا اور کہا اے اللہ کے رسول کی بیٹی اللہ تمہارا بھلا کرے تو سیکہ بنت حسین نے کہا: اللہ تمہارا بھلا نہ کرے تم نے میرے والد (حسین علیہ السلام) کو قتل کیا، تم نے میرے دادا (علی علیہ السلام) کو قتل کیا، تم نے میرے بھائی کو قتل کیا تم نے میرے چچا (حسن رضی اللہ عنہ) کو قتل کیا اور تم نے ہی میرے شوہر کو قتل کیا، جب میں بچی تھی تو تم نے مجھے یتیم بنا دیا اور جب میں بڑی ہوئی تو تم نے مجھے بیوہ بنا دیا [العقد الفريد: ۲۷۷/۷]۔

عَنْ شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ قَالَ سَمِعْتُ أُمَّ سَلَمَةَ تَقُولُ: حِينَ جَاءَ نَعَى الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ لَعَنَتِ أَهْلَ الْعِرَاقِ وَقَالَتْ قَتَلُوهُ قَتَلَهُمُ اللَّهُ غَرَوْهُ وَذَلُّوهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ.

شہر بن حوشب کہتے ہیں کہ جب حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر آئی تو میں نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو سنا: انہوں نے عراقیوں (کوفیوں) پر لعنت کی اور کہا: انہوں نے حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا اللہ انہیں تباہ و برباد کرے، انہوں نے حسین رضی اللہ عنہ کو دھوکہ دیا اور انہیں ذلیل کیا اللہ کی ان پر لعنت ہو [فضائل الصحابة: ۲/۷۸۲] واسنادہ حسن، دیکھئے میری کتاب: ”حادثہ کر بلا ویزید صرف صحیح روایات کی روشنی میں“۔

عَنِ ابْنِ أَبِي نَعْمٍ، قَالَ: كُنْتُ شَاهِدًا لِابْنِ عُمَرَ، وَسَأَلَهُ رَجُلٌ عَنْ دَمِ الْبَعُوضِ، فَقَالَ: مِمَّنْ أَنْتَ؟ فَقَالَ: مِنْ أَهْلِ الْعِرَاقِ، قَالَ: انْظُرُوا إِلَيَّ هَذَا، يَسْأَلُنِي عَنْ دَمِ الْبَعُوضِ، وَقَدْ قَتَلُوا ابْنَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم، وَسَمِعْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم

يَقُولُ: هُمَا رِيحَانَتَايَ مِنَ الدُّنْيَا.

ابونعیم نے بیان کیا کہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں موجود تھا ان سے ایک شخص نے (حالت احرام میں) مچھر کے مارنے کے متعلق پوچھا (کہ اس کا کیا کفارہ ہو گا) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے دریافت فرمایا کہ تم کہاں کے ہو؟ اس نے بتایا کہ عراق کا، فرمایا کہ اس شخص کو دیکھو، مچھر کی جان لینے کے تاوان کا مسئلہ پوچھتا ہے حالانکہ اس کے ملک والوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسہ کو قتل کر ڈالا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرما رہے تھے کہ یہ دونوں (حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما) دنیا میں میرے دو پھول ہیں [صحیح البخاری: ۸/۷]۔

### خلاصہ روداد

#### پہلا مرحلہ: قیام مدینہ

یزید کے خلیفہ بننے کے بعد حسین ؑ مدینہ میں تھے آپ سے بیعت یزید کا مطالبہ کیا گیا آپ نے اگلے دن مجمع عام میں بیعت کرنے کی خواہش ظاہر کی تاکہ یہ بات سب کے علم میں آجائے لیکن اگلے دن حکام آپ کے پاس نہ پہنچ سکے پھر اس کے بعد حسین ؑ عمرہ وغیرہ کی غرض سے مکہ روانہ ہو گئے۔

#### دوسرا مرحلہ: قیام مکہ

مکہ میں حسین رضی اللہ عنہ پہنچے اور کوفیوں نے سنا کہ حسین رضی اللہ عنہ نے ابھی تک بیعت نہیں کی ہے تو ان کوفیوں نے حسین رضی اللہ عنہ کا استعمال کر کے ایک بار پھر امت میں خونریزی کا پروگرام بنایا اور اس کی خاطر حسین ؑ کو خطوط لکھے کہ آپ ہمارے پاس آ جائیں ہم آپ ہی کو خلیفہ مانیں گے، حسین رضی اللہ عنہ نے یہ صورت حال دیکھ کر خطرہ کی بوسونگھ لی

اور فیصلہ کیا کہ اہل کوفہ جس برے اقدام کا ارادہ رکھتے ہیں انہیں اس اقدام سے روکنا چاہئے اور ان کی اصلاح کرنی چاہئے تاکہ امت میں اتحاد و اتفاق باقی رہے اور کسی قسم کا فتنہ رونما نہ ہو، اس غرض سے آپ نے کوفہ جانے کا ارادہ کیا، آپ کی نیت گرچہ نیک اور مخلصانہ تھی مگر اہل کوفہ کو کنٹرول کرنا آسان کام نہیں تھا اسی لئے خیر خواہوں نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ کوفہ نہ جائیں، آپ نے بھی ان مشوروں میں وزن محسوس کیا اور کوفہ کی صورت حال کا جائزہ لینے کے لئے مسلم بن عقیل کو کوفہ روانہ کیا۔ مسلم بن عقیل کوفہ پہنچے تو شروع شروع میں اہل کوفہ نے ان کا پر جوش استقبال کیا یہ دیکھ کر مسلم بن عقیل نے حسین رضی اللہ عنہ کو خط لکھ دیا کہ آپ آسکتے ہیں، خط ملتے ہی حسین رضی اللہ عنہ کوفہ کے لئے روانہ ہو گئے۔

### تیسرا مرحلہ : رواگلی کوفہ

آپ کوفہ روانہ ہوئے اور ادھر اہل کوفہ نے مسلم بن عقیل پر دباؤ ڈال کر ان سے عبید اللہ بن زیاد کا قتل کروانا چاہا لیکن کامیاب نہ ہوئے پھر اہل کوفہ نے مسلم بن عقیل کی امارت میں ایک لشکر تیار کیا اور گورنر ہاوس پر حملہ کر دیا اور عین وقت پر مسلم بن عقیل کو تنہا چھوڑ کر بھاگ گئے، پھر مسلم بن عقیل گرفتار ہو کر قتل کر دئے گئے، حسین رضی اللہ عنہ راستے ہی میں تھے کہ انہیں اس قتل کی خبر ملی یہ خبر ملتے ہی آپ نے واپسی کا فیصلہ کیا لیکن جو کوئی آپ کو مکہ سے لینے کے لئے آئے تھے انہوں نے ایک طرف تو مسلم بن عقیل کے بھائیوں کو انتقام کا نعرہ دیا اور دوسری طرف حسین رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ مسلم بن عقیل کی طرح نہیں ہیں آپ کا مقام و مرتبہ کچھ اور ہے آپ چلیں آپ کے ساتھ خیر کا سلوک ہوگا، مجبوراً حسین رضی اللہ عنہ کو سفر جاری رکھنا پڑا۔

کوفہ کے قریب پہونچے تو بعض اعرابیوں سے معلوم ہوا کہ کوفہ کے حالات انتہائی نازک ہیں، وہاں جانا بہت خطرناک ہے یہ سن کر حسین رضی اللہ عنہ نے کوفہ کی راہ چھوڑ کر سیدھا دمشق جانے کی ٹھان لی جہاں یزید بن معاویہ موجود تھے۔

### چوتھا مرحلہ: رواںگی دمشق

دمشق کی طرف حسین ؑ کا قافلہ روانہ ہو گیا تھوڑی دور چلنے کے بعد حبر بن یزید راستے میں ملا اس نے اصرار کیا حسین ؑ اس کے ہمراہ کوفہ چلیں لیکن حسین ؑ نے تسلیم نہیں کیا اور شام کی جانب سفر جاری رکھا آگے کربلا کے مقام پر پہونچے تو عمر بن سعد اور اس کے سپاہیوں سے ڈبھيڑ ہو گئی۔

### پانچواں مرحلہ: نزول کربلا، وقوع حادثہ

عمر بن سعد کے سامنے حسین ؑ نے اللہ کا واسطہ دے کر کہا کہ مجھے یزید کے پاس جانے دو، عمر بن سعد اس پر بہت خوش ہوئے اور ان کی یہ بات منظور کر لی، اور عبید اللہ بن زیاد سے اس کی اجازت بھی لے لی۔

کوفی سبائیوں نے جب یہ دیکھا کہ حسین رضی اللہ عنہ یزید کے پاس بیعت کے لئے جارہے ہیں اور ان کے خطوط بھی ان کے ساتھ ہیں تو انہوں نے ہنگامہ برپا کر کے حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔

### خود ساختہ کہانیاں

اوپر حادثہ کربلا کی جو تفصیلات پیش کی گئی ہیں اس کی روشنی میں یہ حقیقت طشت از بام ہو جاتی ہے کہ یہ سب کچھ سبائیوں اور کوفیوں کی سازش کا نتیجہ تھا، یاد رہے کہ سبائی یہودیوں نے صرف اسی پر بس نہیں کیا کہ اس الم ناک حادثہ کو جنم دیا بلکہ اس حادثہ سے جڑی ہوئی جو تفصیلات وضع کی گئی ہیں اور جو لمبے چوڑے قصے اور کہانیاں بیان ہوئی ہیں، اسی طرح بے گناہ اور ابریاہ لوگوں پر جو الزامات تراشے گئے ہیں، یہ سب کچھ انہیں سبائی یہودیوں ہی کی کارستانیوں ہیں چنانچہ:

☆ حادثہ سے قبل اور میدان کربلا میں حسین ؑ اور ان کے رفقاء کی طرف لمبی چوڑی



تقریریں منسوب کی گئی ہیں جن کا نہ تو کوئی موقع تھا اور نہ ہی کوئی وقت۔

☆ لڑائی سے قبل مبارزہ جنگ کے بے سرو پا قصے مشہور کئے گئے جن میں اصحاب حسین ؑ کی غیر معمولی بہادری کا ایسا تذکرہ ہے جس کا وقوع حقیقت کی دنیا میں بالکل محال و ناممکن ہے۔

☆ صبح سے لیکر سہ پہر بلکہ اس سے بھی لمبی مدت تک گھمسان کی جنگ کا نقشہ کھینچا گیا ہے اور اس میں حسین ؑ اور ان کے رفقاء کی بہادری کے ایسے بے مثال کارنامے بیان ہوئے ہیں جو یکسر گپ اور خود ساختہ ہیں۔

☆ قافلہ حسین ؑ پر ظلم و بربریت کی حد اور بے رحمی و سخت دلی کی انتہاء دکھائی گئی ہے کہ انہیں مغلوب کرنے کے لئے ان پر پانی کی بندش لگادی گئی حالانکہ یہ ایک افسانہ بلکہ خالص پروپیگنڈہ ہے۔

در اصل یہ ساری کہانیاں میدان کربلا کی نہیں بلکہ کربلا کے بعد کی تصنیف کردہ ہیں جو محض جھوٹ اور کذب بیانی کے علاوہ کچھ نہیں۔  
عتیق الرحمن سنبھلی صاحب فرماتے ہیں:

”کربلا کے میدان کا واقعہ بہت سادہ اور بہت مختصر ہے اور جتنے قصے کہانیاں اس سلسلے میں بیان کی جاتی ہیں جب ان کی جانچ اس وقت اور ماحول کے امکانات و مواقع، روایتوں کے تقابل، انسانی فطرت اور حضرت سیدنا حسین اور ان کے اہل بیت کے دینی شعور کی روشنی میں کی جاتی ہے تو یہ تمام کے تمام قصے ایک ایسی من گھڑت داستان بن کے رہ جاتے ہیں جسے بس ابن سبأ یہودی کے شیطانی منصوبے کے مطابق ہی گھڑا جاسکتا ہے“ [واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر: ص ۲۸۵-۲۸۶]۔

یہ ساری کہانیاں صرف خود ساختہ ہی نہیں بلکہ ان میں اسلام کے نام پر حسین ؑ اور اہل بیت کی تذلیل و توہین کا سامان بھی ہے۔

عتیق الرحمن سنبھلی صاحب فرماتے ہیں:

”کربلا کی لمبی چوڑی کہانیاں علاوہ اس کے کہ موقع محل کے حالات ان کے وقوع کے لئے گنجائش نہیں دکھاتے اور علاوہ اس کے کہ ان قصوں کی سندیں نہایت بے وقعت ہیں، یہ قصے متعدد پہلوؤں سے خانوادہ نبوت پر داغ بنتے ہیں۔۔۔ حضرت حسین کا اپنے آپ کو اپنی زبان سے مقدس اور مقبول بارگاہ حق بتانا، جس کی کوئی گنجائش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں سے نہیں ہے، اپنے دشمنوں کو بددعائیں دینا، جو ان کے نانا کی سنت نہیں ہے اور مردوں کا میدان جنگ میں شیوہ نہیں، سیدہ زینت بنت خاتون جنت کا بین و بکا کرتے ہوئے بار بار میدان جنگ میں آنا اور لاشوں سے لپٹ کر رونا چلانا، پھر حسین کے لئے عمر بن سعد سے رحم کی اپیل کرنا (!) بھلا یہ باتیں کہیں خانوادہ نبوت کی خواتین کو زیب دیتی ہیں؟؟ اور خاتون بھی علی مرتضیٰ جیسے شیر مرد کی بیٹی، یہ روایتیں اگر قابل اعتبار ہو سکتی ہیں تو صرف ان لوگوں کے لئے جنہیں خانوادہ نبوت کی محبت کے نام پر ان کی مظلومیت کے ماتم کی دوکان کھولنی ہے، خواہ مظلومیت کی اس داستان کو رنگین کرنے کے لئے ان تمام چیزوں کا اپنے ہی ہاتھوں سے خون کرنا پڑے جو اس خانوادے کا اور کسی بھی خانوادے کا شرف اور اس کی عزت ہوں“ [واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر: ص ۲۳۸]۔

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

”یہ ساری کہانیاں، جن میں سے کتنی ہی ایسی ہیں جو دراصل حسین کی شان کو داغ لگاتی ہیں، صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس سبائی ذہن کے ماتحت گھڑی گئی ہیں جو برابر فرزند ان اسلام کی متاع دین و دانش لوٹ لینے کی جدوجہد میں لگا ہوا تھا“ [واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر: ص ۲۳۱]۔

الغرض یہ ساری کہانیاں اور یہ تمام قصے و افسانے خالص کذب و افتراء اور مبالغہ آرائی پر مبنی ہیں، یہ عقلا اور نقلا کسی لحاظ سے بھی قابل قبول نہیں ہیں، یہی وجہ ہے کہ ہم نے روداد کربلا کے بیان میں انہیں بالکل جگہ نہیں دی ہے۔

## فصل ثالث : حادثہ کربلا کی روایات اور الزام تراشیاں

حادثہ کربلا کی جو داستان ہمارے یہاں عام طور پر مشہور ہے اس میں بہت سی شخصیات پر بے بنیاد الزامات عائد کئے جاتے ہیں اگلی سطور میں ایسے ہی الزامات پر گفتگو ہوگی۔

### الف : یزید بن معاویہ

حادثہ کربلا کو لیکر جس شخصیت پر سب سے زیادہ کچڑ اچھالا گیا ہے وہ یزید بن معاویہ رحمہ اللہ ہیں، ان الزامات سے متعلق مفصل گفتگو ہم تیسرے باب میں کریں گے۔

### ب : حسین رضی اللہ عنہ

حسین رضی اللہ عنہ پر الزام یہ ہے کہ وہ یزید کے خلاف نکلے تھے پھر بعض اسے جہاد سے تعبیر کرتے ہیں اور بعض اسے طلب امارت کہہ کر اجمتہادی خطا قرار دیتے ہیں، حالانکہ یہ دونوں باتیں محل نظر ہیں اور ان سے بلا وجہ حسین رضی اللہ عنہ پر الزام عائد ہوتا ہے۔  
دراصل حسین رضی اللہ عنہ کوفہ کیوں گئے تھے یہ اسلامی تاریخ کا ایک معمہ ہے، کیونکہ حسین رضی اللہ عنہ نے کبھی بھی کھل کر اپنی زبان سے یہ کہا ہی نہیں کہ کوفہ جانے سے ان کا مقصود کیا ہے۔

حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

((ربا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا موقف؟ تو حقیقت یہ ہے کہ بعد کی حاشیہ آرائیوں اور فلسفہ طرازیوں سے صرف نظر کر کے اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے واضح الفاظ میں اپنے موقف کی کبھی وضاحت ہی نہیں فرمائی کہ وہ کیا چاہتے تھے؟ اور ان کے ذہن میں کیا تجویز تھی؟ یزید کے خلیفہ بن جانے کے بعد جب گورنر مدینہ ولید بن عتبہ نے انہیں یزید کی بیعت کی دعوت دی تو انہوں نے فرمایا کہ میں خفیہ بیعت نہیں کر سکتا، اجتماع عام میں بیعت کروں گا۔

"أما ما سألتني من البيعة فإن مثلي لا يعطى بيعته سراً ولا أراک تحتزىء بهأ منى سراً دون أن نظهرها على رؤوس الناس علانية"

(الطبری: ۱/۲۵۱)

گورنر نے انہیں مزید مہلت دے دی۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ یہ مہلت پا کر مدینہ سے مکہ تشریف لے گئے (!)۔ مکہ پہنچ کر بھی انہوں نے کوئی وضاحت نہیں کی، البتہ وہاں سے کوفہ جانے کی تیاریاں شروع کر دیں جس کی خبر پا کر ہمدرد وہی خواہ، جن میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ متعدد صحابی بھی تھے، انہیں کوفہ جانے سے روکتے رہے لیکن وہ کوفہ جانے پر ہی مصر رہے۔ حتیٰ کہ ایک موقع پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قریبی رشتہ دار عبداللہ بن جعفر گورنر مکہ عمرو بن سعید کے پاس آئے اور ان کے استدعا کی آپ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے نام ایک چٹھی لکھ دیں جس میں واضح الفاظ میں انہیں امان دیے جانے اور ان سے حسن سلوک کرنے کا ذکر ہوتا کہ حسین رضی اللہ عنہ واپس آ جائیں اور کوفہ نہ جائیں۔ گورنر مکہ نے کہا کہ آپ جو چاہیں لکھ کر لے آئیں میں اس پر اپنی مہر لگا دوں گا۔ چنانچہ وہ اپنے الفاظ میں ایک امان نامہ لکھ لائے جس پر گورنر مکہ نے اپنی مہر لگا دی۔ عبداللہ بن جعفر نے پھر درخواست کی کہ یہ چٹھی بھی آپ خود اپنے ہی بھائی کے ہاتھ حضرت حسین تک پہنچائیں تاکہ حسین پوری طرح مطمئن ہو جائیں کہ ساری جدوجہد گورنر مکہ کی طرف سے ہو رہی ہے۔ گورنر مکہ نے ان کی یہ بات بھی قبول کر لی اور اپنے بھائی کو بھی عبداللہ بن جعفر کے ساتھ روانہ کر دیا۔ یہ دونوں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو جا کر ملے لیکن حضرت حسین نے معذرت کر دی اور کوفہ جانے پر ہی اصرار کیا اور یہاں بھی اپنے موقف کی وضاحت نہیں کی بلکہ صاف لفظوں میں کہا کہ میں کوفہ جس مقصد کے لیے جا رہا ہوں وہ صرف مجھے معلوم ہے اور وہ میں بیان نہیں کروں گا۔

(الطبری: ۳/۱۲۹۱-۲۹۲)

خود شیعہ مورخ ابن طقطقی بھی لکھتا ہے کہ جب حضرت حسین ؑ مکہ سے کوفہ روانہ ہوئے تو انہیں مسلم کے حال کا کوئی علم نہیں تھا۔ جب کوفہ کے قریب پہنچ گئے تو انہیں مسلم کے قتل کا علم ہوا۔ وہاں انہیں لوگ ملے اور انہوں نے حضرت حسین ؑ کو کوفہ جانے سے روکا اور انہیں ڈرایا لیکن حسین ؑ واپس ہونے پر آمادہ نہیں ہوئے اور کوفہ جانے کا عزم جاری رکھا۔ ایک ایسے مقصد کے لیے جسے وہ خود ہی جانتے

تھے۔ "فلما يرجع وصمم على الوصول إلى الكوفة لأمر هو أعلم به من الناس" (الفخری، ص: ۸۵، طبع مصر) [رسومات محرم الحرام اور سانحہ کربلا: ص ۳۶-۳۷]۔

محمد مبشر نذیر صاحب لکھتے ہیں:

”یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اگر کوفہ کی طرف جا رہے تھے تو آپ کا پلان کیا تھا؟ بالفرض اگر اہل کوفہ آپ کے ساتھ عہد شکنی نہ کرتے تو کیا واقعات پیش آتے؟ تاریخ کی کتب میں ہمیں آپ کے اپنے الفاظ میں آپ کے ارادے کی تفصیلات نہیں ملتی ہیں۔ یہ بعض تجزیہ نگاروں کی محض قیاس آرائی ہی ہے کہ آپ کوفہ کی حکومت سنبھال کر اہل شام کے ساتھ جنگ کرتے“۔ [عہد صحابہ اور جدید ذہن کے شبہات: ص ۲۵۸]۔

معلوم ہوا کہ حسین رضی اللہ عنہ نے اپنی زبان سے کبھی اپنے موقف کی کھلے عام وضاحت ہی نہیں کی اسی لئے بعض نے اسے جہاد سمجھ لیا اور بعض نے خروج، لیکن ہماری نظر میں جہاد اور خروج یہ دونوں ہی باتیں محل نظر ہیں کیونکہ ان دونوں سے حسین رضی اللہ عنہ پر الزام عائد ہوتا ہے اور کسی ادنیٰ مسلمان پر بھی کوئی الزام عائد کرنے کے لئے ٹھوس ثبوت درکار ہے۔

ہمارے نزدیک اس سلسلے میں سب سے مناسب بات یہ ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ کا کوفہ جاننا نہ تو جہاد کے لئے تھا اور نہ ہی طلب خلافت کے لئے، بلکہ آپ کا مقصد امت میں اصلاح کا کام کرنا تھا جیسا کہ ہم حادثہ کربلا کی روداد میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے بتلا چکے ہیں کہ حسین رضی اللہ عنہ کا سفر پر امن مقاصد کے لئے تھا، آپ رضی اللہ عنہ کوفہ جا کر اہل کوفہ میں اصلاح کا کام کرنا چاہتے تھے، کوئی چاہتے تھے کہ صفین کی تاریخ دہرائیں لیکن حسین رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ حسن رضی اللہ عنہ کی تاریخ دہرائیں، یعنی امت میں اتحاد و اتفاق قائم کرنے اور فتنہ کو ختم کرنے کی کوشش کریں جیسا کہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ

عنہ کی وصیت تھی:

ایک بار پھر سے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ بیان ملاحظہ ہو:

فَكَتَبَ إِلَيْهِ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبَّاسٍ: إِنِّي أَرْجُو أَنْ لَا يَكُونَ خُرُوجَ الْحُسَيْنِ  
لأَمْرٍ تَكْرِهُهُ. وَلَسْتُ أَدْعِ النَّصِيحَةَ لَهُ فِيمَا يَجْمَعُ اللَّهُ بِهِ الْأَلْفَةَ وَيَطْفِئُ بِهِ  
النَّارَ.

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے جواباً یزید کو لکھا کہ: مجھے پوری امید ہے کہ (کوفہ کی طرف) حسین ؑ کسی ایسے مقصد کی خاطر نہیں نکل رہے ہیں جو آپ کو ناپسند ہو اور میں انہیں پوری طرح ایسی چیزوں کی نصیحتیں کر دوں گا جن سے ان شاء اللہ اتحاد و اتفاق قائم ہوگا اور فتنہ کی آگ بجھ جائے گی [الطبقات الكبرى: ۱/۴۵۰، تاریخ مدینۃ دمشق: ۴/۲۱۰، بغیۃ الطلب فی تاریخ حلب: ۶/۲۶۱۱، البدایۃ والنہایۃ: ۸/۱۶۴، تہذیب الکمال للزمزى: ۶/۴۲۰، سیر أعلام النبلاء للذهبی: ۳/۳۰۴]۔

محمد بشر نذری صاحب لکھتے ہیں:

”اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے ان مخلص رشتہ داروں کی بات کیوں نہ مانی اور اہل کوفہ کے باغیوں پر اعتبار کر کے وہاں کیوں چلے گئے؟ اوپر بیان کردہ خط کو پڑھنے سے اس کی وجوہ سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ کا کوئی ارادہ بغاوت برپا کرنے کا نہ تھا بلکہ آپ ان باغیوں کو کنٹرول کر کے حکومت وقت کے معاملات کی اصلاح کرنا چاہتے تھے۔ حکومت کے رویے سے بھی ظاہر یہی تھا کہ یہ لوگ حضرت حسین کا احترام کر رہے تھے“ [عہد صحابہ اور جدید ذہن کے شبہات: ص ۴۵۴]

لیکن حادثہ کربلا کی جو کہانی ہمارے یہاں مشہور ہے اس رو سے حسین رضی اللہ عنہ پر دو الزام عائد ہوتے ہیں، ایک یہ کہ حسین رضی اللہ عنہ حکومت وقت کے خلاف جہاد کرنے کی غرض سے نکلے تھے، لیکن چونکہ حکومت وقت میں ایسی کوئی حامی نہیں تھی کہ اس کے خلاف

جہاد واجب تھا اس لئے یہ بات حسین رضی اللہ عنہ پر الزام ہی ہے۔

بعض دوسرے لوگ حسین رضی اللہ عنہ کے عمل کو جہاد کا نام تو نہیں دیتے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ اہل کوفہ نے حسین رضی اللہ عنہ کو خط دے کر بلایا تھا تا کہ ان کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کریں، پھر یہ خطوط دیکھ کر حسین رضی اللہ عنہ خلیفہ بننے کی غرض سے کوفہ گئے تھے، اس موقف میں گرچہ حسین رضی اللہ عنہ کے طرز عمل کو جہاد سے تعبیر نہیں کیا گیا لیکن بہر حال حسین رضی اللہ عنہ پر یہ الزام تو ہے ہی کہ انہوں نے حکومت وقت کے خلاف خروج کیا، اسلام کی اصطلاح میں اس عمل کو بغاوت کہا جاتا ہے لیکن چونکہ حسین رضی اللہ عنہ جیسی عظیم شخصیت سے اس عمل کا صدور ہوا تھا اس لئے یہاں بغاوت کے بجائے خروج کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ سے اجتہادی غلطی ہوئی۔

عرض ہے کہ یہ دونوں باتیں سرے سے ثابت ہی نہیں تفصیل ملاحظہ ہو:

### ☆ ۱۱۔ باطل حکومت کے خلاف جہاد

بعض حضرات کا خیال ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ یزید کو ظالم و جابر حاکم سمجھتے تھے اور اس کے خلاف جہاد کرنا ضروری سمجھتے تھے اس لئے، آپ نے دینی فریضہ سمجھتے ہوئے یزید کے خلاف جہاد کا علم بلند کیا اور شہادت سے سرفراز ہوئے۔

عرض ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ کا اقدام، جہاد کی نیت سے قطعاً نہیں تھا اس کے درج ذیل دلائل ہیں:

**پہلی دلیل:-** حسین رضی اللہ عنہ جب اس سفر کے لئے نکلے صحابہ میں سے کسی نے بھی ان کا ساتھ نہ دیا۔

**دوسری دلیل:-** نہ صرف یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کا ساتھ نہیں دیا بلکہ اس

کے برعکس آپ کو اس اقدام سے منع کیا، اگر یہ جہاد ہوتا صحابہ کرام کبھی بھی حسین رضی اللہ عنہ کو اس عظیم کام سے منع نہیں کر سکتے تھے۔

**تیسری دلیل:-** حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے اہل خانہ کے ساتھ سفر کوفہ پر نکلے اگر یہ جہاد ہوتا تو آپ رضی اللہ عنہ اپنے اہل خانہ کو ساتھ نہ لیتے۔

**چوتھی دلیل:-** راستے میں مسلم بن عقیل کی خبر سن کر واپسی کا ارادہ کیا، اگر جہاد کی نیت سے نکلے ہوتے تو واپسی کا گمان تک نہ کرتے، جہاد سے واپس ہونا کبیرہ گناہ ہے۔

**پانچویں دلیل:-** جب کوفی فوج نے آپ کو حراست میں لیا تو اس وقت آپ نے ایک پیشکش یہ کی کہ میں جہاں سے آیا ہوں وہاں واپس جانے دیا جائے، اور جہاد کے مقصد سے آئے ہوتے تو واپسی کی بات نہ کرتے کیونکہ جہاد سے واپس ہونا کبیرہ گناہ ہے۔

**چھٹی دلیل:-** کوفی فوج کی حراست میں آپ نے دوسری پیشکش یہ کی کہ مجھے کسی سرحد پر جہاد کے لئے بھیج دیا جائے، غور کرنے کی بات ہے کہ اگر خود حالت جہاد ہی میں تھے تو پھر کس جہاد کی آرزو کر رہے تھے۔

**ساتویں دلیل:-** کوفی فوج کی حراست میں آپ نے تیسری پیشکش یہ کی کہ انہیں امیر المؤمنین یزید کے پاس جانے دیا جائے تاکہ وہ یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دیں، اگر آپ جہاد کی نیت سے آئے ہوتے تو یزید کو امیر المؤمنین نہ کہتے اور اس سے بیعت کی بات خواب و خیال میں بھی نہ سوچتے۔

### ☆ ۲ حکومت وقت کے خلاف خروج

دوسری طرف کہا جاتا ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ اہل کوفہ کے خطوط سے دھوکہ کھا گئے اور یزید کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور باقاعدہ خلیفہ بننے کی غرض سے کوفہ روانہ ہوئے۔

عرض ہے کہ یہ الزام بھی کوئی معمولی الزام نہیں ہے اور چونکہ کسی بھی صحیح روایت سے



حسین رضی اللہ عنہ کا یہ موقف ثابت نہیں ہوتا اس لئے حسین رضی اللہ عنہ پر خروج کا الزام بھی قابل قبول نہیں ہے، نیز درج ذیل دلائل بھی بتلاتے ہیں کہ حسین رضی اللہ عنہ سے خلیفہ وقت کے خلاف خروج کا عمل بھی صادر نہیں ہو سکتا:

**پہلی دلیل:-** حسین رضی اللہ عنہ کو پہلے ہی سے معلوم تھا کہ اہل کوفہ انہیں خطوط دے کر خلافت کے لئے نہیں بلا رہے ہیں بلکہ امت مسلمہ کے بیچ خونریزی پھیلانے کے لئے آپ کا استعمال کرنا چاہتے ہیں چنانچہ: امام ابن کثیر رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں:

كَانَ أَهْلُ الْكُوفَةِ يَكْتُبُونَ إِلَيْهِ يَدْعُونَهُ إِلَى الْخُرُوجِ إِلَيْهِمْ فِي خِلَافَةِ مُعَاوِيَةَ، كُلُّ ذَلِكَ يَأْبَى عَلَيْهِمْ، فَقَدِمَ مِنْهُمْ قَوْمٌ إِلَى مُحَمَّدِ بْنِ الْحَنَفِيَّةِ يَطْلُبُونَ إِلَيْهِ أَنْ يُخْرِجَ مَعَهُمْ فَأَبَى، وَجَاءَ إِلَى الْحُسَيْنِ يَعْرِضُ عَلَيْهِ أَمْرَهُمْ، فَقَالَ لَهُ الْحُسَيْنُ: إِنَّ الْقَوْمَ إِنَّمَا يُرِيدُونَ أَنْ يَأْكُلُوا بَنَاءً، وَيَسْتَطِيلُوا بَنَاءً، وَيَسْتَنْبِطُوا دِمَاءَ النَّاسِ وَدِمَاءَنَا، فَأَقَامَ حُسَيْنٌ عَلَى مَا هُوَ عَلَيْهِ مِنَ الْهَمُومِ، مَرَّةً يُرِيدُ أَنْ يَسِيرَ إِلَيْهِمْ، وَمَرَّةً يَجْمَعُ الْإِقَامَةَ عَنْهُمْ

معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کے دور میں اہل کوفہ حسین رضی اللہ عنہ کی طرف خطوط بھیجتے تھے اور انہیں اپنے پاس آنے کی مسلسل دعوت دیتے، لیکن حسین رضی اللہ عنہ ہر بار انکار کرتے رہے، پھر کچھ کوئی حسین رضی اللہ عنہ کے بھائی محمد بن حنفیہ کے پاس آئے اور مطالبہ کیا کہ وہ ان کے ساتھ چلیں لیکن انہوں نے بھی صاف انکار کر دیا اور حسین رضی اللہ عنہ کے سامنے آ کر ان کی اس پیشکش کے بارے میں بتلایا تو حسین رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ کوئی لوگ درحقیقت ہمیں اپنے مفاد کے لئے استعمال کرنا چاہتے ہیں، نیز وہ ہمارا استعمال کر کے سرکشی اور امت مسلمہ کے بیچ خونریزی پھیلانا اور خود ہمارا بھی خون بہانا چاہتے ہیں، یہ سب دیکھ کر حسین رضی اللہ عنہ فکر مند ہو گئے کبھی سوچتے کہ (اس فتنہ کو ختم کرنے کے لئے) ان کے پاس

جا (کر کچھ کر) نا چاہئے اور کبھی سوچتے کہ جہاں ہیں وہیں رہنا چاہئے [البیہ دایۃ و النہایۃ: ۸/ ۱۷۴]۔

حسین رضی اللہ عنہ کے ان الفاظ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ اہل کوفہ کی دعوت کے پیچھے ان کی چھپی ہوئی سازش کو بہت اچھی طرح سمجھ چکے تھے ان حالات میں یہ ناممکن ہے کہ خلافت کی امید لے کر آپ کوفہ جائیں۔

دوسری دلیل:- جب حسین رضی اللہ عنہ کوفہ جانے کی تیاری کر رہے تھے تو یہ خبر یزید کو بھی معلوم ہوئی تو یزید نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ جانے سے روکیں۔ تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جواب یزید کو لکھا اور انہیں آگاہ کیا کہ حسین رضی اللہ عنہ کا خروج آپ کے خلاف نہیں ہے، وہ کوفہ جا کر ایسا کوئی کام نہیں کریں جو آپ کو ناپسند ہو، اور میں انہیں ایسے کام کی وصیت کروں گا جس سے امت میں اتحاد قائم ہو اور فتنہ کی آگ بجھ جائے (حوالہ گذر چکا ہے دیکھئے: ص ۴۱)۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ جواب اس بارے میں بالکل صریح ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ کوفہ یزید کی مخالفت میں نہیں گئے تھے۔

تیسری دلیل:- علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

و کذلک الحسن کان دائماً یشیر علی أخیہ وأخیہ بترک القتال ولما صار الأمر إلیہ ترک القتال وأصلح اللہ بہ بین الطائفتین المقتلتین وعلی رضی اللہ عنہ فی اخر الأمر تبیین له أن المصلحة فی ترک القتال أعظم منها فی فعلہ

حسن رضی اللہ عنہ ہمیشہ اپنے والد اور بھائی کو ترک قتال کا مشورہ دیتے رہے اور جب معاملہ ان کے ہاتھ میں آیا تو اللہ نے ان کے ذریعہ مسلمانوں کی دو عظیم جماعت میں صلح

کرادی، اور علی رضی اللہ عنہ پر بھی بعد میں یہ حقیقت واضح ہو گئی تھی کہ قتال کرنے کی بنسبت ترک قتال ہی زیادہ بہتر تھا [منہاج السنۃ النبویہ: ۴/۵۳۵]۔

غور کریں کہ حسن رضی اللہ عنہ کے جس مشورہ کو ان کے والد محترم علی رضی اللہ عنہ صحیح تسلیم کر چکے، مزید واقعات نے اس کی تصدیق بھی کر دی تھی، کیونکر ممکن ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ اپنے خاندان کی نصیحتوں کو بالائے طاق رکھ دیں۔

**چوتھی دلیل:-** حسین رضی اللہ عنہ کے والد علی رضی اللہ عنہ جب تک زندہ رہے مسلمان آپس میں لڑتے رہے لیکن جب علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حسن رضی اللہ عنہ خلافت سے دست بردار ہو گئے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو اس سے پورے عالم اسلام میں امن وامان قائم ہو گیا، اب جو امن بڑی مشکل سے قائم ہوا تھا اور حسن رضی اللہ عنہ نے جس کے لئے عظیم قربانی پیش کی تھی، کیونکر ممکن ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ تمام تجربات و مشاہدات سے آنکھیں بند کر لیں اور ایسا اقدام کریں جس سے دوبارہ امت میں جنگ و جدال شروع ہو جائے؟؟؟

**پانچویں دلیل:-** صحیح سند سے ثابت ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ کربلا میں یزید کے پاس جانے کی خواہش کر رہے تھے بلکہ اللہ کا واسطہ دے کر مطالبہ کر رہے تھے کہ انہیں یزید کے پاس جانے دیا جائے:

امام احمد بن حنبل، البیہاقی، البیہاقی (المتوفی ۲۵۹) نے کہا:

حدثنا سعدويه، حدثنا عباد بن العوام، حَدَّثَنِي حُصَيْنٌ، حَدَّثَنِي هَالَلُ بْنُ إِسَافٍ قَالَ: أَمَرَ ابْنُ زِيَادٍ فَأَخَذَ مَا بَيْنَ وَاقِصَّةٍ، إِلَى طَرِيقِ الشَّامِ إِلَى طَرِيقِ الْبَصْرَةِ، فَلَا يَتْرَكَ أَحَدٌ يَلْجُ وَلَا يَخْرُجُ، فَاَنْطَلَقَ الْحُسَيْنُ يَسِيرُ نَحْوَ طَرِيقِ الشَّامِ يَرِيدُ يَزِيدَ بْنَ مُعَاوِيَةَ فَتَلَقَّاهُ الْخِيُولُ فَنَزَلَ كَرْبَلَاءَ، وَكَانَ فِيْهِمْ بَعْثُ

إِلَيْهِ عَمْرُ بْنُ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَاصٍ، وَشُمَيْرُ بْنُ ذِي الْجَوْشَنِ، وَحَصِينُ بْنُ نَمِيرٍ، فَنَاشَدَهُمُ الْحُسَيْنُ أَنْ يَسِيرُوا إِلَيْهِ يَزِيدُ فَيَضَعُ يَدَهُ فِي يَدِهِ

عبید اللہ بن زیاد نے حکم دیا کہ واقعہ اور شام و بصرہ کے بیچ پہرہ لگا دیا جائے اور کسی کو بھی آنے جانے سے روک دیا جائے، چنانچہ حسین رضی اللہ عنہ یزید بن معاویہ سے ملنے کے لئے شام کی طرف چل پڑے، پھر راستہ میں گھوڑ سواروں نے انہیں روک لیا اور وہ کربلا میں رک گئے، ان گھوڑ سواروں میں عمر بن سعد بن ابی وقاص، شمر بن ذی الجوشن اور حصین بن نمیر تھے، حسین رضی اللہ عنہ نے ان سے التجا کی کہ انہیں یزید بن معاویہ کے پاس لے چلیں تاکہ وہ یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دیں [أنساب الأشراف للبلاذری: ۱۷۳/۳ و اسنادہ صحیح علی شرط مسلم، سعدویہ ہو سعید بن سلیمان الضبی، تاریخ الطبری: ۲۹۹/۳ و اسنادہ صحیح نیز دیکھیں: حادثہ کربلا و یزید صرف صحیح روایات کی روشنی میں]۔

غور طلب بات یہ ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ یزید کے پاس کیوں جانا چاہتے تھے؟ اگر آپ یزید کی مخالفت میں مکہ سے نکلے تھے تو آخر کیا منہ لے کر یزید کے پاس جانا چاہتے تھے؟؟؟ اور یزید کی بیعت کے لئے یزید کے پاس جانا ضروری تو نہ تھا، یزید سے دور رہ کر بھی تو یزید کی بیعت ہو سکتی تھی جیسا کہ دیگر علاقے کے لوگوں نے کیا پھر بھی آپ نے یزید کے پاس جانے کی کیوں کوشش کی؟؟

یہ صرف اور صرف اس لئے تاکہ یزید سے براہ راست بیعت ہو جانے کے بعد کسی کو شکوک و شبہات پھیلانے کا موقع نہ ملے نیز اہل کوفہ کی سازش سے بھی یزید کو باخبر کر دیا جائے، اسی لئے حسین رضی اللہ عنہ اہل کوفہ کے خطوط ساتھ لئے جا رہے تھے اگر حسین رضی اللہ عنہ یزید کے خلاف نکلے ہوتے تھے تو حکومت کے ساتھ اس درجہ تعاون کی فکر نہ کرتے۔

الغرض یہ کہ حسین رضی اللہ عنہ پر لگائے گئے یہ دونوں الزامات بے بنیاد ہیں اور صحیح

بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ نے پر امن مقاصد ہی کے لئے کوفہ کا سفر کیا تھا۔

### ج: عبید اللہ بن زیاد

شہادت حسین کے سلسلے میں ابن زیاد پر کچھ کم الزام نہیں ہے بلکہ اس کا نام لیتے وقت بدنہاد کا قافیہ جوڑنا ضروری سمجھا جاتا ہے، ذیل میں ہم ان چیزوں کی وضاحت کرتے ہیں جن کے سبب ابن زیاد کی شخصیت پر کافی کینچڑ اچھالا گیا ہے۔

☆ احسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ ابن زیاد کا سخت گیر حاکمانہ رویہ:

کہا جاتا ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ نے جب یزید کے پاس جانے کی خواہش ظاہر کی تو ابن زیاد نے یہ شرط لگا دی کہ حسین رضی اللہ عنہ پہلے میری بیعت کریں پھر یزید کے پاس جانے کی اجازت ملے گی، اس پر حسین رضی اللہ عنہ تیار نہ ہوئے جس پر لڑائی چھڑ گئی اور نتیجہ میں یہ حادثہ پیش آیا۔

اس بات کو بیان کرنے والا ابو مخنف ہے جو کذاب اور رافضی ہے، اور اسی کذاب نے پہلے یہ بیان کیا کہ عبید اللہ بن زیاد نے جب حسین رضی اللہ عنہ کے مطالبے پڑھے تو اس نے منظور کر لیا اور یزید کے پاس جانے کی اجازت دے دی، چنانچہ یہ ناقل ہے:

فلما قرأ عبید اللہ الکتاب قال: هَذَا كِتَابُ رَجُلٍ نَاصِحٍ لِّأَمِيرِهِ، مَشْفِقٍ عَلٰی

قَوْمِهِ، نَعَمْ قَدْ قَبِلْتُ

عبید اللہ بن زیاد، حسین رضی اللہ عنہ کا خط پڑھ کر پکارا اٹھا کہ یہ تو ایسے شخص کا خط ہے جو اپنے خلیفہ کا خیر خواہ ہے اور اپنی قوم پر شفقت ہے، مجھے حسین رضی اللہ عنہ کی بات منظور ہے [تاریخ الطبری: ۴۱۵/۵]۔۔

اس کے بعد ابو مخنف کہتا ہے کہ عبید اللہ بن زیاد کی منظوری کے بعد شمر بن ذی الجوشن

نے اسے بہکایا جس کے بعد ابن زیاد نے یہ فیصلہ بدل دیا۔

عرض ہے کہ عبید اللہ بن زیاد ایک مدبر حکمران تھا کوئی بچہ تو نہیں تھا کہ شمر کے بہکانے سے بہک جائے، نیز شمر بن ذی الجوشن رضی اللہ عنہ کے رشتہ میں آتا ہے اور جنگ صفین میں یہ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا [سفینۃ النجاة لعباس القمی الجزء: ۴/ ۹۲] پھر کیونکر ممکن ہے کہ اس قرابت اور رشتہ داری کے باوجود شمر بن ذی الجوشن نے حسین رضی اللہ عنہ کے خلاف ابن زیاد کو بھڑکایا، مزید یہ کہ شمر بن ذی الجوشن اور حسین رضی اللہ عنہ کے بیچ کسی دشمنی کا کوئی ادنیٰ سراغ بھی کتب تاریخ میں نہیں ملتا حتیٰ کہ کسی موضوع روایت میں بھی نہیں پھر کیا وجہ تھی شمر بن ذی الجوشن حسین رضی اللہ عنہ کے خلاف ابن زیاد کو بہکائے؟؟؟

صاف معلوم ہوتا کہ سچائی صرف اتنی ہے کہ عبید اللہ بن زیاد نے منظوری دے دی تھی اور حسین رضی اللہ عنہ شام کی طرف یزید کے پاس روانہ ہونے والے تھے لیکن کوفی سبائیوں نے رکاوٹ کھڑی کر دی اور حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کر ڈالا، اب اس جرم پر پردہ ڈالنے کے لئے ابو مخنف کذاب نے یہ جھوٹ گھڑا کہ شمر بن ذی الجوشن کے کہنے پر ابن زیاد نے اپنی بات بدل دی، تاکہ الزام اہل کوفہ پر نہ آئے۔

یاد رہے کہ سچ میں جھوٹ کو اس باریکی سے ملانا کہ بات کچھ سے کچھ ہو جائے کذابوں اور کوفیوں نے یہ کام صرف تاریخی روایات ہی کے ساتھ نہیں کیا بلکہ احادیث میں بھی انہوں نے ایسی ہی پیوند کاری کی ہے، چنانچہ مشہور صحیح حدیث ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شام اور یمن کے لئے دعاء کی، پھر عراق کے لئے بھی دعا کی درخواست کی گئی تو فرمایا: وہاں تو فتنے ہوں گے، سچی روایت یہیں پر ختم ہو جاتی ہے لیکن جھوٹے راویوں نے اس صحیح روایت میں یہ اضافہ بھی کر دیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ فرمان کے بعد ایک شخص رونا لگا تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کیا تم عراق سے ہو تو اس

نے کہا ہاں اس کے بعد اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إن أباي إبراهيم عليه السلام هم أن يدعو عليهم فأوحى الله تعالى إليه لا تفعل، فإني جعلت خزائن علمي فيهم، وأسكنت الرحمة قلوبهم

بے شک میرے والد ابراہیم علیہ السلام نے ارادہ کیا کہ اہل عراق پر بددعا کریں تو اللہ تعالیٰ نے ان کی جانب وحی کی کہ آپ ایسا نہ کریں کیونکہ میں نے اپنے علم کے خزانے اہل عراق میں رکھے ہیں اور ان کے دلوں میں اپنی رحمت ڈال دی ہے [تاریخ بغداد، ۱/۵۲]۔

غور فرمائیں ایک صحیح حدیث میں اس پیوند کاری سے بات کیا سے کیا ہوگئی، جب لوگ حدیث میں اس طرح کی پیوند کاری کر سکتے ہیں تو تاریخ میں ان کے لئے کیا مشکل ہے۔

الغرض یہ کہ عقلاً اور نقلاً کسی طرح بھی یہ بات قابل قبول نہیں ہو سکتی، گرچہ حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ نے بھی اس چیز کو بلا تعاقب کے ذکر کر دیا ہے لکھتے ہیں:

”عمر بن سعد نے یہ مطالبے (حسین کی سہ رخی پیشکش) ابن زیاد کو لکھ کر بھیج دئے تاکہ وہ ان کی منظوری دے دے، لیکن اس نے سخت رویہ اختیار کیا اور کہا کہ وہ پہلے یہاں میری بیعت کریں تب میں انہیں یزید کے پاس جانے کی اجازت دوں گا، حضرت حسین کی طبع غیور نے اس بات کو پسند نہیں کیا اور فرمایا: ”لا یکون ذلک ابدا“ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا اس کے نتیجے میں وہ جنگ شروع ہوگئی“۔ [رسومات محرم الحرام ص ۱۰۸]۔

حالانکہ ابن زیاد کی طرف منسوب یہ سخت گیر رویہ یکسر غلط اور غیر ثابت شدہ ہے اور بات صرف ابن زیاد ہی کی نہیں بلکہ اس چیز کو تسلیم کر لینے سے خود حسین رضی اللہ عنہ کی شخصیت پر بھی داغ لگتا ہے کہ انہوں نے خواہ مخواہ ضد کی بلکہ یہی ضد اس حادثہ کا سبب قرار پاتی ہے جیسا کہ خود حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ نے مذکورہ چیز نقل کرنے کے بعد اس بات کا احساس کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

”حضرت حسین کا ابن زیاد کے انتظامی حکم کے مقابلے میں اپنی عزت نفس اور وقار کو عزیز تر رکھنا، حالانکہ اگر وہ موقع کی نزاکت اور حالات کی خطرناکی کے پیش نظر تھوڑی سی چلک اختیار کر لیتے تو شاید اس المیے سے بچنا ممکن ہو جاتا“۔ [رسومات محرم الحرام: ص ۱۰۹]۔

غور کیجئے کہ وہ حسین رضی اللہ عنہ جو کوفہ کے پرخطر حالات جان کر واپسی پر آمادہ ہو گئے اور کربلا میں صاف کہہ دیا کہ میں یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دینے کے لئے تیار ہوں، آخر ان کے بارے میں یہ کیسے یقین کر لیں کہ انہوں نے محض اپنی ضد اور انا کی خاطر خود اپنی اور اپنے اہل و عیال اور دیگر مسلمین کی خونریزی کا سامان مہیا کر دیا ہو۔

یہ بات حسین رضی اللہ عنہ کے مجموعی طرز عمل سے قطعاً مناسبت نہیں رکھتی اور نہ ہی سنداً لائق اعتبار ہے اس لئے ہرگز قابل قبول نہیں ہو سکتی، لہذا نہ تو حسین رضی اللہ عنہ نے ایسی کوئی ضد کی اور نہ ہی ابن زیاد نے ان کے ساتھ ایسا کوئی سخت گیر رویہ اختیار کیا ہے، بلکہ قرین قیاس یہی ہے کہ ابن زیاد نے حسین رضی اللہ عنہ کی شرط مان لی تھی جیسا کہ ابو مخنف نے اعتراف کیا ہے، لیکن ابو مخنف نے بعد میں عدم منظوری کی بات اپنی طرف سے وضع کر لی ہے۔

## ☆ ۲۱ ابن زیاد کے پاس حسین رضی اللہ عنہ کے سر مبارک کا لایا جانا:

اس پہلو سے ابن زیاد پر کوئی الزام عائد نہیں ہو سکتا کیونکہ ابن زیاد نے تو ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا، ورنہ اگر یہی فلسفہ بروئے کار لایا جائے تو یہی معاملہ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی ہوا، چنانچہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جو جلیل القدر صحابی ہیں، ان کے والد محترم اور جنت کی بشارت یافتہ عظیم المرتبت صحابی زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو قتل کیا گیا اور قاتل ان کے سر کو لے کر علی رضی اللہ عنہ کے دروازے پر حاضر ہوا، چنانچہ:



امام ابن سعد رحمہ اللہ (المتوفی ۲۳۰) نے کہا:

أَخْبَرَنَا الْفَضْلُ بْنُ دُكَيْنٍ قَالَ أَخْبَرَنَا عِمْرَانُ بْنُ زَائِدَةَ بْنُ نَشِيطٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ أَبِي خَالِدٍ يَعْنِي الْوَالِيَّ قَالَ: دَعَا الْأَخْنَفُ بَنِي تَمِيمٍ فَلَمْ يُجِيبُوهُ ، ثُمَّ دَعَا بَنِي سَعْدٍ فَلَمْ يُجِيبُوهُ ، فَأَعْتَزَلَ فِي رَهْطٍ ، فَمَرَّ الزُّبَيْرُ عَلَى فَرَسٍ لَهُ يُقَالُ لَهُ: ذُو النُّعَالِ ، فَقَالَ الْأَخْنَفُ: هَذَا الَّذِي كَانَ يُفْسِدُ بَيْنَ النَّاسِ ، قَالَ: فَاتَّبَعَهُ رَجُلَانِ مِمَّنْ كَانَ مَعَهُ فَحَمَلَ عَلَيْهِ أَحَدُهُمَا فَطَعَنَهُ ، وَحَمَلَ عَلَيْهِ الْآخَرُ فَقَتَلَهُ ، وَجَاءَ بِرَأْسِهِ إِلَى الْبَابِ فَقَالَ: انْذِنُوا لِقَاتِلِ الزُّبَيْرِ ، فَسَمِعَهُ عَلَى فَقَالَ: بَشِّرْ قَاتِلَ ابْنِ صَفِيَّةٍ بِالنَّارِ ، فَأَلْقَاهُ وَذَهَبَ .

ابو خالد الوابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اخنف نے بنو تميم کو دعوت دی مگر انہوں نے قبول نہ کی، پھر اس نے بنو سعد کو دعوت دی انہوں نے بھی قبول نہ کی، پس ایک دن زبیر رضی اللہ عنہ اپنے ایک گھوڑے پر جا رہے تھے جس کا نام ذوالنعال تھا، تو اخنف نے کہا: یہی وہ شخص ہے جو لوگوں کے مابین فساد برپا کرتا ہے، راوی کہتے ہیں کہ پھر اخنف کے ساتھیوں میں سے دو لوگوں نے ان کا پیچھا کیا پھر ایک نے ان پر حملہ کر کے انہیں زخمی کر دیا اور دوسرے نے حملہ کر کے انہیں قتل کر ڈالا۔ اس کے بعد اخنف زبیر رضی اللہ عنہ کا سر لے کر علی رضی اللہ عنہ کے دروازے پر پہنچا اور کہا: زبیر کے قاتل کو (اندر آنے کی) اجازت دیں، علی رضی اللہ عنہ نے یہ بات سن لی اور کہا: ابن صفیہ کے قاتل کو دوزخ کی بشارت دے دو، پھر اخنف نے زبیر رضی اللہ عنہ کے سر کو وہیں پھینکا اور چلا گیا [الطبقات لابن سعد: ۱۱۰/۳ و اسنادہ صحیح ، و اخرجه ايضا ابن عساكر من طريق ابن سعد به وله طرق اخرى ، نیز دیکھیں میری کتاب: حادثہ کر بلا و بیزید صرف صحیح روایات کی روشنی میں]۔

اس روایت کی سند بالکل صحیح ہے اس کے تمام کے تمام رجال ثقہ ہیں۔

☆ ۳۱ ابن زیاد کا حسین رضی اللہ عنہ کے سر مبارک کی بے حرمتی:

خوبصورتی کی مذمت:-

بخاری کے الفاظ ہیں:

وَقَالَ فِي حُسْنِهِ شَيْئًا

اس نے آپ کی خوبصورتی کے بارے میں کچھ کہا [بخاری رقم ۳۷۴۸]۔

ان الفاظ سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس نے آپ کی خوبصورتی کی تعریف کی تھی،

چنانچہ علامہ البانی رحمہ اللہ بخاری کے ان الفاظ کی شرح میں فرماتے ہیں:

ای من المدح

ابن زیاد نے آپ کی خوبصورتی کے بارے میں تعریفی کلمات کہے [ہمدانیہ

الرواة: ۵/۶۱، حاشیہ رقم ۲]۔

اور اس روایت کے اخیر میں جو یہ الفاظ ہیں:

كَانَ أَشْبَهُهُمْ بِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حسین رضی اللہ عنہ لوگوں میں آپ ﷺ کے سب سے زیادہ مشابہ تھے [بخاری رقم

۳۷۴۸]۔

اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ ابن زیاد نے خوبصورتی کی تعریف ہی کی تھی، جیسی تو صحابی

رسول نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی مشابہت ذکر کر کے اس کی تائید کی۔

اور بعض روایات میں تو بالکل صراحت ہے کہ ابن زیاد نے اس موقع پر خوبصورتی کی

تعریف ہی کی تھی، چنانچہ ابن حبان میں منقول اسی روایت کے الفاظ ہیں:

مَا رَأَيْتُ مِثْلَ هَذَا حُسْنًا!

میں نے اس جیسی خوبصورتی کہیں نہیں دیکھی [صحیح ابن حبان: ۴۲۹/۱۵]۔

اور ترمذی کے الفاظ ہیں:

مَا رَأَيْتُ مِثْلَ هَذَا حُسْنًا، لِمَ يُذَكَّرُ؟

میں نے اس جیسی خوبصورتی کہیں نہیں دیکھی پھر آپ کا ذکر (شر) کیوں کیا

جاتا ہے [ترمذی ۳۷۷۸]۔

ان تمام روایات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ابن زیاد نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی خوبصورتی کی تعریف ہی کی تھی۔

چہرے پر چھڑی مارنا:-

بخاری کے الفاظ ہیں:

فَجَعَلَ يَنْكُتُ

وہ لکڑی سے زمین کریدنے لگا [صحیح البخاری: رقم ۳۷۴۸]۔

”ینکت“ کا معنی ہوتا ہے رنج و غم کی حالت میں سوچ میں پڑ کر باریک اور چھوٹی لکڑی یا انگلی سے زمین کریدنا۔

اہل عرب کا معمول تھا کہ وہ رنج و غم کی حالت میں ایسا کرتے تھے۔

امام ابن الاثیر رحمہ اللہ (المتوفی ۶۰۶) نے کہا:

وَنَكْتُ الْأَرْضَ بِالْقَضِيبِ، وَهُوَ أَنْ يُؤْثَرَ فِيهَا بَطْرَفُهُ، فَعَلَ الْمُفَكِّرُ الْمَهْمُومَ، وَمِنْهُ الْحَدِيثُ فَجَعَلَ يَنْكُتُ بِقَضِيبٍ أَيْ يَضْرِبُ الْأَرْضَ بَطْرَفِهِ . وَحَدِيثُ عُمَرَ دَخَلَتِ الْمَسْجِدَ فَإِذَا النَّاسُ يَنْكُتُونَ بِالْحَصَى أَيْ يَضْرِبُونَ بِهِ الْأَرْضَ

”نَكْتُ الْأَرْضَ بِالْقَضِيبِ“ (لکڑی سے زمین کریدنے) کا مطلب یہ ہے کہ کوئی

لکڑی کے ایک سرے سے زمین کریدے، جیسے رنج و غم کی حالت میں سوچ میں پڑ کر کوئی

کرتا ہے۔ اور اسی مفہوم میں حدیث کے الفاظ ہیں ”فَجَعَلَ يَنْكُثُ بِقَضِيبٍ“ (( لکڑی سے زمین کریدنے لگا) یعنی لکڑی کے ایک سرے سے زمین پر مارنے لگا۔ [النهاية في غريب الحديث والأثر: ۱۱۳/۵ وانظر لسان العرب: ۲/۲۰۰]۔

امام بخاری نے صحیح بخاری میں باب قائم کیا ہے:

بَابُ الرَّجُلِ يَنْكُثُ الشَّيْءَ بِيَدِهِ فِي الْأَرْضِ

یعنی اس بات کا بیان کہ آدمی کسی چیز سے زمین کریدے [صحیح البخاری ۴۸/۸]۔

پھر اس کے تحت ایک جنازہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شرکت سے متعلق حدیث ہے اور یہ غم کا موقع ہوتا ہے اس میں ہے:

فَجَعَلَ يَنْكُثُ الْأَرْضَ بِعُودٍ

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم لکڑی سے زمین کو کریدنے لگے [صحیح البخاری ۴۸/۸]۔ معلوم ہوا کہ اہل عرب کے یہاں ”ینکت“ کا عمل سوچ اور غم کے وقت ہوتا تھا، اور شہادت حسین اور حسین رضی اللہ عنہ کے سر کے مشاہدہ سے ابن زیاد بھی سوچ اور غم میں پڑ گیا اور اس سے بھی اسی طرح کا عمل ہوا یعنی وہ کسی چھوٹی اور باریک لکڑی سے زمین کرید رہا تھا۔

چنانچہ علامہ یعنی رحمہ اللہ (المتوفی ۸۵۵ھ) نے اس جملہ کی شرح کرتے ہوئے کہا:

قَوْلُهُ: (فَجَعَلَ يَنْكُثُ) أَي: فَجَعَلَ عَبِيدَ اللَّهِ بْنِ زِيَادٍ يَنْكُثُ أَي: يَضْرِبُ

بِقَضِيبٍ عَلَى الْأَرْضِ فَيُؤْثِرُ فِيهَا

بخاری کی حدیث میں (کریدنے لگا) کا مطلب یہ ہے کہ عبید اللہ بن زیاد ایک لکڑی کو

زمین پر رکھ کر کریدنے لگا [عمدة القاری شرح صحیح البخاری: ۱۶/۲۴۱]۔

پھر جب حسین ؑ کی خوبصورتی کو اس نے بغور دیکھا تو تعریف کئے بغیر نہ رہ سکا اور

تعریف کرتے ہوئے اس نے اسی لکڑی سے جس سے زمین کرید رہا تھا حسین ؑ کے چہرے کی طرف اشارہ کیا جیسا کہ دیگر روایات میں ہے اور آپ کی خوبصورتی کی تعریف کی۔

یادر ہے کہ کسی بھی صحیح روایت میں یہ صراحت نہیں ہے کہ ابن زیاد کا یہ عمل حسین ؑ کے سر کے ساتھ مباشرت تھا بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ اس نے دور سے اس لکڑی کے ذریعہ فقط اشارہ کیا تھا، اس کی دلیل یہ ہے کہ بخاری سمیت متعدد روایات میں صرف ”ینکت“ یعنی ”کریدنے“ کا ذکر ہے، اور عربی زبان میں عام طور سے اس سے زمین کریدنا ہی مراد ہوتا ہے اور بعض روایات میں اس کے ساتھ اضافہ بھی ہے مگر کسی میں ”آنکھ“ کا ذکر ہے کسی میں ”ناک“ کا ذکر ہے کسی میں ”ہونٹ“ کا ذکر ہے اور کسی میں ”دانت“ کا ذکر ہے۔

یہ اختلاف بتلاتا ہے کہ کریدنے کا عمل زمین کے ساتھ تھا اور چہرے کی طرف فقط اشارہ کیا گیا تھا جسے بعض رواۃ نے ”آنکھ“ بعض نے ”ناک“ بعض نے ”ہونٹ“ اور بعض نے ”دانت“ کے ساتھ ذکر کیا۔

اور بعض روایات میں اشارہ کی صراحت بھی ہے چنانچہ ترمذی کے الفاظ ہیں:

فَجَعَلَ يَقُولُ بِقَضِيبٍ فِي أَنْفِهِ

یعنی وہ آپ کی ناک کی طرف لکڑی کے اشارہ سے کہنے لگا [ترمذی ۳۷۷۸]۔

علامہ مبارکپوری ترمذی کے اس جملہ کی شرح میں لکھتے ہیں:

(فَجَعَلَ يَقُولُ) أَيْ فَجَعَلَ (عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ زِيَادٍ يُشِيرُ بِقَضِيبٍ)

یعنی وہ آپ کی ناک کی طرف لکڑی کے اشارہ سے کچھ کہنے لگا [\_\_\_\_\_ فہ]

الأحوذی: ۱۰/۱۹۲]۔

جناب عتیق الرحمن سنہجلی صاحب لکھتے ہیں:

”جب ایک روایت ٹھوکا دینے کے بجائے اشارہ کرنے کی موجود ہے تو کم

از کم شک کا فائدہ ابن زیاد کو پہنچنے سے ہم نہیں روک سکتے، [واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر: ص ۲۶۲]۔

اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ عبید اللہ بن زیاد کے اس طرز عمل پر صحابی رسول انسؓ نے کوئی نکیر نہیں کی بلکہ عبید اللہ کی طرف سے مدح حسن کی تائید کی، اور عبید اللہ بن زیاد نے گستاخانہ طور پر ایسی کوئی حرکت کی ہوتی تو دس سال تک آپ ﷺ خدمت کرنے والے انس رضی اللہ عنہ ضرور نکیر کرتے۔

یاد رہے کہ فتح الباری وغیرہ میں طبرانی و بزار کے حوالے سے نکیر کی جو روایت منقول ہے وہ سخت ضعیف ہے، اسی طرح ابن زیاد سے متعلق یہ روایت کہ اس کی موت پر اس کے سر میں بھی سانپ داخل ہوا یہ بھی ضعیف و مردود ہے اس میں اعمش مدلس ہے اور روایت عن سے ہے [مزید تفصیل کے لئے دیکھیں: حادثہ کربلا و یزید صرف صحیح روایات کی روشنی میں]۔

لہذا قرین انصاف بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ ابن زیاد نے کوئی گستاخی ہرگز نہیں کی ہوگی اور احترام ہی سے پیش آیا ہوگا۔

بلکہ ایک صحیح روایت کے مطابق تو عبید اللہ بن زیاد نے اس موقع پر حسینؓ کی کنیت

سے یاد کیا [تاریخ الطبری: ۵/۳۹۳ ت محمد ابو الفضل و اسنادہ صحیح۔ أنساب الأشراف للبلاذری: ۳/۲۶۲ و اسنادہ صحیح] اور اہل عرب ازراہ تعظیم کنیت سے یاد کیا کرتے تھے چنانچہ اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے جناب عتیق الرحمن سنبللی صاحب لکھتے ہیں:

”اس روایت میں سب باتیں خود سمجھ لینے کی ہیں، مگر ایک نقطہ عام قارئین کے اعتبار سے وضاحت طلب ہے کہ اہل عرب کے یہاں کنیت سے کسی کا ذکر یا اس کو خطاب ازراہ تعظیم ہوتا تھا، اس روایت کے مطابق ابن زیاد نے حضرت حسین کا ذکر آپ کی کنیت ابو عبد اللہ سے کیا ہے اور چھڑی سے کہیں ٹھوکا نہیں دیا ہے بلکہ اشارہ کیا ہے، جو ابن زیاد کے رویے کو کافی مختلف شکل دینے والی بات ہے،“ [واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر: ص ۲۵۶]۔

اور اسی بلاذری کی صحیح روایت میں یہ بھی ہے کہ:

وأمر ببناتہ ونسائہ فکان أحسن ما صنع بهن أن أمر لهن بمنزل فی مکان معتزل فأجرى عليهن رزقا وأمر لهن بكسوة ونفقة. ولجأ ابنان لعبد الله بن جعفر إلى رجل من طيء فضرب أعناقهما وأتى ابن زياد براء وسهما! فهم (ابن زياد) بضرب عنقه وأمر بداره فهدمت.

یعنی حسین رضی اللہ عنہ کی ازواج ان کی بیٹیوں کے بارے میں ابن زیاد نے یہ حکم دیتے ہوئے سب سے اچھا کام کیا کہ ان کے قیام کے لئے ایک خاص اور الگ جگہ پر انتظام کیا اور ان کا کھانا پانی بھی وہیں پہنچانے کا حکم دیا اور ان کے کپڑے اور دیگر اخراجات فراہم کرنے کے بھی احکام دئے، اسی دوران ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ عبد اللہ بن جعفر کے دو بیٹوں نے بنو طے کے ایک شخص کے یہاں رکنے کا سوال کیا تو اس (ظالم) نے انہیں قتل کر دیا اور ان کے سر لا کر عبید اللہ بن زیاد کے سامنے پہونچا، یہ دیکھ عبید اللہ بن زیاد نے اس کے قتل کا ارادہ کر لیا اور اس کے گھر کو منہدم کروا دیا [تاریخ الطبری: ۵/۳۹۳ محمد ابوالفضل واسنادہ صحیح أنساب الأشراف للبلاذری: ۳/۲۲۶ واسنادہ صحیح]

اس روایت پر غور کیجئے کیا اس طرح کے کردار کا مالک شخص حسین رضی اللہ عنہ کی توہین کر سکتا ہے، جب ابن زیاد عبد اللہ بن جعفر کے بچوں کے قتل پر آگ بگولہ ہو گیا اور قاتل کو سزا دی اس کے گھر کو گروا دیا تو پھر یہی عبید اللہ بن زیاد حسین رضی اللہ عنہ کے قتل پر کوئی نازیبا حرکت کیسے کر سکتا ہے بلکہ ظن غالب ہے کہ جس شخص نے حسین رضی اللہ عنہ کا سر پیش کیا تھا اسے عبید اللہ بن زیاد نے ضرور قتل کیا ہوگا چنانچہ بعض روایات میں اس کی صراحت بھی ہے چنانچہ بعض روایات میں ہے:

حز رأسه وأتى به عبید الله وهو يقول: أوقر ركابی فضة وذهباً... أنا

قتلت الملك المحجبا ..... خیر عباد اللہ اُمّا و اُبا فقال له عبید اللہ بن زیاد : إذا كان خیر الناس اُمّا و اُبا وخیر عباد اللہ، فلم قتلته؟ قدّموه فاضربوا عنقه ! فضربت عنقه .

حسین ؑ کا قاتل آپ کا سر قلم کر کے عبید اللہ بن زیاد کے پاس پہونچا اور کہنے لگا : آج میں اپنی پیالی سونے چاندی سے بھریوں گا، آج میں نے چھپے ہوئے بادشاہ کا قتل کیا ہے جو ماں باپ کے اعتبار سے اللہ کے بندوں میں سب سے بہتر تھے، یہ سن کر عبید اللہ بن زیاد نے کہا : جب وہ اللہ کے تمام بندوں میں ماں باپ کے لحاظ سے سب سے بہتر تھے تو تو نے انہیں قتل کیوں کیا؟ اس کے بعد عبید اللہ بن زیاد نے حکم صادر کیا کہ اس کو آگے لے جا کر قتل کر دو، چنانچہ اس کی گردن مار دی گئی [العقد الفريد: ۵/۳۰، العواصم من القواصم: ۲۴۰، الصواعق المحرقة: ۵/۵۷۷، سبط النجوم: ۳/۳۸۵، مروج الذهب: ۳/۱۴۱]۔

علاوہ بریں عبد اللہ بن جعفر کے بیٹوں کے سر لانے والے کے ساتھ عبید اللہ بن زیاد نے جو کچھ کیا اسے دیکھ کر لگتا ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ کا سر لانے والے کو بھی عبید اللہ بن زیاد نے معاف نہ کیا ہوگا بلکہ اس کی گردن مروادی ہوگی جیسا کہ اس روایت میں ہے۔

شیخ عبد المعید مدنی حفظہ اللہ سابق ایڈیٹر مجلہ الاستقامہ (عربی) لکھتے ہیں :  
 ”اس وقت پورے عالم اسلام میں سبھی ان سے محبت کرتے تھے، والہانہ ان کو چاہتے تھے یزید، عبید اللہ بن زیاد، عمر بن سعد جن پر قتل کا شیعہ الزام آتا ہے وہ بھی ان کے ساتھ فی الواقع کسی گستاخی کے مرتکب نہیں ہوئے بلکہ عبید اللہ بن زیاد نے قاتل حسین رضی اللہ عنہ کی گردن مار دی“ [مجله الاحسان : جلد: ۱]۔

اس پوری تفصیل سے معلوم ہوا کہ عبید اللہ بن زیاد کا مذکورہ عمل از روئے گستاخی نہیں تھا بلکہ فکرو غم میں وہ لکڑی سے زمین کرید رہا تھا اور حسین رضی اللہ عنہ کے حسن کو دیکھ کر اس نے اسی لکڑی سے آپ کے چہرے کی طرف اشارہ کیا اور آپ کے حسن کی تعریف کی جس کی



تائید وہاں پر موجود انس رضی اللہ عنہ نے بھی کی۔

### د: عمر بن سعد بن ابی وقاص

بعض روایات میں عمر بن سعد بن ابی وقاص پر قتل حسین کا الزام ہے لیکن یہ بھی جھوٹ ہے، اس کا کوئی ثبوت نہیں۔

### ه: شمر بن ذی الجوشن

شمر پر الزام ہے کہ اس نے عبید اللہ بن زیاد کو بھڑکایا جس کے نتیجہ شہادت کا واقعہ پیش آیا لیکن یہ بات جھوٹ ہے جیسا کہ گذشتہ سطور میں وضاحت کی جا چکی ہے۔



## باب سوم: سیرت یزید بن معاویہ

### فصل اول: یزید کے مناقب

#### الف: آیات قرآنی کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿قُلِ اللَّهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾

آپ کہہ دیجئے اے اللہ! اے تمام جہان کے مالک! تو جسے چاہے بادشاہی دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور تو جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے، تیرے ہی ہاتھ میں سب بھلائیاں ہیں، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے [آل عمران: ۲۶]۔

مذکورہ آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ کے نیک بندوں کو حکومت ملنا عزت و شرف کا باعث ہے، اور یزید بن معاویہ کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے خیر القرون کی حکومت عطا کی۔

#### ب: احادیث مبارکہ کی روشنی میں

##### پہلی حدیث:

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہ خلفاء تک اسلام کا غلبہ بتلایا ہے اس سے ان بارہ خلفاء کی بھی فضیلت ثابت ہوتی ہے اور انہیں خلفاء میں ایک یزید بھی ہے ملاحظہ ہو:

امام مسلم رحمہ اللہ (المتوفی ۲۶۱) نے کہا:

حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ، حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ، حَدَّثَنَا ابْنُ عَوْنٍ، وَحَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عُثْمَانَ النَّوْفَلِيُّ، وَاللَّفْظُ لَهُ، حَدَّثَنَا أَرْهَرُ، حَدَّثَنَا ابْنُ عَوْنٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ، قَالَ: انْطَلَقْتُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى

اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعِيَ أَبِي، فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ: لَا يَزَالُ هَذَا الدِّينُ عَزِيزًا مَنِيعًا إِلَى اثْنَيْ عَشَرَ خَلِيفَةً، فَقَالَ كَلِمَةً صَمَمِيهَا النَّاسُ، فَقُلْتُ لِأَبِي: مَا قَالَ؟ قَالَ: كُلُّهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ

صحابی رسول جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے چلا اور میرے ساتھ میرے والد تھے تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا یہ دین ہمیشہ بارہ خلفاء کے پورا ہونے تک غالب و بلند رہے گا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی کلمہ ارشاد فرمایا لیکن لوگوں نے مجھے سننے نہ دیا تو میں نے اپنے باپ سے پوچھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا تو انہوں نے کہا سب خلفاء قریش کے خاندان سے ہوں گے۔ [صحیح مسلم ۳/۱۲۵۳]

اس حدیث میں بارہ خلفاء تک دین کی سلامتی اور اس کے قیام کی بات کہی گئی ہے اور یزید بن معاویہ چھٹے نمبر پر خلیفہ تھے۔

شیخ الاسلام ابن تیمہ رحمہ اللہ نے یزید کو چھٹا خلیفہ بتایا ہے اور اس حدیث میں مذکور تعداد میں انہیں بھی شمار کیا ہے۔ دیکھئے: [منہاج السنۃ النبویۃ: ۸/۲۳۸]۔

اسی طرح حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی یزید کو چھٹا خلیفہ بتایا ہے اور اس حدیث میں مذکور تعداد میں انہیں بھی شمار کیا ہے۔ دیکھئے: [فتح الباری لابن حجر: ۱۳/۲۱۲]۔

اس حدیث سے یزید کی فضیلت ثابت ہوتی ہے کیونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خلافت میں اسلام کو غالب بتلایا ہے۔

### دوسری حدیث

اللہ کے نبی ﷺ کا ارشاد ہے: أَوَّلُ جَيْشٍ مِنْ أُمَّتِي يَغْزُونَ مَدِينَةَ قَيْصَرَ

مَغْفُورٌ لَهُمْ

میری امت کا پہلا لشکر جو مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر حملہ کرے گا وہ سب کے سب

مغفور ہوں [صحیح البخاری، الجہاد والسیر، باب ما قیل فی قتال الروم رقم ۲۹۲۴]۔

یاد رہے کہ مدینہ قیصر پر سب سے پہلے لشکر کشی کرنے والے سب بخش دئے جائیں گے یہ بھی بخاری ہی میں ہے اور اس پہلے حملہ کے امیر یزید تھے یہ بھی بخاری ہی میں ہے، ملاحظہ ہو:

قال محمود بن الربیع: فحدثتها قوما فیہم أبو ایوب صاحب رسول

اللہ ﷺ فی غزوہ التی توفی فیہا، ویزید بن معاویۃ علیہم بأرض الروم

محمود بن ربیع نے بیان کیا کہ میں نے یہ حدیث ایک ایسی جگہ میں بیان کی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ یہ روم کے اس جہاد کا ذکر ہے جس میں آپ کی موت واقع ہوئی تھی۔ فوج کے سردار یزید بن معاویہ تھے۔ [بخاری ۱۱۸۶ (ترجمہ داؤد راز)]۔

بخاری کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ امیر یزید بن معاویہ کی امارت میں مدینہ قیصر پر حملہ ہوا۔

اب اس سے پہلے کسی بھی حملہ کا کوئی ثبوت نہیں ملتا اس لئے بخاری کی اس روایت سے ثابت ہوا کہ یزید بن معاویہ ہی کی امارت میں مدینہ قیصر پر سب سے پہلے حملہ ہوا۔

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے ہماری کتاب: ”قسطنطنیہ پر حملہ اور مغفرت یزید کی بشارت“۔ نیز دیکھئے ہماری مفصل کتاب: ”یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ“۔ ص ۶۲ تا ۶۳۔

بخاری کی شرح کرنے والے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس پر پوری امت کا اتفاق نقل

کیا ہے کہ یزید بن معاویہ کی امارت میں سب سے پہلے غزوہ قیصر پر حملہ ہوا ملاحظہ ہو:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی ۸۵۲) نے کہا:

فإنه كان أمير ذلك الجيش بالاتفاق

یزید بن معاویہ اس پہلے لشکر کے امیر تھے، اس پر سب کا اتفاق ہے [فتح الباری لابن

حجر: ۱۰۳/۶]۔

☆ امام مہلب بن احمد اسدی (۴۳۵) فرماتے ہیں:

”من هذا الحديث ثبت خلافة يزيد وفيه أنه من أهل الجنة، وفي هذا

الحديث منقبة لمعاوية لأنه أول من غزا البحر ومنقبة لولده يزيد لأنه أول من غزا مدينة قيصر“

اس حدیث سے یزید کی خلافت ثابت ہوتی ہے اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ جنتی ہے نیز

اس حدیث میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی منقبت ہے کیونکہ سب سے پہلے انہوں نے سمندری لڑائی لڑی اور ان کے لڑکے یزید کے لئے بھی منقبت ہے کیونکہ یزید ہی نے سب سے پہلے مدینہ قیصر (قطنظینہ) پر حملہ کیا [قید الشرید: ص ۵۷، انظر ايضا فتح الباری لابن

حجر: ۱۰۲/۶]۔

☆ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (المتوفی ۷۲۸) نے کہا:

ولهذا كان الصحابة - رضی اللہ عنہم - يغزون مع يزيد وغيره، فإنه

غزا القسطنطينية في حياة أبيه معاوية - رضی اللہ عنہ - وكان معهم في

الجيش أبو أيوب الأنصاري - رضی اللہ عنہ - وذلك الجيش أول جيش

غزا القسطنطينية. وفي صحيح البخاري عن ابن عمر - رضی اللہ عنہما -

عن النبي ﷺ أنه قال: ” أول جيش يغزو القسطنطينية مغفور لهم.“

اسی لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یزید وغیرہ کے ساتھ جہاد کرتے تھے۔ چنانچہ یزید نے

اپنے والد معاویہ کی زندگی میں قسطنطنیہ پر حملہ کیا اور اس کے ساتھ لشکر میں ابوالیوب انصاری رضی اللہ عنہ تھے۔ اور یہ پہلا لشکر تھا جس نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا اور صحیح بخاری میں ابن عمر (صحیح ام حرام) رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کا پہلا لشکر جو مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر حملہ کرے گا وہ سب کے سب مغفور (بخشتہ ہوئے) ہوں گے۔ [منہاج السنة النبویة: ۴/ ۵۴۴]۔

☆ امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۸) نے کہا:

لہ علی ہناتہ حسنة، وہی غزو القسطنطنیة، وکان امیر ذلک الجیش، وفیہم مثل أبی ایوب الأنصاری۔

یزید کی کوتاہیوں کے باوجود اس کی ایک نیکی ہے اور وہ قسطنطنیہ پر حملہ ہے یزید اس لشکر کا امیر تھا اور اس لشکر میں ابوالیوب انصاری رضی اللہ عنہ جیسے لوگ تھے۔ [سیر أعلام النبلاء للذہبی: ۴/ ۳۶]۔

☆ امام ابن کثیر رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۷۴) نے کہا:

وقد کان یزید أول من غزی مدینة قسطنطنیة فی سنة تسع واربعین فی قول یعقوب بن سفیان وقال خلیفة بن خیاط سنة خمسین ثم حج بالناس فی تلک السنة بعد مرجعه من هذه الغزوة من أرض الروم وقد ثبت فی الحدیث أن رسول اللہ ﷺ قال أول جیش یغزو مدینة قیصر مغفور لہم۔

یزید ہی نے سب سے پہلے قسطنطنیہ کے شہر پر حملہ کیا۔ یہ حملہ یعقوب بن سفیان کے بقول ۴۹ (!) میں ہوا اور خلیفہ خیاط کے بقول ۵۰ (!) میں ہوا۔ پھر اس حملہ سے لوٹنے کے بعد اسی سال لوگوں کا امیر بن کر اس نے حج کیا۔ اور صحیح بخاری کی حدیث سے ثابت ہے کہ

میری امت کا پہلا لشکر جو مدینہ قیصر (قسططنیہ) پر حملہ کرے گا وہ سب کے سب مغفور (بخشتہ ہوئے) ہوں گے۔ [البداية والنهاية، مكتبة المعارف: ۲۲۹/۸۔]

☆ امام قسطلانی (المتوفی: ۹۲۳) فرماتے ہیں:

وكان أول من غزا مدينة قيصر يزيد بن معاوية ومعه جماعة من سادات الصحابة كابن عمرو بن عباس وابن الزبير وأبي أيوب الأنصاري وتوفي بها سنة اثنتين وخمسين من الهجرة، واستدل به المهلب على ثبوت خلافة يزيد وأنه من أهل الجنة لدخوله في عموم قوله مغفور لهم.

مدینہ قیصر پر سب سے پہلے جس نے حملہ کیا وہ یزید بن معاویہ ہے اس کے ساتھ جلیل القدر صحابہ کی جماعت تھی جیسے عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس وعبداللہ بن زبیر اور ابویوب انصاری رضی اللہ عنہم۔ اور ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ یہیں پر ۵۲ ہجری میں فوت ہوئے۔ اور اس حدیث سے مہلب نے یزید کی خلافت پر استدلال کیا ہے اور اس بات پر کہ یزید اہل جنت میں سے ہے۔ [إرشاد الساری لشرح صحيح البخاری: ۱۰۴/۵۔]

☆ نواب صدیق حسن خان فرماتے ہیں:

استدل به على خلافة يزيد ، وانه من اهل الجنة

اس حدیث سے یزید کی خلافت پر استدلال کیا گیا ہے اور اس بات پر کہ یزید اہل جنت

میں سے ہے [عون الباری لحل ادلة البخاری: ۳۹۱/۴۔]

بعض لوگ کہتے ہیں یزید کو سب سے پہلے جنتی کہنے والے شخص محمود عباسی ہیں، مذکورہ حوالہ کی روشنی میں یہ بات غلط ہے کیونکہ محمود عباسی سے قبل بھی اہل علم نے یزید کے جنتی ہونی کی بات کہی ہے۔

### ❁ ج: اثار صحابہ و سلف کی روشنی میں

❁ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ولی عہد مقرر کرنا:

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے باہم مشورہ اور غور و فکر کرنے کے بعد یزید بن معاویہ کو ولی عہد مقرر کر دیا۔ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر اور صاحب فضیلت صحابی ہیں۔ آپ اپنے بیٹے یزید کی پوری سیرت سے اچھی طرح آگاہ تھے۔ لہذا آپ کی طرف سے یزید کی ولی عہدی کا فیصلہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کی نظر میں یزید اخلاق و کردار کے حساب سے ایک اچھے انسان تھے۔

❁ صحابی رسول ابوالیوب انصاریؓ یزید کے زیر امارت:

یہ بات متفق علیہ ہے کہ صحابی رسول ابوالیوب انصاری رضی اللہ عنہ نے یزید بن معاویہ کی زیر امارت لشکر قسطنطنیہ پر حملہ کیا۔ آپ کا یزید بن معاویہ کی امارت میں جہاد کرنا بھی اس بات کی دلیل ہے آپ کی نظر میں یزید امارت کی اہلیت رکھتے تھے۔ اور یزید کے اخلاق و کردار میں کوئی قابل اعتراض بات نہ تھی ورنہ اس موقع پر ابوالیوب انصاری رضی اللہ عنہ سے انکار ضرور منقول ہوتا لیکن ایسا کچھ منقول نہیں۔

❁ نواسہ رسول حسین رضی اللہ عنہ کا یزید کو ”امیر المؤمنین“ کہنا:

امام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۱۰ھ) نے کہا:

حدثنا محمد بن عمار الرازی قال حدثنا سعید بن سلیمان قال حدثنا عباد بن العوام قال حدثنا حصین... قال حصین فحدثنی ہلال بن یساف أن ابن زیاد أمر بأخذ ما بین واقصة إلى طریق الشام إلى طریق البصرة فلا يدعون أحدا یلج ولا أحدا ینخرج فأقبل الحسین ولا یشعر بشیء حتی لقی الأعراب فسألهم فقالوا لا والله ما ندری غیر أنا لا نستطیع أن نلج ولا نخرج قال



فانطلق يسير نحو طريق الشام نحو يزيد فلقيته الخيول بكر بلاء فنزل  
يناشدهم الله والإسلام قال وكان بعث إليه عمر بن سعد وشمير بن ذى  
الجوشن وحصين بن نميم فناشدهم الحسين الله والإسلام أن يسروه إلى  
أمير المؤمنين فيضع يده فى يده.

ہلال بن یساف رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: عبید اللہ بن زیاد نے حکم دیا کہ واقعہ اور شام و بصرہ  
کے بیچ پہرہ لگا دیا جائے اور کسی کو بھی آنے جانے سے روک دیا جائے، چنانچہ حسین رضی اللہ  
عنه ان باتوں سے بے خبر آگے بڑھے یہاں تک بعض اعرابیوں سے آپ کی ملاقات ہوئی تو  
آپ نے ان سے پوچھا تاچھ کی تو انہوں نے کہا: نہیں اللہ کی قسم ہمیں کچھ نہیں معلوم سوائے  
اس کی کہ ہم نہ وہاں جاسکتے ہیں اور نہ وہاں سے نکل سکتے ہیں۔ پھر حسین رضی اللہ عنه شام  
کے راستہ پر یزید بن معاویہ کی طرف چل پڑے، پھر راستہ میں گھوڑ سواروں نے انہیں کربلا  
کے مقام پر روک لیا اور وہ رک گئے، اور انہیں اللہ اور اسلام کا واسطہ دینے لگے، عبید اللہ بن  
یزید نے عمر بن سعد بن ابی وقاص، شمیر بن ذی الجوشن اور حصین بن نمیر کو ان کی جانب بھیجا تھا  
حسین رضی اللہ عنه نے ان سے اللہ اور اسلام کا واسطہ دے کر کہا: وہ انہیں امیر المؤمنین  
یزید بن معاویہ کے پاس لے چلیں تاکہ وہ یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دیں، [تاریخ الأمم  
والرسل الطبری: ۳/۲۹۹ و اسنادہ صحیح لا غبار علیہ]۔

یہ روایت بالکل صحیح ہے، دیکھئے: حادثہ کربلا و یزید صرف صحیح روایات کی روشنی میں۔  
اس کی سند پر تفصیلی بحث کے لئے دیکھئے: یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی  
جائزہ: ص: ۳۵۵- ایضاً: ص: ۳۴۲ تا ۳۴۶۔

اس صحیح روایت سے اس جھوٹی بات کا جھوٹ مزید واضح ہو گیا جسے لوگ عمر بن  
عبد العزیز کے حوالے سے بولتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عمر بن عبد العزیز کے سامنے کسی نے

یزید کو ”امیر المؤمنین“ کہہ دیا تو عمر بن عبدالعزیز نے اسے بیس کوڑے لگوائے۔ اس روایت کی تردید کے لئے دیکھئے: یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ: ص ۶۹ تا ۱۲۔

✽ یزید کی مدح و ثناء اور بیعت من جانب ابن عباس رضی اللہ عنہ، بسند حسن:

امام أحمد بن حنبل، البکاء ذری (المتوفی ۲۴۹) اپنے استاذ امام مدائنی سے نقل کرتے ہیں:

الْمَدَائِنِيُّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ مُعَاوِيَةَ قَالَ، قَالَ عَامِرُ بْنُ مَسْعُودٍ الْجُمَحِيُّ: إِنَّا لَبِمَكَّةَ إِذْ مَرَّ بَنَا بَرِيدٌ يَنْعِي مُعَاوِيَةَ، فَهَضَمْنَا إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ وَهُوَ بِمَكَّةَ وَعِنْدَهُ جَمَاعَةٌ وَقَدْ وَضَعَتِ الْمَائِدَةُ وَلَمْ يَأْتِ بِالطَّعَامِ فَقُلْنَا لَهُ: يَا أَبَا الْعَبَّاسِ، جَاءَ الْبَرِيدُ بِمَوْتِ مُعَاوِيَةَ فَوْجَمَ طَوِيلًا ثُمَّ قَالَ: اَللَّهُمَّ أَوْسِعْ لِمُعَاوِيَةَ، أَمَا وَاللَّهِ مَا كَانَ مِثْلَ مَنْ قَبْلَهُ وَلَا يَأْتِي بَعْدَهُ مِثْلُهُ وَإِنْ ابْنَهُ يَزِيدُ لَمَنْ صَالَحَى أَهْلَهُ فَالزَّمُوا مَجَالِسَكُمْ وَأَعْطُوا طَاعَتَكُمْ وَبِيعْتَكُمْ، هَاتِ طَعَامَكَ يَا غَلَامَ، قَالَ: فَبَيْنَا نَحْنُ كَذَلِكَ إِذْ جَاءَ رَسُولُ خَالِدِ بْنِ الْعَاصِ وَهُوَ عَلَى مَكَّةَ يَدْعُوهُ لِلْبَيْعَةِ فَقَالَ: قُلْ لَهُ اقْضِ حَاجَتَكَ فِيمَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ مَنْ حَضَرَكَ فَإِذَا أَمْسَيْنَا جِئْتُكَ، فَرَجَعَ الرَّسُولُ فَقَالَ: لَا بَدَّ مِنْ حَضُورِكَ فَمَضَى فَبَايَعَ.

عامر بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم مکہ میں تھے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر دیتے والا ہمارے پاس سے گذرا تو ہم عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے وہ بھی مکہ ہی میں تھے، وہ کچھ لوگوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور دسترخوان لگایا جا چکا تھا لیکن ابھی کھانا نہیں آیا تھا، تو ہم نے ان سے کہا: اے ابوالعباس! ایک قاصد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر لایا ہے، یہ سن کر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کچھ دیر تک خاموش رہے پھر فرمایا: اے اللہ! معاویہ رضی اللہ عنہ پر اپنی رحمت وسیع فرما، یقیناً

آپ ان لوگوں کے مثل تو نہ تھے جو آپ سے پہلے گزر چکے لیکن آپ کے بعد بھی آپ جیسا کوئی نہ دیکھنے کو ملے گا اور آپ کے صاحبزادے یزید بن معاویہ رحمہ اللہ آپ کے خاندان کے نیک و صالح شخص ہیں، اس لئے اے لوگو! اپنی اپنی جگہوں پر رہو اور ان کی مکمل اطاعت کر کے ان سے بیعت کر لو، (اس کے بعد غلام سے کہا) اے غلام کھانا لے کر آؤ، عامر بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم اسی حالت میں تھے کہ خالد بن العاص الحزرمی رضی اللہ عنہ کا قاصد آیا وہ اس وقت مکہ کے عامل تھے، اس نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو بیعت کے لئے بلایا، عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: اس سے کہہ دو کہ پہلے دوسرے لوگوں کے ساتھ اپنا کام ختم کر لے اور شام ہوگی تو ہم اس کے پاس آ جائیں گے، (یہ سن کر قاصد چلا گیا) اور پھر واپس آیا اور کہا: آپ کا حاضر ہونا ضروری ہے، پھر آپ گئے اور (یزیدی) بیعت کر لی [أنساب الأشراف للبلاذری ۵/۲۹۰ و اسنادہ حسن لذاتہ] دیکھئے: ”حادثہ کربلا و یزید صرف صحیح روایات کی روشنی میں“۔ نیز اس کی سند پر تفصیلی بحث کے لئے دیکھئے: یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ: ص ۶۳ تا ۶۹۵۔

✽ برادر حسین ؑ محمد بن حنفیہ کی طرف سے یزید بن معاویہ کی مدح و ثناء سند صحیح:

امام ابن کثیر رحمہ اللہ (المتوفی ۷۷۴ھ) نے امام مدائنی کی روایت مع سند نقل کرتے ہوئے کہا:

وقد رواه أبو الحسن علي بن محمد بن عبد الله بن أبي سيف المدائني عن صخر بن جويرة عن نافع ..... ولما رجع أهل المدينة من عند يزيد مشى عبد الله بن مطيع وأصحابه إلى محمد بن الحنفية فأرادوه على خلع يزيد فأبى عليهم فقال ابن مطيع إن يزيد يشرب الخمر ويترك الصلاة ويتعدى حكم الكتاب فقال لهم ما رأيت منه ما تذكرون وقد

حضرته وأقامت عنده فرأيتہ مواضبا على الصلاة متحريرا للخير يسأل عن الفقه ملازما للسنة قالوا فان ذلك كان منه تصنعاً لك فقال وما الذى خاف منى أو رجا حتى يظهر إلى الخشوع أفأطلعكم على ما تذكرون من شرب الخمر فلئن كان أطلعكم على ذلك إنكم لشركاؤه وإن لم يطلعكم فما يحل لكم أن تشهدوا بما لم تعلموا قالوا إنه عندنا لحق وإن لم يكن رأيناه فقال لهم أبى الله ذلك على أهل الشهادة فقال: ﴿إِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾ ولست من أمركم فى شىء قالوا فلعلك تكره أن يتولى الأمر غيرك فنحن نوليک أمرنا قال ما أستحل القتال على ما تريدوننى عليه تابعا ولا متبوعا قالوا فقد قاتلت مع أبیک قال جيئونی بمثل أبى أقاتل على مثل ما قاتل عليه فقالوا فمر ابنیک أبا القاسم والقاسم بالقتال معنا قال لو أمرتهما قاتلت قالوا فقم معنا مقاما تحض الناس فيه على القتال قال سبحان الله أمر الناس بما لا أفعله ولا أرضاه إذا ما نصحت لله فى عباده قالوا إذا نكرهک قال إذا أمر الناس بتقوى الله ولا يرضون المخلوق بسخط الخالق [البداية والنهاية: ۲۳۳/۸ نقلا عن كتاب الحرة للمدائنى، واسناده صحيح ويكفي: مختصر تاريخ دمشق لابن عساكر: ج ۲۸/ ۲۷-۲۸].

امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفى ۷۴۸ھ) نے بھی اس روایت کو مع سند نقل کرتے ہوئے کہا:

وَرَأَدَ فِيهِ الْمَدَائِنِيُّ، عَنْ صَخْرٍ، عَنْ نَافِعٍ: فَمَشَى عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُطِيعٍ وَأَصْحَابُهُ إِلَى مُحَمَّدِ بْنِ الْحَنْفِيَّةِ، فَأَرَادُوهُ عَلَى خَلْعِ يَزِيدَ، فَأَبَى، وَقَالَ ابْنُ مُطِيعٍ: إِنَّ يَزِيدَ يَشْرَبُ الْخَمْرَ، وَيَتْرُكُ الصَّلَاةَ، وَيَتَعَدَّى حُكْمَ الْكِتَابِ،

قَالَ: مَا رَأَيْتُ مِنْهُ مَا تَذْكُرُونَ، وَقَدْ أَقَمْتُ عِنْدَهُ، فَرَأَيْتُهُ مُوَاطِبًا لِلصَّلَاةِ، مُتَحَرِّبًا لِلْخَيْرِ، يَسْأَلُ عَنِ الْفِقْهِ..... [تاریخ الإسلام للذهبی تدمری: ۲۷۴/۵ نقلاً عن كتاب الحرة للمدائنی، واسناده صحيح ويكفي: مختصر تاریخ دمشق لابن عساکر: ج ۲۸-۲۷/۲۸-]

جب اہل مدینہ یزید کے پاس سے واپس آئے تو عبداللہ بن مطیع اور ان کے ساتھی محمد بن حنفیہ کے پاس آئے اور یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ یزید کی بیعت توڑ دیں لیکن محمد بن حنفیہ نے ان کی اس بات سے انکار کر دیا تو عبداللہ بن مطیع نے کہا: یزید شراب پیتا ہے، نماز چھوڑتا ہے کتاب اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ تو محمد بن حنفیہ نے کہا کہ میں نے تو اس کے اندر ایسا کچھ نہیں دیکھا جیسا تم کہہ رہے ہو، جبکہ میں اس کے پاس جا چکا ہوں اور اس کے ساتھ قیام کر چکا ہوں، اس دوران میں نے تو اسے نماز کا پابند، خیر کا متلاشی علم دین کا طالب، اور سنت کا ہمیشہ پاسدار پایا۔ تو لوگوں نے کہا کہ یزید ایسا آپ کو دکھانے کے لئے کر رہا تھا، تو محمد بن حنفیہ نے کہا: اسے مجھ سے کیا خوف تھا یا مجھ سے کیا چاہتا تھا کہ اسے میرے سامنے نیکی ظاہر کرنے کی ضرورت پیش آتی؟؟ کیا تم لوگ شراب پینے کی جو بات کرتے ہو اس بات سے خود یزید نے تمہیں آگاہ کیا؟ اگر ایسا ہے تو تم سب بھی اس کے گناہ میں شریک ہو، اور اگر خود یزید نے تمہیں یہ سب نہیں بتایا ہے تو تمہارے لئے جائز نہیں کی ایسی بات کی گواہی دو جس کا تمہیں علم ہی نہیں۔ لوگوں نے کہا: یہ بات ہمارے نزدیک سچ ہے گرچہ ہم نے نہیں دیکھا ہے، تو محمد بن حنفیہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس طرح گواہی دینے کو تسلیم نہیں کرتا کیونکہ اللہ کا فرمان ہے: ﴿جو حق بات کی گواہی دیں اور انہیں اس کا علم بھی ہو﴾ لہذا میں تمہاری ان سرگرمیوں میں کوئی شرکت نہیں کر سکتا، تو انہوں نے کہا کہ شاید آپ یہ ناپسند کرتے ہیں کہ آپ کے علاوہ کوئی اور امیر بن جائے تو ہم آپ ہی کو اپنا امیر بناتے ہیں،

تو محمد بن حنفیہ نے کہا: تم جس چیز پر قبال کر رہے ہو میں تو اس کو سرے سے جائز نہیں سمجھتا: مجھے کسی کے پیچھے لگنے یا لوگوں کو اپنے پیچھے لگانے کی ضرورت ہی کیا ہے، لوگوں نے کہا: آپ تو اپنے والد کے ساتھ لڑائی لڑ چکے ہیں؟ تو محمد بن حنفیہ نے کہا کہ پھر میرے والد جیسا شخص اور انہوں نے جن کے ساتھ جنگ کی ہے ایسے لوگ لیکر تو آؤ! وہ کہنے لگے آپ اپنے صاحبزادوں قاسم اور ابوالقاسم ہی کو ہمارے ساتھ لڑائی کی اجازت دے دیں، محمد بن حنفیہ نے کہا: میں اگر ان کو اس طرح کا حکم دوں تو خود نہ تمہارے ساتھ شریک ہو جاؤں۔ لوگوں نے کہا: اچھا آپ صرف ہمارے ساتھ چل کر لوگوں کو لڑائی پر تیار کریں، محمد بن حنفیہ نے کہا: سبحان اللہ! جس کو میں خود ناپسند کرتا ہوں اور اس سے مجتنب ہوں، لوگوں کو اس کا حکم کیسے دوں؟ اگر میں ایسا کروں تو میں اللہ کے معاملوں میں اس کے بندوں کا خیر خواہ نہیں بدخواہ ہوں۔ وہ کہنے لگے پھر ہم آپ کو مجبور کریں گے، محمد بن حنفیہ نے کہا میں اس وقت بھی لوگوں سے یہی کہوں گا کہ اللہ سے ڈرو اور مخلوق کی رضا کے لئے خالق کو ناراض نہ کرو [البدایۃ والنہایۃ: ۲۳۳/۸، تاریخ الإسلام للذہبی ت تدمری: ۲۷۴/۵ نقلا عن کتاب الحرۃ للمدائنی، واسنادہ صحیح دیکھئے: مختصر تاریخ دمشق لابن عساکر: ج ۲۸/۲۷-۲۸]۔

اس روایت کو امام ابن کثیر اور امام ذہبی رحمہما اللہ نے امام مدائنی کی کتاب سے سند کے ساتھ نقل کر دیا ہے اور یہ سند بالکل صحیح ہے۔

دیکھئے: حادثہ کربلا ویزید صرف صحیح روایات کی روشنی میں۔ نیز اس کی سند پر تفصیلی بحث کے لئے دیکھئے: یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ: ص ۱۲ تا ۳۵۔

✽ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ یزید کو ”رحمہ اللہ“ کہتے تھے

وقال بن شوذب سمعت إبراهيم بن أبي عبد يقول سمعت عمر بن

عبد العزيز يترحم على يزيد بن معاوية

ابراہیم بن ابی عبد کہتے ہیں کہ میں عمر بن عبدالعزیز کو یزید بن معاویہ کے لئے رحمہ اللہ کہتے ہوئے سنا۔ [لسان المیزان لابن حجر: ۶/ ۲۹۴ ورجالہ ثقات]۔

### ✽ امام غزالی رحمہ اللہ کا فتویٰ

وَأَمَّا التَّوَحُّدُ عَلَيْهِ فَهُوَ جَائِزٌ بَلْ هُوَ مُسْتَحَبٌّ بَلْ هُوَ دَاخِلٌ فِي قَوْلِنَا فِي كُلِّ صَلَاةٍ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ فَإِنَّهُ كَانَ مُؤْمِنًا

جہاں تک یزید کو ”رحمۃ اللہ علیہ“ یا ”رحمہ اللہ“ کہنے کا تعلق ہے تو یہ نہ صرف جائز بلکہ مستحب (اچھا فعل) ہے بلکہ وہ از خود ہماری ان دعاؤں میں شامل ہے جو ہم تمام مسلمان کی مغفرت کے لئے کرتے ہیں کہ ”اللہم اغفر للمؤمنین والمؤمنات“ یا اللہ! تمام مومن مردوں اور عورتوں کو بخش دے، اس لیے کہ یزید بھی یقیناً مومن تھا۔ [وفیات الاعیان لابن خلکان: ۳/ ۲۸۹، طبع بیروت]۔

### ✽ حافظ عبدالغنی المقدسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

خلافته صحيحة، وقال بعض العلماء: بايعه ستون من أصحاب النبي ﷺ، منهم ابن عمر

یزید کی خلافت صحیح ہے اور بعض علماء کے بقول ساٹھ صحابہ نے ان سے بیعت کی تھی جن میں ابن عمر رضی اللہ عنہ بھی ہیں [ذیل طبقات الحنابلة: ۲/ ۳۴۱]۔

### ✽ امام لیث بن سعد رحمہ اللہ نے یزید بن معاویہ کو امیر المؤمنین کہا

امام خلیفہ بن خیاط (المتوفی ۲۴۰) نے کہا: قَرَأَ عَلَيَّ ابْنُ بَكِيرٍ وَأَنَا أَسْمَعُ عَنِ اللَّيْثِ قَالَ تَوَفَّى أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ يَزِيدُ فِي سَنَةِ أَرْبَعٍ وَسِتِّينَ

یعنی امام لیث بن سعد رحمہ اللہ نے کہا: امیر المؤمنین یزید سن ۶۴ میں فوت ہوئے [تاریخ خلیفہ بن خیاط ص ۲۵۳ و اسنادہ صحیح]۔

✽ امام ابو بکر ابن العربی (متوفی ۵۴۳) رحمہ اللہ بجا طور پر فرماتے ہیں:

فإن قيل، كان يزيد خماراً. قلنا: لا يحل إلا بشاهدين، فمن شهد بذلك عليه بل شهد العدل بعدالته. فروى يحيى بن بكير، عن الليث بن سعد، قال الليث: توفي أمير المؤمنين يزيد في تاريخ كذا فسماه الليث أمير المؤمنين بعد ذهاب ملكهم وانقراض دولتهم، ولولا كونه عنده كذلك ما قال إلا توفي يزيد

اگر کہا جائے کہ یزید شرابی تھا تو ہم کہتے ہیں کہ بغیر دو گواہ کے یہ بات ثابت نہیں ہو سکتی تو کس نے اس بات کی گواہی دی ہے؟ بلکہ عادل لوگوں نے تو یزید کے عدل کی گواہی دی ہے۔ چنانچہ یحییٰ بن بکیر نے روایت کیا کہ امام لیث بن سعد رحمہ اللہ نے کہا: امیر المؤمنین یزید فلاں تاریخ میں فوت ہوئے۔ تو یہاں پر امام لیث رحمہ اللہ نے یزید کو ”امیر المؤمنین“ کہا ہے ان کی حکومت اور ان کا دور ختم ہونے کے بعد۔ اگر ان کے نزدیک یزید اس درجہ قابل احترام نہ ہوتا تو یہ صرف یوں کہتے کہ یزید فوت ہوئے [العواصم من القواصم لابن بکر ابن العربی ط الأوقاف السعودية ص ۲۲۸]۔

✽ امام ابن عساکر (متوفی ۵۷۱) کے استاذ اور قاضی بحرین ”ابو الفضل محمد بن محمد“

فرماتے ہیں:

رأيت يزيد بن معاوية في النوم فقلت له أنت قتلت الحسين فقال لا فقلت له هل غفر الله لك قال نعم وادخلني الجنة

میں نے یزید بن معاویہ کو خواب میں دیکھا تو ان سے پوچھا: کیا آپ نے حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کیا ہے؟ یزید بن معاویہ نے کہا: نہیں، پھر میں نے پوچھا: کیا اللہ نے آپ کی مغفرت فرمادی؟ یزید بن معاویہ نے کہا: ہاں اور اللہ نے مجھے جنت میں داخل کر دیا [البداية

والنهاية ۲۳۶/۸ نقلا عن ابن عساکر واسنادہ صحیح]۔



## فصل دوم: یزید کی طرف منسوب مثالب

### ❁ الف: آیات قرآنی سے غلط استدلال

امام احمد رحمہ اللہ کے حوالے سے قرآن مجید کی ایک آیت کو یزید پر فٹ کر کے اس پر لعنت کی جاتی ہے چنانچہ: امام ابو یعلیٰ بن الفراء (المتوفی ۲۵۸) نے کہا:

رأيت بخط أبي حفص العكبري علي ظهر جزء فيه فصل كتب إلى أبو القاسم فرج بن السوادى قال: حدثنا أبو علي الحسين ابن الجندی قال: حدثنا أبو طالب العكبري قال: سمعت أبا بكر محمد بن العباس قال: سمعت صالح بن أحمد بن حنبل يقول: قلت لأبي: إن قوما ينسبوننا إلى توالي يزيد. فقال: يا بني وهل يتولى يزيد أحد يؤمن بالله. فقلت: فلم لا تلعه. فقال: ومتى رأيتني ألعن شيئا. لم لا تلعن من لعنه الله في كتابه. فقلت: وأين لعن الله يزيد في كتابه فقرأ ﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ أُولَئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعَمَّى أَبْصَارَهُمْ﴾

امام صالح کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے پوچھا کہ لوگ ہماری طرف منسوب کرتے ہیں کہ ہم یزید سے محبت کرتے ہیں، تو انہوں نے کہا: بیٹا! کیا کوئی ایسا شخص یزید سے محبت کر سکتا ہے جو اللہ پر ایمان رکھتا ہو! تو میں نے کہا کہ: پھر آپ اس پر لعنت کیوں نہیں کرتے؟ تو انہوں نے کہا: تم نے مجھے کسی پر لعنت کرتے ہوئے کب دیکھا ہے؟ اور تم اس پر لعنت کیوں نہیں کرتے جس پر اللہ نے اپنی کتاب میں لعنت کی ہے؟ تو میں نے کہا: اللہ نے کہاں اپنی کتاب میں یزید پر لعنت کی ہے؟ تو انہوں نے یہ آیت تلاوت کی: ﴿اور تم سے یہ بھی بعید نہیں کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو تم زمین میں فساد

برپا کر دو اور رشتے ناتے توڑ ڈالو یہ وہی لوگ ہیں جن پر اللہ کی پھٹکار ہے اور جن کی سماعت اور آنکھوں کی روشنی چھین لی ہے ﴿[المسائل العقدية : ص ۹۴ و اخرجه ابن الجوزی فی الرد علی المتعصب ص ۲۸ و اسنادہ ضعیف جدا]۔

عرض ہے کہ یہ روایت سخت ضعیف ہے، کیونکہ اس میں یکے بعد دیگر مسلسل چار رواۃ مجہول ہیں اور وہ یہ ہیں: ابوالقاسم فرج بن السواد، ابوطالب العکبری، ابوبکر محمد بن العباس، ابوعلی الحسین ابن الجندی۔

معلوم ہوا کہ اس کی سند سخت ضعیف و مردود ہے، کیونکہ پے در پے چار رواۃ مجہول و نامعلوم ہیں گویا کہ آدھی سند ہی کا عدم ہے، اسی وجہ سے شیخ الاسلام ابن تیمہ رحمہ اللہ نے اس روایت کو غیر ثابت کہنے کے ساتھ ساتھ منقطع بھی کہا ہے، چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ونقلت عنه رواية في لعنة يزيد وأنه قال ألا لعن من لعنه الله واستدل بالاية لكنها رواية منقطعة ليست ثابتة عنه والاية لا تدل على لعن المعين امام احمد رحمہ اللہ سے یزید پر لعنت کرنے سے متعلق ایک روایت نقل کی گئی ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ نے کہا: کیا میں اس پر لعنت نہ کروں جس پر اللہ نے لعنت کی ہے اور مذکورہ آیت سے استدلال کیا، لیکن یہ روایت منقطع اور غیر ثابت ہے، نیز آیت میں بھی فرد معین پر لعنت کرنے کی دلیل نہیں ہے [منہاج السنة النبویة: ۴/ ۵۷۳]۔

واضح رہے کہ اگر یہ بات امام احمد رحمہ اللہ سے ثابت بھی ہو جاتی تو بھی غیر مسموع تھی کیونکہ پیش کردہ آیت سے مذکورہ استدلال درست نہیں جیسا کہ ابن تیمہ رحمہ اللہ نے کہا ہے۔

یاد رہے کہ شروع میں امام احمد رحمہ اللہ نے یزید پر کچھ الزامات لگائے تھے لیکن بعد میں

اس سے رجوع کر لیا: دکتور محمد بن ہادی الشیبانی لکھتے ہیں:

فی عقيدة أحمد التی کتبت عنه ، وذلك قبل ثلاثة أيام من وفاته:

وكان يمسك عن يزيد بن معاوية ويكلمه الى الله

امام احمد رحمہ اللہ کی وفات سے تین دن قبل ان کے جو عقائد لکھے گئے ان میں ہے کہ:

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ یزید بن معاویہ کے بارے میں خاموشی اختیار کرتے تھے اور ان کا

معاملہ اللہ پر چھوڑ دیتے [مواقف المعارضة فی عهد یزید بن معاویہ: ص ۷۲۲ بحوالہ

طبقات الحنابلة: ج ۲ ص ۲۷۳]۔

یہ اس بات کی صریح دلیل ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اخیر میں یزید کے

معاملے کو اللہ کے سپرد کر دیا تھا یعنی یزید بن معاویہ پر قتل یا لوٹ مار یا کسی بھی قسم کا الزام

لگانے سے رجوع کر لیا تھا، لہذا ان کے جس قول میں یزید بن معاویہ پر ظلم یا لوٹ مار کا الزام

ہے اس قول سے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ رجوع کر چکے ہیں۔

صرف یہی نہیں کہ امام احمد رحمہ اللہ نے اخیر میں یزید بن معاویہ کے بارے میں اپنی

جرح سے رجوع کر لیا بلکہ اسے خیر القرون کی فضیلت کا حامل بھی بتلایا ہے، چنانچہ:

امام أبوبکر، الخلال (المتوفى ۳۱۱) نے کہا:

أخبرني أحمد بن محمد بن مطر وزكريا بن يحيى أن أبا طالب

حدثهم قال سألت أبا عبد الله من قال لعن الله يزيد بن معاوية قال لا أتكلم

في هذا قلت ما تقول فإن الذي تكلم به رجل لا بأس به وأنا صائر إلى

قولك فقال أبو عبد الله قال النبي لعن المؤمن كقتله وقال خير الناس

قرنى ثم الذين يلونهم وقد صار يزيد فيهم وقال من لعنته أو سبته فاجعلها

له رحمة فأرى الإمساك أحب لي

ابوطالب عصمہ بن ابی عصمہ کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد رحمہ اللہ سے پوچھا کہ: جو کہے کہ یزید بن معاویہ پر اللہ کی لعنت ہو اس بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ کیونکہ جس نے یہ بات کہی ہے وہ معتبر آدمی ہے اور میں آپ کے قول کو اپناؤں گا! تو امام احمد رحمہ اللہ نے کہا: اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: مومن پر لعنت کرنا اس کو قتل کرنے کی طرح ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا: سب سے بہتر زمانہ میرا زمانہ ہے، پھر ان کا زمانہ جو اس کے بعد آئیں گے۔ اور یزید اس دور کے لوگوں میں شامل ہے، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا: میں نے جس پر لعنت کی یا برا بھلا کہا تو اے اللہ اسے اس کے حق میں رحمت بنا دے، اس لئے خاموشی ہی میرے نزدیک بہتر ہے [السنة للخلال: ۵۲۱/۳ رقم ۸۴۶ قال المحقق: إسناده صحيح وهو كذلك]۔

اس روایت سے صاف معلوم ہوا کہ امام احمد رحمہ اللہ یزید بن معاویہ کو مؤمن اور خیر القرون کی فضیلت کا مستحق سمجھتے تھے اور اس کے بارے میں سکوت فرماتے تھے۔

### ❁ ب: احادیث سے غلط استدلال

#### ❁ صبیان قریش سے متعلق حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ

صحیح بخاری کی حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

هلاک أمتی علی یدی غلۃ من قریش ، فقال مروان : غلۃ؟ قال أبو

هريرة: إن شئت أن أسميهم بنی فلان، وبنی فلان

میری امت کی بربادی قریش کے چند لڑکوں کے ہاتھوں پر ہوگی۔ مروان نے پوچھا: جو ان لڑکوں کے ہاتھ پر؟ اس پر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر تم چاہو تو میں ان کے نام بھی لے لوں کہ وہ بنی فلاں اور بنی فلاں ہوں گے [بخاری رقم ۳۶۰۵ (ترجمہ داؤد راز)]۔

اس حدیث میں قریش کے چند بچوں کا ذکر ضرور ہے مگر ان بچوں میں ایک یزید بھی ہوگا اس بات کا اس حدیث میں کوئی نام و نشان ہی نہیں ہے، معلوم نہیں کس منطق سے اس روایت کو یزید پر فٹ کیا جا رہا ہے۔

لطف تو یہ ہے کہ یہی روایت صحیح بخاری میں دوسرے مقام پر بھی موجود ہے وہاں اسی حدیث کے راوی نے ان بچوں کا مصداق ایسے بچوں کو قرار دیا جو عہد یزید کے بعد کے زمانے کے تھے، ملاحظہ ہو یہی روایت صحیح بخاری میں دوسرے مقام سے:

امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی ۲۵۶) نے کہا:

حدثنا موسى بن إسماعيل، حدثنا عمرو بن يحيى بن سعيد بن عمرو بن سعيد، قال: أخبرني جدي، قال: كنت جالسا مع أبي هريرة في مسجد النبي ﷺ بالمدينة، ومعنا مروان، قال أبو هريرة: سمعت الصادق المصدوق يقول: هلكة أمتي على يدي غلمة من قریش فقال مروان: لعنة الله عليهم غلمة. فقال أبو هريرة: لو شئت أن أقول: بنی فلان، وبنی فلان، لفعلت. فكنت أخرج مع جدي إلى بنی مروان حين ملكوا بالشأم، فإذا رآهم غلمانا أحداثا قال لنا عسى هؤلاء أن يكونوا منهم؟ قلنا: أنت أعلم

عمرو بن یحییٰ بن سعید نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ مجھے میرے دادا سعید نے خبر دی، کہا کہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس مدینہ منورہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں بیٹھا تھا اور ہمارے ساتھ مروان بھی تھا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے صادق و مصدوق سے سنا ہے آپ نے فرمایا کہ میری امت کی تباہی قریش کے چند لڑکوں کے ہاتھ سے ہوگی۔ مروان نے اس پر کہا ان پر اللہ کی لعنت ہو۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر میں چاہوں تو یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ وہ کس کس خاندان سے ہوں گے۔ پھر جب بنی مروان

شام کی حکومت پر قابض ہو گئے تو میں (عمر بن لُحی بن سعید بن عمرو) اپنے دادا (سعید بن عمرو) کے ساتھ ان کی طرف جاتا تھا۔ جب وہاں انہوں (سعید بن عمرو) نے نوجوان لڑکوں کو دیکھا تو کہا کہ شاید یہ انہیں میں سے ہوں۔ ہم نے کہا کہ آپ کو زیادہ علم ہے [بخاری: - کتاب الفتن: باب قول النبی ﷺ: هَلَاكُ أُمَيِّیَ عَلِیْ یَدِیْ أَعِیْلَمَہُ سَفْہَاءُ، رقم ۷۰۵۸]۔

اور مسند احمد کی روایت میں ہے:

فَإِذَا هُمْ يُبَايِعُونَ الصَّبِيَّانَ مِنْهُمْ، وَمَنْ يُبَايِعُ لَهُ، وَهُوَ فِي خِرْقَةٍ

وہ لوگ بچوں سے بھی بیعت لے رہے تھے، اور ایسے بچے سے بھی بیعت لے رہے تھے جو کپڑے میں لپٹا ہوا تھا [مسند أحمد ۵۸/۱ و اسنادہ صحیح]۔

اس حدیث میں غور کریں کہ سعید بن عمرو رحمہ اللہ نے مذکورہ حدیث کا مصداق یزید کے بجائے دوسرے بچوں کو بتلایا ہے اور یزید کی طرف کوئی اشارہ تک نہیں کیا ہے اور ان کے پوتے نے بھی اس موقع پر یزید کا کوئی حوالہ نہ دیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اس زمانہ تک کسی نے بھی بچوں کی امارت والی حدیث کو یزید پر فٹ ہی نہیں کیا تھا۔

اہل علم میں یہ بات معروف ہے کہ راوی اپنی روایت کا مفہوم دوسروں سے بہتر سمجھتا ہے مگر کیا کیا جائے کہ آج ایسے ذہین و فطین لوگ پیدا ہو گئے ہیں جو نہ صرف راوی حدیث کی فہم بلکہ سلف صالحین کی متفقہ فہم کو بھی چیلنج کر رہے ہیں، یاد رہے کہ سلف صالحین میں سے کسی ایک نے بھی اس حدیث کو یزید پر فٹ نہیں کیا بلکہ دوسروں پر فٹ کیا ہے جیسا کہ بخاری میں دوسرے مقام پر موجود اس روایت میں ذکر ہے۔

اب قارئین کو اس بات پر بھی غور کرنا چاہئے کہ یہی روایت بخاری میں دوسرے مقام پر مفہوم کی وضاحت کے ساتھ بھی موجود ہے تو اسے نظر انداز کر کے دوسرے مقام کی

مختصر روایت ہی کو کیوں پیش کیا جاتا ہے؟؟؟؟؟

مقصد ظاہر ہے تاکہ اس طرح لوگوں کو یہ معلوم نہ ہو سکے کہ ہم نے جو مفہوم لیا ہے راوی حدیث کی طرف سے لئے گئے مفہوم کے خلاف ہے۔ بلکہ خیر القرون کے تمام اہل علم کی فہم کے خلاف ہے کیونکہ یزید بن معاویہ کے دور میں کسی بھی صاحب علم سے یہ منقول نہیں کہ اس نے اس حدیث کا یہ مفہوم مراد لیا ہو۔

حتیٰ کہ آگے چل کر جب اہل مدینہ کے بعض لوگوں نے یزید کی بیعت توڑی تو انہوں نے بھی یزید کے خلاف اس روایت کو پیش نہیں کیا۔  
نیز یہ نومولود مفہوم حقائق کے بھی خلاف ہے کیونکہ یزید بن معاویہ امارت سنبھالتے وقت بچے تھے ہی نہیں۔

❀ ۶۰ سال بعد فتنہ سے متعلق حدیث ابی سعید خدری ❀

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (المتوفی ۲۴۱) نے کہا:

حدثنا أبو عبد الرحمن ، حدثنا حيوة ، أخبرني بشير بن أبي عمرو الخولاني أن الوليد بن قيس ، حدثه أنه سمع أبا سعيد الخدري ، يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: يكون خلف من بعد ستين سنة ﴿أضاعوا الصلاة ، واتبعوا الشهوات ، فسوف يلقون غيا﴾ ، ثم يكون خلف يقرؤون القرآن ، لا يعدو تراقيهم ، ويقراء القرآن ثلاثة : مؤمن ، ومنافق ، وفاجر قال بشير: فقلت للوليد : ما هؤلاء الثلاثة ، فقال : المنافق كافر به ، والفاجر يتأكل به ، والمؤمن يؤمن به .

صحابی رسول ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ: ”ساٹھ (۶۰) سال کے بعد ایسے خلف ہوں گے جو نماز ضائع کریں گے اور شہوات کی پیروی کریں گے یہ عنقریب جہنم کے گڑھے میں جائیں

گے۔ پھر اس کے بعد ایسے خلف ہوں گے جو قرآن تو پڑھیں گے مگر وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ اور قرآن کو پڑھنے والے تین لوگ ہوں گے: مؤمن، منافق اور فاجر۔ راوی حدیث بشیر کہتے ہیں کہ: میں نے (اپنے شیخ) ولید سے پوچھا یہ تین لوگ کیسے ہوں گے؟ تو انہوں نے جواب دیا: منافق قرآن کا انکار کرے گا، فاجر اس کے ذریعہ کھائے گا اور مؤمن اس پر ایمان لائے گا۔ [مسند أحمد ط المیمنیۃ: ۳/۳۸ و اسنادہ صحیح]۔

اس روایت کو بھی یزید پرفٹ کیا جاتا ہے اس تعلق سے عرض ہے کہ:

☆ **اولا:** اس پوری روایت میں کہیں بھی یزید کا نام و نشان نہیں ہے پھر اس روایت سے یزید کیسے مراد ہو سکتے ہیں، نیز اس روایت میں کسی ایک خاص شخص نہیں بلکہ کئی سارے لوگوں کی یہ علامت بتائی گی ہے۔ لیکن ان میں سے کسی خاص شخص کا نام بھی نہیں لیا گیا ہے۔ پھر یہ کس نے بتا دیا کہ یزید بھی ان لوگوں میں سے ایک ہے؟

☆ **ثانیا:** اس حدیث میں جن لوگوں کا ذکر ہے ان کے تارک صلاۃ ہونے کی بھی بات ہے لیکن یزید بن معاویہ کے بارے میں صحیح شہادت موجود ہے کہ وہ نماز کے پابند تھے جیسا کہ حسین رضی اللہ عنہ کے بھائی محمد بن الحنفیہ نے اپنی چشم دید گواہی پیش کی ہے یہ بات صحیح سند کے ساتھ گزر چکی ہے [دیکھئے: ص ۱۰۱] اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان لوگوں سے کوئی بھی مراد ہو لیکن یزید مراد نہیں ہو سکتے۔

☆ **ثالثا:** اس حدیث میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ساٹھ (۶۰) سال بعد کی صورت حال بتلائی ہے اور ساٹھ (۶۰) سال بعد سے ہجری سال مراد نہیں ہے کیونکہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ہجری سال کا رواج ہی نہیں تھا اس لئے ساٹھ (۶۰) سال بعد سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ساٹھ (۶۰) سال مراد ہیں۔ اور ہجری سال



کے اعتبار سے یہ سن ستر (۷۰) ہجری کے بعد کا دور ہے۔ اور یزید بن معاویہ اس دور سے پہلے ہی وفات پا چکے اس لئے وہ اس حدیث کے مصداق کسی صورت میں بھی نہیں ہو سکتے۔

✽ سن ستر (۷۰) سے پناہ مانگنے کا حکم اور امارت یزید بن معاویہ

امام ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ (المتوفی ۲۳۵ھ) نے کہا:

حَدَّثَنَا وَكِيعٌ ، عَنْ كَامِلٍ أَبِي الْعَلَاءِ ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : تَعَوَّذُوا بِاللَّهِ مِنْ رَأْسِ السَّبْعِينَ وَمِنْ إِمْرَةِ الصَّبِيَّانِ

ترجمہ: صحابی رسول ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سن ستر (۷۰) کے اوائل سے اللہ کی پناہ طلب کرو اور بچوں کی امارت سے پناہ طلب کرو [مصنف ابن ابی شیبہ: ۴۹/۱۵ و اسنادہ صحیح ومن طریق و کيع اخرجہ احمد فی مسنده: ۴۸۶/۱۵ و اخرجہ ايضا البزار: ۲۴۹/۱۶ و ابن عدی فی الكامل: ۲۱۰/۱۶ و ابو أحمد الحاكم فی الأسامی والکنی: ۱۶۹/۵ و ابویعلی کما فی البداية والنهاية: ۶۴۷/۱۱ کلہم من طریق کامل به ، و اخرجہ ايضا احمد بن منيع فی مسنده قال البوصیری فی إتحاف الخيرة المهرة: ۴۱/۸ رواه أحمد بن منيع، ورواته ثقات ، والحديث صححه الالبانی فی الصحيحہ رقم ۳۱۹۱]۔

یہ روایت مرفوع ہے یعنی فرمان رسول ہے اور بالکل صحیح ہے علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے الصحیحہ رقم (۳۱۹۱) میں صحیح قرار دیا ہے۔ اس کی سند پر تفصیلی بحث کے لئے دیکھئے: یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ: ۲۶۰ تا ۲۵۷۔

### مفہوم حدیث

اس حدیث میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سن ستر (۷۰) سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اس حدیث میں سن ستر (۷۰) سے کیا مراد ہے؟؟؟

ملا علی قاری رحمہ اللہ مشکاکہ کی شرح میں فرماتے ہیں:

أَيُّ مَنْ فِتْنَةٍ تَنْشَأُ فِي ابْتِدَاءِ السَّبْعِينَ مِنْ تَارِيخِ الْهَجْرَةِ، أَوْ وَفَاتِهِ عَلَيْهِ  
الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ

یعنی ایسے فتنہ سے اللہ کی پناہ طلب کرو جو سن ۷۰ ہجری یا آپ ﷺ کی وفات کے ۷۰

سال بعد کے ابتداء میں رونما ہوگا [مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاة المصابیح: ۶/۲۴۱۸]۔

یعنی ملا علی قاری رحمہ اللہ کے بقول اللہ کے نبی ﷺ نے سבעین (ستر سال) سے ہجرت

کے بعد کے ستر سال کو مراد لیا ہے یا اپنی وفات کے بعد کے ستر سال کو مراد لیا ہے۔

عرض ہے کہ ملا علی قاری نے جو دوسری بات کہی ہے وہی صحیح ہے یعنی اللہ کے نبی ﷺ کی

اس حدیث میں سבעین سے ہجری سال مراد لینا قطعاً غلط ہے کیونکہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ہجری سال کا کوئی تصور ہی نہیں تھا اس لئے کہ ہجری سال بولنے کا رواج تو خلیفہ دوم عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور سے شروع ہوا ہے۔

لہذا یہ بات طے ہو جاتی ہے کہ مذکورہ حدیث میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سن ستر

(۷۰) سے اپنی وفات کے بعد کے ستر (۷۰) سال مراد لئے ہیں کیونکہ آپ مستقبل کی

پیشین گوئی کر رہے ہیں اس لئے ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے بعد ہی

سے ستر (۷۰) سال مراد لے رہے ہیں، یاد رہے کہ مذکورہ حدیث کے راوی ابو ہریرہ رضی

اللہ عنہ ہیں جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے تین سال قبل اسلام قبول کیا

اور عین ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو اپنی زندگی کے آخری

ایام میں مذکورہ حدیث سنائی ہو ایسی صورت میں اگر مذکورہ حدیث کے صدور کے بعد کا

ستر (۷۰) سال مراد لیں تب بھی بات ایک ہی ہوگی یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ

حدیث اپنے سال وفات ہی میں ارشاد فرمائی۔

اور وفات رسول کی تاریخ، ہجری سال کے اعتبار سے گیارہ (۱۱) ہجری ہے اور وفات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کا ستر (۷۰) سال بشمول سال وفات، ہجری سال کے اعتبار سے اسی (۸۰) ہجری کا سال ہوگا، گویا کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں سن اسی (۸۰) ہجری کے اوائل سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے۔

ایسی صورت میں امیر یزید بن معاویہ اس حدیث کے مصداق ہو ہی نہیں سکتے کیونکہ یزید بن معاویہ تو اسی (۸۰) ہجری سے ۱۶ سال قبل سن چوسٹھ ۶۴ ہجری ہی کو وفات پا گئے۔

اور اگر مذکورہ حدیث میں سبعین سے مراد سن ستر (۷۰) ہجری ہی لے لیں (جو کہ قطعاً غلط ہے) تو بھی امیر یزید کا عہد اس کا مصداق نہیں ہوگا کیونکہ امیر یزید بن معاویہ تو (۷۰) ہجری سے ۶ سال قبل ہی سن چوسٹھ ۶۴ ہجری میں وفات پا گئے۔

اگر کوئی کہے کہ مذکورہ حدیث میں سبعین سے مراد ستر (۷۰) کی دہائی یعنی پورا عشرہ ہے یعنی ۶۰ ہجری سے لیکر ۷۰ تک کا دور ہے تو عرض ہے کہ مذکورہ حدیث کے کسی بھی طریق میں عشر السبعین (ستر کی دہائی) کا لفظ نہیں ہے بلکہ ابویعلیٰ رحمہ اللہ کی روایت میں ”رأس السبعین“ کی جگہ ”سَنَةِ سَبْعِينَ“ ہے جو اس بات کی زبردست دلیل ہے کہ مذکورہ حدیث میں صرف سن ستر (۷۰) مراد ہے نہ کہ ستر (۷۰) کی دہائی یعنی پورا عشرہ۔

امام بصری رحمہ اللہ (المتوفی ۸۴۰) نے ابویعلیٰ کے الفاظ کو نقل کرتے ہوئے کہا:  
وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ - قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ”تَعَوَّذُوا بِاللَّهِ مِنْ رَأْسِ السَّبْعِينَ وَمِنْ إِمَارَةِ الصِّيَّانِ“، رَوَاهُ أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، وَرَوَاتُهُ ثِقَاتٌ. وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَأَبُو يَعْلَى إِلَّا أَنَّهُ قَالَ: ”تَعَوَّذُوا بِاللَّهِ مِنْ سَنَةِ سَبْعِينَ“

صحابی رسول ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”سن ستر (۷۰) کے اوائل سے اللہ کی پناہ طلب کرو اور بچوں کی امارت سے پناہ

طلب کرو“۔ اسے احمد بن منیع نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔ اور ابو بکر ابن ابی شیبہ نے بھی اسے روایت کیا ہے اور ابو یعلیٰ نے بھی روایت کیا ہے مگر انہوں نے کہا: ”سن ستر (۷۰) سے اللہ کی پناہ طلب کرو“۔ [تحاف الخیرة المہرة للبو صیری: ۸/ ۴۱]۔

ابو یعلیٰ کی اس روایت کو مکمل سند کے ساتھ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے یوں نقل کیا ہے:

وَقَالَ الْحَافِظُ أَبُو يَعْلَى: حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، ثَنَا الْفَضْلُ بْنُ ذُكَيْنٍ، ثَنَا كَامِلٌ أَبُو الْعَلَاءِ، سَمِعْتُ أَبَا صَالِحٍ، سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: تَعَوَّذُوا بِاللَّهِ مِنْ سَنَةِ سَبْعِينَ، وَمِنْ إِمَارَةِ الصَّبْيَانِ صحابی رسول ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”سن ستر (۷۰) کے اوائل سے اللہ کی پناہ طلب کرو اور بچوں کی امارت سے پناہ طلب کرو“۔ اسے احمد بن منیع نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔ اور ابو بکر ابن ابی شیبہ نے بھی اسے روایت کیا ہے اور ابو یعلیٰ نے بھی روایت کیا ہے مگر انہوں نے کہا: ”سن ستر (۷۰) سے اللہ کی پناہ طلب کرو“۔ [البدایة والنهاية: ۱۱/ ۶۴۷ و اسنادہ صحیح]۔

یہ سند بالکل صحیح ہے کامل بن العلاء اور ابوصالح کے تعارف کے لئے دیکھیں: یزید بن معاویہ پر الزامات کا جائزہ: ص ۲۵ تا ۲۶۰، اور زہر بن حرب اور فضل بن دکین یہ دونوں بھی زبردست ثقہ راوی نیز بخاری و مسلم کے رجال میں سے ہیں۔

لطف کی بات یہ ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک موقوف روایت ملتی ہے جس میں انہوں نے رأس السستین کے دور سے پناہ مانگی، لیکن اس روایت سے متعلق کوئی نہیں کہتا کہ اس سے مراد ستین (۶۰) کی دہائی یعنی (۶۰) کا پورا عشرہ ہے، اور اس میں پچاس (۵۰) سے لیکر ساٹھ (۶۰) سال تک کے دس سال مراد ہیں، اور ان دس سالوں کے ابتدائی ایام سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پناہ مانگی ہے، کیونکہ ایسی صورت میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ دعاء بالکل بے معنی نظر آئے گی کیونکہ وہ ایسے دور سے قبل فوت ہونے کی دعاء کر رہے ہیں

جس دور کو وہ پاچکے ہیں اور اسی میں سانس لے رہے ہیں۔

پھر اگر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی دعاء رأس الستین میں ساٹھ (۶۰) سے مراد پورا عشرہ نہیں لیا جاسکتا تو پھر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان رَأْسِ السَّبْعِينَ سے بھی ستر (۷۰) کا پورا عشرہ مراد نہیں لیا جاسکتا۔

اگر کوئی کہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی دعاء سے متعلق بعض طرق میں سَنَةِ سَتِينَ کا لفظ ہے تو عرض ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ کی مذکورہ حدیث کے بھی بعض طرق میں سَنَةِ سَبْعِينَ کا لفظ ہے جیسا کہ ماقبل میں امام ابو یعلیٰ کی روایت پیش کی گئی ہے۔

یاد رہے کہ راقم الحروف کے نزدیک وہ تمام روایات غیر ثابت شدہ ہیں جن میں یہ ملتا ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے سن ساٹھ ہجری یا اس کے اوائل سے پناہ مانگی البتہ پناہ مانگنے کی صراحت کے بغیر بعض مستند روایات میں صرف یہ ملتا ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ دعاء کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ساٹھ ہجری سے قبل وفات دے دے، اور کسی زمانے سے پناہ طلب کرنا اور کسی زمانے سے قبل موت کی دعا کرنا ان دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

ایسی صورت میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ فرمان اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی دعاء میں کوئی تعارض نہیں ہے، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دور سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے لیکن اس سے قبل موت مانگنے کا حکم نہیں دیا ہے جبکہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک خاص دور سے قبل موت طلب کی ہے، لہذا اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مرفوع حدیث اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی موقوف روایت دونوں الگ الگ چیزیں ہیں، اور الگ الگ زمانے سے متعلق ہیں۔

رہی بات یہ کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے سن ساٹھ ہجری سے قبل موت کی دعا کیوں کی تو عرض ہے کہ اس سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس دور میں کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش

آنے والا ہے لیکن اس کی ذمہ داری یزید پر ہوگی یہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی دعاء سے قطعاً ثابت نہیں ہوتا، بلکہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بعض نصیحتوں سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس ناخوشگوار واقعہ کے ذمہ دار وہ لوگ ہوں گے جو یزید بن معاویہ کے خلاف سازش کریں گے اس کی تفصیل ہم آئندہ سطور میں پیش کریں گے [دیکھئے: ص ۱۳۴] فی الحال ہم اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ حدیث پر بات کر رہے ہیں۔

الغرض یہ کہ جس طرح ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی دعاء ”رَأْسُ السَّبْعِينَ“ میں ساٹھ (۶۰) سے مراد پورا عشرہ نہیں لیا جاتا اسی طرح اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ”رَأْسُ السَّبْعِينَ“ سے بھی ستر (۷۰) کا پورا عشرہ مراد نہیں لیا جاسکتا۔

واضح رہے کہ یہ باتیں اس صورت میں کہی جائیں گی جب یہ فرض کر لیا جائے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے اپنے مذکورہ فرمان میں ”سبعین“ سے ہجری سال مراد لیا ہے لیکن ہم پہلے وضاحت کر آئے ہیں کہ اس حدیث میں ”سبعین“ سے ہجرت کے بعد کے ستر (۷۰) سال نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ستر (۷۰) سال مراد ہیں، کیونکہ ہجری سال کا رواج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں تھا ہی نہیں۔

اس تفصیل کے بعد عرض ہے کہ اس مرفوع حدیث کا مصداق یزید بن معاویہ تو درکنار یزید بن معاویہ کا زمانہ بھی نہیں ہے۔

### بچوں کی امارت کا دور

اس حدیث رسول میں بھی سن (۷۰) کے ساتھ ساتھ بچوں کی امارت کا بھی ذکر ہے جس طرح ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ایک قول میں سن ساٹھ (۶۰) ہجری اور بچوں کی امارت کا ذکر ہے، لیکن حدیث رسول میں سن ساٹھ (۶۰) ہجری نہیں، بلکہ سن ستر (۷۰) کا ذکر ہے، جس سے سن اسی (۸۰) ہجری مراد ہے کما مضمی۔

اب اگر اس حدیث سے بھی اسی طرح استدلال کیا جائے جس طرح ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول سے استدلال کیا جاتا ہے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ فرمان رسول کے مطابق کم عمر بچوں کی امارت کا دور وفات رسول کے بعد سن ستر (۷۰) یعنی اسی (۸۰) ہجری کا ہے۔

پھر ایسی صورت میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول فرمان رسول کے خلاف ہونے کی صورت میں غیر مسموع ہوگا، اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہی مقدم ہوگا یعنی کم عمر بچوں کی امارت کا دور اسی (۸۰) ہجری ہوگا نہ کہ ساٹھ (۶۰) ہجری اور ایسی صورت میں یزید کی امارت کو کم عمر بچوں کی امارت قرار دینا فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خلاف ورزی ہوگی، کیونکہ یزید اس دور سے بہت ہی قبل اس دنیا سے رحلت فرما گئے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے مذکورہ قول اور اللہ کے نبی ﷺ کے مذکورہ فرمان میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ ان دونوں میں کم عمر بچوں کی امارت کے دور کی تحدید نہیں کی گئی ہے بلکہ دو الگ الگ باتوں کا بیان ہے، ایک بات کا تعلق محدود دور میں رونما ہونے والے مخصوص فتنہ سے ہے اور دوسری بات کا تعلق کم عمر بچوں کی امارت سے ہے لیکن یہ امارت کس زمانہ میں ہوگی اس کا بیان مذکورہ دونوں روایات میں سے کسی میں نہیں، اور مذکورہ دونوں باتوں کے درمیان عربی کا جو ”و“ ہے یہ واو مغایرت کے لئے ہے جیسا کہ تعوذ کی تمام دعاؤں کا معاملہ ہے۔

شیخ عبدالرحمن العقی ”سبعین“ والی روایت سے متعلق لکھتے ہیں:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: تَعَوَّذُوا بِاللَّهِ مِنْ رَأْسِ السَّبْعِينَ وَمِنْ إِمَارَةِ الصَّبِيَّانِ، فَإِنْ إِمَارَةَ الصَّبِيَّانِ غَيْرَ رَأْسِ السَّبْعِينَ، وَلَيْسَ الْمَعْنَى أَنْ إِمَارَةَ الصَّبِيَّانِ تَكُونَ عَلَى رَأْسِ السَّبْعِينَ، وَذَلِكَ لِأَنَّ الْوَائِلَ لِلْمَغَايِرَةِ كَقَوْلِ الْقَائِلِ: أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الْإِشْتِرَاكِیَّةِ وَالرَّأْسَمَالِیَّةِ.....

ترجمہ: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سن ستر (۷۰) کے اوائل سے پناہ طلب کرو اور بچوں کی امارت سے پناہ طلب کرو۔ یہاں بچوں کی امارت کا دور سن ستر (۷۰) میں نہیں بتایا گیا ہے اور اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بچوں کی امارت ستر (۷۰) کے اوائل ہی میں ہوگی کیونکہ یہاں واؤ مغایرت کے لئے ہے، جیسے کوئی یہ کہے کہ میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں اشتراکی نظام اور سرمایہ دارانہ نظام سے۔۔۔۔ [مسائل سلطانیہ للشیخ: عبد الرحمن العقبی (ص ۸) ترقیم الشاملة]

اس تطبیق سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان میں کوئی تعارض باقی نہیں رہتا ہے۔

اگر کوئی اس تطبیق سے راضی نہیں ہے تو اس پر لازم ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول پر مقدم کرے اور یہ تسلیم کرے کہ وفات رسول کے ستر سال بعد تک یعنی اسی (۸۰) ہجری کے اوائل تک بچوں کی امارت کا وجود ناممکن ہے کیونکہ اللہ کے نبی ﷺ نے اس کا وجود اپنی وفات کے ستر سال بعد بتایا ہے۔

### حدیث مذکور کا مصداق کون؟؟؟

ہم اوپر مفصل وضاحت کر چکے ہیں کہ حدیث مذکور کا مصداق یزید بن معاویہ کو قطعاً نہیں بتایا جاسکتا، لیکن اب سوال یہ ہے کہ پھر اس کا مصداق کیا ہے؟ حدیث میں مذکور عہد میں کون سا ایسا شدید فتنہ تھا جس سے اللہ کے نبی ﷺ اپنی امت کو پناہ مانگنے کا حکم دیا؟؟؟ تو عرض ہے کہ

### اولاً:

اصل حقیقت اللہ ہی کو معلوم ہے کیونکہ وفات رسول ﷺ کے بعد پیش آنے والے حوادث و فتن کی باتیں کوئی شریعت کا حصہ نہیں ہیں کہ ان کی بھی حفاظت کی ذمہ داری اللہ نے



لی ہو، علامہ البانی رحمہ اللہ تو حدیث کی تشریح اور اس پر عمل کرنے والوں کے نام اور اس کے مطابق امت کے اقوال و اعمال کے بارے میں بھی کہتے ہیں کہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ نے نہیں لی ہے بلکہ صرف کتاب و سنت کی حفاظت کی ذمہ داری ہے، چنانچہ علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لأن الله تعالى لم يتعهد لنا بحفظ أسماء كل من عمل بنص ما من كتاب أو سنة وإنما تعهد بحفظهما فقط كما قال: ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ فوجب العمل بالنص سواء علمنا من قال به أو لم نعلم الله تعالى نے اس بات کی ضمانت نہیں لی ہے کہ کتاب و سنت پر عمل کرنے والے جملہ حضرات کے اسماء کی حفاظت کرے گا، بلکہ اس نے صرف، کتاب و سنت کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے جیسا کہ فرمایا: (ذکر کو ہم نے ہی نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے) پس کسی بھی ثابت شدہ نص پر عمل کرنا واجب ہوگا، خواہ اس کے قائلین یا اس پر عمل کرنے والوں کے نام معلوم ہوں یا نہ ہوں [آداب الزفاف فی السنة المطهرة: ۲۶۷]۔

### ثانیا:

مذکورہ عہد حجاج بن یوسف کی امارت کا عہد ہے، حجاج بن یوسف نے گرچہ اچھے کام بھی کئے لیکن یہ بات مسلم ہے کہ اس نے بہت سارے صحابہ کرام اور تابعین عظام کو بہت ہی بے دردی سے قتل کیا اور اپنی بات منوانے میں حد درجہ سختی سے کام لیتا تھا وغیرہ وغیرہ۔۔۔ ممکن ہے حدیث مذکور میں اسی فتنہ کی طرف اشارہ ہو کیونکہ حجاج بن یوسف کا فتنہ بھی کوئی معمولی فتنہ نہ تھا۔

بلکہ ایک روایت میں تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے صراحتاً شر قرار دیا ہے چنانچہ مسند احمد کی روایت میں اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

وَاللّٰهُ لَقَدْ أَخْبَرَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " : أَنَّهُ سَيَخْرُجُ مِنْ تَقْيِيفٍ كَذَّابَانِ، الْآخِرُ مِنْهُمَا شَرٌّ مِنَ الْأَوَّلِ، وَهُوَ مُبِيرٌ  
ترجمہ: اللہ کی قسم! اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خبر دی ہے کہ بنو ثقیف میں دو کذاب آدمیوں کا خروج عنقریب ہوگا، جس میں دوسرا پہلے کی بنسبت زیادہ بڑے شر اور فتنے والا ہوگا اور وہ مبیر ہوگا [مسند أحمد: ۵۲۹/۴] واسنادہ صحیح علی شرط الشیخین۔

صحیح مسلم میں بھی یہی روایت موجود ہے اس میں اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہ کے الفاظ یہ ہیں:

إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدَّثَنَا أَنَّ فِي تَقْيِيفٍ كَذَّابًا وَمُبِيرًا فَأَمَّا الْكَذَّابُ فَرَأَيْنَاهُ وَأَمَّا الْمُبِيرُ فَلَا إِخَالِكَ إِلَّا بِإِيَّاهِ  
ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے ایک حدیث بیان فرمائی تھی قبیلہ ثقیف میں ایک کذاب اور ایک ظالم ہوگا کہ کذاب کو تو ہم نے دیکھ لیا اور ظالم میں تیرے علاوہ کسی کو نہیں سمجھتی [صحیح مسلم: ۴/۱۹۷۱]۔

یاد رہے کہ صحابہ و تابعین اور سلف نے متفقہ طور پر حجاج بن یوسف کو اس حدیث کا مصداق قرار دیا ہے، اس لئے بعید نہیں کہ مذکورہ حدیث میں بھی اسی کے فتنے کی طرف اشارہ ہو و اللہ اعلم۔

### ❁ ج: بعض آثار صحابہ سے غلط استدلال

❁ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، سن ساٹھ (۶۰) ہجری اور بچوں کی امارت

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ ثابت ہے کہ انہوں نے سن ساٹھ ہجری سے قبل فوت ہونے کی دعاء کی ہے لیکن اس سے یزید بن معاویہ کی کوئی مذمت ثابت نہیں ہوتی بلکہ یزید

بن معاویہ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، تفصیل ملاحظہ ہو:

امام أبو العباس الأصم محمد بن یعقوب بن یوسف النیسابوری (المتوفی ۳۲۶ھ) نے کہا:  
أخبرنا العباس بن الوليد أخبرني أبي حدثني ابن جابر عن عمير بن  
هانء أنه حدثه قال كان أبو هريرة يمشي في سوق المدينة وهو يقول اللهم  
لا تدركني سنة الستين ويحكم تمسكوا بصدغي معاوية اللهم لا تدركني  
إمارة الصبيان

عمر بن ہانی کہتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مدینہ کے بازار میں چلتے اور کہتے اے اللہ!  
مجھے سن ساٹھ کا زمانہ نہ ملے، اور کہتے اے لوگو! امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکمت عملی کو لازم  
پکڑو نیز یہ بھی کہتے کہ اے اللہ! مجھے بچوں کی امارت کا دور نہ ملے [الثانی من حدیث ابی  
العباس الاصم: ق ۱۷۰۲/۱۶۹/۱ واسنادہ صحیح و اخرجه البيهقي في دلائل النبوة  
للبیهقي ۴۶۶/۶ وابن عساکر فی تاریخ دمشق: ۲۱۷/۵۹ من طریق ابی العباس به ونقله  
ابن کثیر فی البدایة والنهاية: ۲۵۶/۶ و المقریزی فی إمتاع الأسماع: ۲۳۲/۱۲ بهذا اللفظ  
و اخرجه ايضا ابو زرعة الدمشقي فی تاریخه ص: ۲۳۱ بدون لفظ إمارة الصبيان]۔

مذکورہ روایت موقوف ہے یعنی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک دعاء ہے اس روایت میں  
ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی دعاء سے متعلق دو باتیں ہیں۔

## اول :

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے سن ساٹھ (۶۰) ہجری کا دور نہ پانے کی دعاء کی ہے۔

## دوم:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بچوں کی امارت کا دور نہ پانے کی دعاء کی ہے۔  
چونکہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اس قول میں مذکورہ دونوں باتیں ایک ساتھ مذکور ہیں اس  
لئے بعض لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ یہ دونوں باتیں ایک ہی دور سے تعلق رکھتی ہیں۔

حالانکہ یہ سمجھ رسول اکرم ﷺ کی صحیح اور صریح حدیث کی روشنی میں قطعی طور پر غلط ہے۔  
ذرا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی اللہ کے نبی ﷺ کی اس حدیث کو غور سے پڑھیں:  
امام ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ (المتوفی ۲۳۵) نے کہا:

حَدَّثَنَا وَكِيعٌ ، عَنْ كَامِلٍ أَبِي الْعَلَاءِ ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ،  
قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : تَعَوَّذُوا بِاللَّهِ مِنْ رَأْسِ السَّبْعِينَ وَمِنْ أَمْرَةِ  
الصَّبِيَّانِ

ترجمہ: صحابی رسول ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سن ستر (۷۰) کے اوائل سے پناہ طلب کرو اور بچوں کی امارت سے پناہ طلب کرو [مصنف ابن ابی شیبہ: ۴۹/۱۵ و اسنادہ صحیح ومن طریق وکیع اخرجہ احمد فی مسندہ: ۴۸۶/۱۵ و اخرجہ ایضا البزار: ۲۴۹/۱۶ و ابن عدی فی الکامل: ۲۱۰۱/۶ و ابو أحمد الحاکم فی الأسامی والکنی: ۱۶۹/۵ و ابویعلی کما فی البدایہ والنہایہ: ۶۴۷/۱۱ کلہم من طریق کامل بہ ، و اخرجہ ایضا احمد بن منیع فی مسندہ قال البوصیری فی إتحاف الخیرة المہرۃ: ۴۱/۸ رواہ أحمد بن منیع، ورواہ ثقات، والحديث صححه الالبانی فی الصحیحہ رقم ۳۱۹۱]۔

یہ کسی صحابی کا قول نہیں بلکہ مرفوع حدیث ہے یعنی اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

اس فرمان رسول میں بھی دو باتیں ہیں:

### اول:

اس حدیث میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سن ستر (۷۰) کے دور سے پناہ طلب کرنے کا حکم دیا ہے۔

ستر (۷۰) سے مراد ہجری تاریخ نہیں ہے کیونکہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے

دور میں ہجری تاریخ کا رواج ہی نہ تھا، اس لئے اس سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کے ستر سال ہیں اور ہجری سال کے اعتبار سے یہ سن اسی (۸۰) ہجری کا دور ہوگا جیسا کہ ہم نے اس کی پوری تفصیل ”سن ستر (۷۰)“ سے پناہ مانگنے کا حکم اور امارت یزید بن معاویہ کے عنوان کے تحت پیش کی ہے۔ دیکھئے یہی کتاب ص ۱۱۳ تا ۱۱۸۔

## دوم:

اس حدیث میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں کی امارت کے دور سے پناہ طلب کرنے کا حکم دیا ہے۔

یعنی اس حدیث رسول میں بھی اسی طرح دو باتیں ایک ساتھ مذکور ہیں جس طرح ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول میں ہیں، لیکن حدیث رسول میں سن ساٹھ (۶۰) ہجری نہیں، بلکہ سن ستر (۷۰) کا ذکر ہے، جس سے سن اسی (۸۰) ہجری مراد ہے کما مضی۔

اب اگر اس حدیث سے بھی اسی طرح استدلال کیا جائے جس طرح ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول سے استدلال کیا جاتا ہے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ فرمان رسول کے مطابق کم عمر بچوں کی امارت کا دور وفات رسول کے ستر سال بعد یعنی اسی (۸۰) ہجری کا ہے۔

پھر ایسی صورت میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول فرمان رسول کے خلاف ہونے کی صورت میں غیر مسموع ہوگا، اور اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہی مقدم ہوگا یعنی کم عمر بچوں کی امارت کا دور اسی (۸۰) ہجری ہوگا نہ کہ ساٹھ (۶۰) ہجری اور ایسی صورت میں یزید بن معاویہ کی امارت کو کم عمر بچوں کی امارت قرار دینا فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خلاف ورزی ہوگی، کیونکہ یزید بن معاویہ اس دور سے بہت ہی قبل اس دنیا سے رحلت فرما گئے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے مذکورہ قول اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ فرمان میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ ان دونوں میں کم عمر بچوں کی امارت کے دور

کی تحدید نہیں کی گئی ہے بلکہ دو الگ الگ باتوں کا بیان ہے، ایک بات کا تعلق محدود دور میں رونما ہونے والے مخصوص فتنہ سے ہے اور دوسری بات کا تعلق کم عمر بچوں کی امارت سے ہے لیکن یہ امارت کس زمانہ میں ہوگی اس کا بیان مذکورہ دونوں روایات میں سے کسی میں نہیں، اور مذکورہ دونوں باتوں کے درمیان عربی کا جو ”و“ ہے یہ واو مغایرت کے لئے ہے جیسا کہ تعوذ کی دعاؤں کا معاملہ ہے۔

شیخ عبدالرحمن العقیلی ”سبعین“ والی روایت سے متعلق لکھتے ہیں:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ”تَعَوَّذُوا بِاللَّهِ مِنْ رَأْسِ السَّبْعِينَ وَمِنْ إِمَارَةِ الصَّبِيَّانِ“، فَإِنْ إِمَارَةَ الصَّبِيَّانِ غَيْرَ رَأْسِ السَّبْعِينَ، وَلَيْسَ الْمَعْنَى أَنْ إِمَارَةَ الصَّبِيَّانِ تَكُونَ عَلَى رَأْسِ السَّبْعِينَ، وَذَلِكَ لِأَنَّ الْوَائِلَ لِلْمَغَايِرَةِ كَقَوْلِ الْقَائِلِ: أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الْإِشْتِرَاكِ وَالرَّأْسَمَالِيَةِ .....

ترجمہ: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سن ستر (۷۰) کے اوائل سے پناہ طلب کرو اور بچوں کی امارت سے پناہ طلب کرو۔ یہاں بچوں کی امارت کا دور سن ستر (۷۰) میں نہیں بتایا گیا ہے اور اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بچوں کی امارت ستر (۷۰) کے اوائل ہی میں ہوگی کیونکہ یہاں واو مغایرت کے لئے ہے، جیسے کوئی یہ کہے کہ میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں اشتراک کی نظام اور سرمایہ دارانہ نظام سے۔۔۔۔ [مسائل سلطانیہ: ص ۸ للشیخ: عبد الرحمن العقبی]۔

اس تطبیق سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان میں کوئی تعارض باقی نہیں رہتا ہے۔

اگر کوئی اس تطبیق سے راضی نہیں ہے تو اس پر لازم ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول پر مقدم کرے اور یہ تسلیم کرے وفات رسول کے ستر سال

بعد تک یعنی اسی (۸۰) ہجری کے اوائل تک بچوں کی امارت کا وجود ناممکن ہے کیونکہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا وجود اپنی وفات کے ستر سال بعد بتایا ہے۔

### بچوں کی امارت کا دور کب؟؟؟

گذشتہ سطور میں یہ وضاحت کی جا چکی ہے کہ روایات میں صرف یہ ملتا ہے کہ بچوں کی امارت کا دور آئے گا مگر یہ دور کب آئے گا اس بارے میں کوئی صریح روایت نہیں۔  
بچوں کی امارت سے متعلق اور بھی معتدروایات ہیں لیکن کسی ایک میں بھی سرے سے کسی خاص زمانہ کا ذکر ہی نہیں ہے۔

البتہ ایک موقوف روایت میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سن ساٹھ سے قبل وفات کی دعاء کر رہے ہیں اور اسی روایت میں بچوں کی امارت کو بھی نہ پانے کی دعاء کر رہے ہیں لیکن دوسری طرف ایک مرفوع حدیث میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے ستر سال بعد یعنی سن اسی (۸۰) ہجری سے پناہ مانگنے کا حکم دیے رہے ہیں اور ساتھ ہی میں بچوں کی امارت سے بھی پناہ مانگنے کا حکم دے رہے ہیں، یہ مرفوع روایت سامنے آنے کی بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی موقوف روایت میں یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مرفوع حدیث میں بچوں کی امارت والے دور کی تحدید نہیں ہے۔

### حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا تسامح

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بچوں کی امارت کے دور کی شروعات یزید بن معاویہ سے مانی ہے چنانچہ کہا:

أَنَّ الْمَذْكُورِينَ مِنْ جُمْلَتِهِمْ وَأَنَّ أَوْلَهُمْ يَزِيدُ

یعنی مذکورہ بچے بھی انہیں لوگوں میں سے ہیں جن کی امارت کی طرف حدیث میں اشارہ

ہے اور ان میں سے پہلا شخص یزید ہے [فتح الباری: ۱۳/۱۰]۔

حافظ موصوف اپنی اس بات کی دلیل دیتے ہوئے کہتے ہیں:  
 كَمَا دَلَّ عَلَيْهِ قَوْلُ أَبِي هُرَيْرَةَ رَأْسُ السَّيِّئِينَ وَإِمَارَةُ الصَّبِيَّانِ  
 جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول اس پر دلالت کرتا ہے کہ اے اللہ! مجھے سن ساٹھ کا  
 زمانہ نہ ملے، اے اللہ! مجھے بچوں کی امارت کا دور نہ ملے [فتح الباری: ۱۳/۱۰]۔

معلوم ہوا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یزید بن معاویہ کی امارت کو بچوں کی امارت کہنے  
 کے لئے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی موقوف روایت کو دلیل بنایا ہے لیکن ہم عرض کر چکے ہیں ایک  
 صحیح مرفوع روایت میں بچوں کی امارت کے ساتھ ساتھ سن ستر (۷۰) کا تذکرہ ہے جس  
 سے (۸۰) ہجری مراد ہے۔ اب اگر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے طریقہ استدلال کو بروئے کار  
 لایا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ بچوں کی امارت کی ابتداء سن اسی ۸۰ ہجری سے ہوگی، اور ایسی  
 صورت میں ابو ہریرہ رضی اللہ کا قول، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے خلاف ہونے  
 کے سبب غیر مسموع ہوگا۔

لیکن صحیح بات یہ ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی موقوف روایت اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ  
 وسلم کی مرفوع حدیث، دونوں میں محدود سن والے جملے اور بچوں کی امارت والے جملہ کو الگ  
 الگ سمجھا جائے، جیسا کہ گذشتہ سطور میں تفصیل پیش کی جا چکی ہے۔

یاد رہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا یزید کی امارت کو بھی بچوں کی امارت میں شمار کرنا واضح  
 حقائق کے خلاف ہے کیونکہ یزید امارت سنبھالتے وقت بچے تھے ہی نہیں، حافظ موصوف کو  
 بھی یہ اشکال محسوس ہوا اس لئے انہوں نے یہ تاویل پیش کی:

وَقَدْ يُطْلَقُ الصَّبِيُّ وَالْغُلَيْمُ بِالتَّصْغِيرِ عَلَى الضَّعِيفِ الْعَقْلِ وَالتَّدْبِيرِ  
 وَالْدِّينِ وَلَوْ كَانَ مُحْتَلِمًا وَهُوَ الْمُرَادُّ هُنَا فَإِنَّ الْخُلَفَاءَ مِنْ بَنِي أُمَيَّةَ لَمْ يَكُنْ  
 فِيهِمْ مَنْ اسْتُخْلِفَ وَهُوَ دُونَ الْبُلُوغِ وَكَذَلِكَ مَنْ أَمَرُوهُ عَلَى الْأَعْمَالِ  
 صبی اور غلیم کا اطلاق کم عقل و کم فہم پر بھی ہوتا ہے اگرچہ وہ بالغ ہی کیوں نہ ہو اور اس



حدیث میں بچوں سے یہی مراد ہے کیونکہ بنو امیہ میں کوئی بھی خلیفہ نابالغ نہیں گذرا ہے اسی طرح ان کے عمال بھی سب کے سب بالغ تھے [فتح الباری: ۱۳/۹]۔

ہم کہتے ہیں کہ یہ تاویل بے سود ہے کیونکہ یزید کم عقل بھی نہ تھے، ان کے ظالم ہونے کا پروپیگنڈا تو کچھ لوگوں نے کیا ہے لیکن ان پر کم عقلی کا الزام تو کسی ایک نے بھی نہیں لگایا، معلوم نہیں حافظ موصوف نے انہیں کم عقل کیسے باور کر لیا۔

نیز اصول یہی ہے کہ اصلاً نصوص شریعت کو حقیقت پر محمول کیا جائے لہذا بچوں کی امارت والی حدیث حقیقت ہی پر محمول ہوگی کیونکہ اس کی تاویل کے لئے کوئی دلیل موجود نہیں ہے مزید یہ کہ سلف میں سے کسی نے بھی اس حدیث کی تاویل نہیں کی ہے بلکہ خود حافظ ابن حجر (المتوفی ۸۵۲) رحمہ اللہ کے بقول الفاظ حدیث کے معانی پر کتاب لکھنے والے امام ابن الاثیر (المتوفی ۶۰۶) رحمہ اللہ نے اس طرح کے الفاظ کو حقیقت پر محمول کیا ہے، حافظ موصوف فرماتے ہیں:

وَقَالَ بِنُ الْأَثِيرِ الْمُرَادُ بِالْأَغِيلْمَةِ هُنَا الصَّبِيَّانِ وَلِلذَلِكَ صَغَرَهُمْ

امام ابن الاثیر رحمہ اللہ نے کہا کہ یہاں اغیلمة سے مراد چھوٹے بچے ہیں اسی لئے اس کی تصغیر لائی گئی ہے [فتح الباری: ۱۳/۱۰ وانظر: النهاية في غريب الحديث لابن الاثير: ۳۸۲/۳]۔

اسی طرح سلف میں سے کسی نے بھی یزید کو اس حدیث کا مصداق نہیں بتلایا ہے بلکہ صحیح بخاری کی ایک روایت کے مطابق سعید بن عمرو رحمہ اللہ نے اس کا مصداق دوسرے ایسے بچوں کو بتلایا ہے جن کا زمانہ عہد یزید سے بہت بعد کا زمانہ ہے۔

چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا:

حدثنا موسى بن إسماعيل، حدثنا عمرو بن يحيى بن سعيد بن عمرو بن

سعید، قال: أخبرني جدي، قال: كنت جالسا مع أبي هريرة في مسجد النبي ﷺ بالمدينة، ومعنا مروان، قال أبو هريرة: سمعت الصادق المصدوق يقول: هلكة أمتي على يدي غلطة من قریش فقال مروان: لعنة الله عليهم غلطة. فقال أبو هريرة: لو شئت أن أقول: بني فلان، وبني فلان، لفعلت. فكنت أخرج مع جدي إلى بني مروان حين ملكوا بالشأم، فإذا رآهم غلمانا أحداثا قال لنا عسى هؤلاء أن يكونوا منهم؟ قلنا: أنت أعلم

عمر بن یحییٰ بن سعید نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ مجھے میرے دادا سعید نے خبر دی، کہا کہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس مدینہ منورہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں بیٹھا تھا اور ہمارے ساتھ مروان بھی تھا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے صادق و مصدوق سے سنا ہے آپ نے فرمایا کہ میری امت کی تباہی قریش کے چند لڑکوں کے ہاتھ سے ہوگی۔ مروان نے اس پر کہا ان پر اللہ کی لعنت ہو۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر میں چاہوں تو یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ وہ کس کس خاندان سے ہوں گے۔ پھر جب بنی مروان شام کی حکومت پر قابض ہو گئے تو میں (عمر بن یحییٰ بن سعید بن عمرو) اپنے دادا (سعید بن عمرو) کے ساتھ ان کی طرف جاتا تھا۔ جب وہاں انہوں (سعید بن عمرو) نے نوجوان لڑکوں کو دیکھا تو کہا کہ شاید یہ انہی میں سے ہوں۔ ہم نے کہا کہ آپ کو زیادہ علم ہے [صحیح البخاری (۹/۴۷): - کتاب الفتن: باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: هلاك أمتي على يدي أغيلة سفهاء،، رقم ۷۰۸۵ -]

اور مسند احمد کی روایت میں ہے:

فَإِذَا هُمْ يُبَايِعُونَ الصَّبِيَّانَ مِنْهُمْ، وَمَنْ يُبَايِعُ لَهُ، وَهُوَ فِي خِرْقَةٍ

وہ لوگ بچوں سے بھی بیعت لے رہے تھے، اور ایسے بچے سے بھی بیعت لے رہے تھے

جو کپڑے میں لپیٹا ہوا تھا [مسند أحمد محقق: ۴/۸۱۵ رقم ۸۳۰۴ و اسنادہ صحیح]۔

اس حدیث میں غور کریں کہ سعید بن عمرو رحمہ اللہ نے مذکورہ حدیث کا مصداق یزید کے بجائے دوسرے بچوں کو بتلایا ہے اور یزید کی طرف کوئی اشارہ تک نہیں کیا ہے اور ان کے پوتے نے بھی اس موقع پر یزید کا کوئی حوالہ نہ دیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اس زمانہ تک کسی نے بھی بچوں کی امارت والی حدیث کو یزید پر فٹ ہی نہیں کیا تھا۔

الغرض یہ کہ بچوں کی امارت والی حدیث کو حقیقت ہی پر محمول کیا جائے اس کی تاویل کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے، نیز سلف میں سے بھی کسی نے نہ تو اس کی تاویل کی ہے اور نہ ہی اسے یزید پر فٹ کیا ہے اس لئے اسے یزید پر فٹ کرنا انصاف کے خلاف ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مذکورہ تاویل کے ساتھ ایک بات یہ بھی کہی ہے کہ:

فَإِنَّ يَزِيدَ كَانَ غَالِبًا يَنْتَزِعُ الشُّيُوخَ مِنْ إِمَارَةِ الْبُلْدَانِ الْكِبَارِ وَيُوَلِّيْهَا الْأَصَاغِرَ مِنْ أَقَارِبِهِ

کیونکہ یزید عام طور پر شہروں کے بڑے امراء کو معزول کر کے ان کی جگہ اپنے اقرباء میں سے چھوٹے چھوٹے لوگوں کو بٹھادیتا تھا [فتح الباری: ۱۳/۱۰]۔

عرض ہے کہ یہ بات محض افواہ ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ معلوم نہیں حافظ موصوف نے یہ بات کہاں سے اخذ کی ہے، علاوہ ازیں یزید بن معاویہ کو چھوٹا امیر ثابت کرنے کے لئے یہ بہت دور کی کوڑی ہے اگر چھوٹے امراء یزید کے ماتحت تھے خود یزید نہیں تھا تو پھر حدیث مذکور کو صرف ان چھوٹے امراء ہی پر فٹ کرنا چاہئے، خواہ مخواہ یزید بن معاویہ کو اس بیچ میں کیوں لایا جا رہا ہے، گرچہ ایسا یزید بن معاویہ کے حکم سے ہوا ہو لیکن یہ حکم صادر کرنے سے یزید بن معاویہ کی عمر تو چھوٹی نہیں ہو جائے گی، نیز اگر دور کی کوڑی سے یزید چھوٹا امیر ثابت ہوا کیونکہ اس نے چھوٹے امراء متعین کئے تو کیا اس فلسفہ کی رو سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا

شمار بھی چھوٹے امراء میں ہوگا؟؟ کیونکہ انہوں نے بھی یزید کو خلافت کے لئے نامزد کیا؟ معلوم نہیں حافظ موصوف ان تکلفات سے کیوں کام لے رہے ہیں، غالباً حافظ موصوف رحمہ اللہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی سن ساٹھ (۶۰) والی روایت کی وجہ سے ان تکلفات پر مجبور ہوئے ہیں لیکن اس روایت کی وضاحت اوپر کی جا چکی ہے۔

### سن ساٹھ کے فتنے کا ذمہ دار کون؟

رہی بات یہ کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے سن ساٹھ سے قبل موت کی دعاء کی ہے اس سے ظاہر ہے کہ اس دور میں کوئی فتنہ ہوگا۔

عرض ہے کہ ہمیں اس سے انکار نہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی دعاء سے اس دور میں کسی فتنہ کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ مگر یہ فتنہ یزید بن معاویہ کی طرف سے ہوگا، اس جانب کوئی ادنیٰ اشارہ بھی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس دعاء میں نہیں ہے۔ لہذا اس سے یزید بن معاویہ پر کوئی حرف قطعاً نہیں آتا۔

اگر کوئی کہے کہ یہ فتنہ دور یزید میں تو ہوا، تو عرض ہے کہ اس سے بڑے فتنے علی رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوئے، جنگ جمل اور جنگ صفین میں صحابہ کی بہت بڑی تعداد شہید ہوئی، بلکہ علی رضی اللہ عنہ کے دور میں جس قدر صحابہ کرام کا خون بہا اتنا خون یزید بن معاویہ کے پورے دور میں نہیں بہا اور ان فتنوں کی طرف اشارہ صرف صحیح نہیں بلکہ صحیح و مرفوع روایات میں ہے، تو کیا ان تمام صحابہ کے خون کی ذمہ داری علی رضی اللہ عنہ پر ہوگی؟؟؟

ہرگز نہیں بلکہ اس کی ذمہ داری تو اس سازشی ٹولہ کے سر جاتی ہے جس نے صحابہ کے بیچ خونریز جنگ کرائی۔

یہی معاملہ دور یزید کے فتنے سے بھی ہے یعنی اس دور کے فتنے کی ذمہ داری یزید کے سر نہیں جاتی بلکہ اس کے ذمہ دار وہ لوگ ہیں جنہوں نے یزید بن معاویہ کے خلاف سازشیں کیں

تاکہ مسلمانوں کو آپس میں لڑا کر انہیں تباہ و برباد کیا جائے پہلے اس سازشی ٹولے نے امت مسلمہ کا خون بہانے کے لئے حسین رضی اللہ عنہ کا استعمال کرنا چاہا لیکن اس میں کامیاب نہ ہوا تو خود حسین رضی اللہ عنہ ہی کو شہید کر ڈالا، اس کے بعد اسی سازشی ٹولے نے اہل مکہ و مدینہ کے سامنے یزید پر شراب نوشی، ترک صلاۃ اور نہ جانے کیسے کیسے جھوٹے الزامات لگائے تاکہ انہیں یزید کے خلاف ورغلائے، ظاہر ہے کہ جن کی سازشوں سے اجلہ صحابہ رضی اللہ عنہم تک محفوظ نہ رہ سکے اور جملہ صفین کے معرکے وقوع پذیر ہوئے، کوئی تعجب کی بات نہیں کہ اہل مکہ و مدینہ کے بعض افراد ان کی سازشوں کے شکار ہو کر اپنوں ہی کے خلاف برسر پیکار ہو جائیں۔

الغرض یہ کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جو سن ساٹھ میں فتنہ کی طرف اشارہ کیا ہے تو اس کے ذمہ دار وہی لوگ ہیں جنہوں نے یہ فتنے برپا کئے ہم بغیر کسی ثبوت کے اس کی ذمہ داری یزید پر قطعاً نہیں ڈال سکتے بلکہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے طرز عمل سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا اشارہ یزید کی طرف نہیں ہے کیونکہ یزید کی پیشگی بیعت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں ہی ہو گئی تھی اور اس وقت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ باحیات تھے لیکن کسی ایک بھی روایت میں یہ نہیں ملتا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو ولی عہد بنانے پر کوئی اعتراض کیا ہو اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اس حکمت عملی کے خلاف کوئی بات اشارہ و کنایہ میں بھی کہی ہو بلکہ اس کے برعکس ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ ثبوت ملتا ہے کہ وہ جب سن ساٹھ سے قبل فوت ہونے کی دعاء کرتے تو ساتھ ہی میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکمت عملی کو لازم پکڑنے کی وصیت بھی کرتے تھے۔

چنانچہ اوپر جو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل ہوئی ہے اسے پھر سے پڑھیں اس میں یہ بھی ملتا ہے کہ:

وہو يقول اللهم لا تدركني سنة الستين ويحكم تمسكوا بصدغي معاوية

ترجمہ: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے اے اللہ! مجھے سن ساٹھ کا زمانہ نہ ملے، اور کہتے اے لوگو! امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکمت عملی کو لازم پکڑو! [الثانی من حدیث ابی العباس الاصم: ق ۱/۱۶۹/۱۷۰۲ واسنادہ صحیح وتقدم تخریجہ]۔

ان الفاظ پر غور کریں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سن ساٹھ سے قبل فوت ہونے کی دعاء کرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں سے یہ بھی فرما رہے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکمت عملی کو لازم پکڑو۔

اور یزید کی ولیعهدی اور بعد میں ان کا خلیفہ بننا بھی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکمت عملی ہے، جس سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ واقف تھے گویا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی نظر میں اس فتنہ کے وقت یزید کی بیعت کو لازم پکڑنے ہی میں عافیت ہے، اور بعد میں جب یہ دور آیا تو دیگر صحابہ نے بھی اس وقت کے لوگوں کو یہی نصیحت کی۔

❁ بیعت یزید سے متعلق ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ایک قول کی وضاحت

امام ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ (المتوفی ۲۳۵) نے کہا:

حدثنا وكيع ، عن سفيان ، عن محمد بن المنكدر ، قال : بلغ ابن عمر أن يزيد بن معاوية بويع له ، قال : إن كان خيرا رضىنا ، وإن كان شرا صبرنا .

محمد بن المنکدر کہتے ہیں کہ جب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ یزید بن معاویہ کی بیعت کر لی گئی ہے تو انہوں نے کہا: اگر یہ باعث خیر ہے تو ہم راضی ہیں اور اگر یہ باعث شر ہے تو ہم صبر کریں گے [مصنف ابن ابی شیبہ، سلفیۃ: ۱۱/۱۰۰ واسنادہ صحیح

عن عنة سفیان مقبولة و قد صرح بالسماع عند ابن ابی الدنيا فی ”الصبر والثواب علیہ“  
ص: ۱۱۴ و اسنادہ صحیح]

بعض لوگ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے اس کلام کو یزید کی مذمت پر محمول کرتے ہیں حالانکہ اس میں سرے سے یزید کی مذمت کا کوئی پہلو ہے ہی نہیں۔

اور غور کرنے کے بات یہ ہے کہ اسی روایت میں اگر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے شر کے امکان کی بات کہی ہے تو عین اسی روایت میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے خیر کے امکان کی بھی بات کہی ہے۔ پھر آخر کیا وجہ ہے کہ ان کے اس جملہ کے صرف ایک حصہ کو دیکھا جائے اور دوسرے حصہ کو نظر انداز کر دیا جائے؟

دوسری بات یہ کہ اس کلام سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا اصل مقصود یزید بن معاویہ کی بیعت پر رضامندی کو بتلانا ہے اور چونکہ بعض لوگ اس بیعت کے ذریعہ اس اندیشے میں تھے کہ کہیں باپ کے بعد بیٹے کے خلیفہ بن جانے سے آگے چل کر یہ اصول نہ بن جائے کہ ہر خلیفہ کے بعد اس کا بیٹا ہی اگلا خلیفہ بنے اس طرح ایک شر شروع ہو جائے تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اس اندیشے کو بیعت نہ کرنے کا جواز نہیں مانا بلکہ یہ کہا کہ اگر ایسا ہوگا تو ہماری ذمہ داری صبر کرنے کی ہے۔

یعنی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا اصل مقصد ان لوگوں کا رد ہے جو محض اندیشوں کی بنا پر یزید کی بیعت کرنے میں تردد کے شکار تھے کیونکہ اندیشہ کے ساتھ ساتھ خیر کا بھی امکان تھا اور اندیشے والی بات کوئی قطعی بات نہیں تھی نیز جب امت کی اکثریت نے ایک شخص کو خلیفہ بنانے کا فیصلہ کر لیا ہے تو ایسی صورت میں اگر اندیشے والی بات واقع بھی ہو جائے تو بھی ایسے حالات میں اسلام نے صبر کرنے کی تعلیم دی ہے نہ کہ اکثریت کی مخالفت کی۔

پس جب امت کی اکثریت نے اس بیعت کو قبول کر لیا ہے تو ایک مسلمان کی ذمہ داری

یہ بنتی ہے کہ اس بیعت میں داخل ہو جائے خواہ یہ بیعت باعث خیر ہو یا باعث شر۔ کیونکہ جمہور امت کے اتفاق کے بعد دونوں صورتوں میں ایک مسلمان پر یہی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ جمہور امت کے فیصلہ میں شامل ہو جائے اور سبیل المؤمنین سے الگ نہ ہو۔

بالفاظ دیگر یہ کہہ لیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا اصل مقصد یزید کی بیعت کو قابل قبول قرار دینا تھا اور اس کے نتائج کو نظر انداز کرنے کی تعلیم دینا تھا کیونکہ جمہور امت کے اتفاق کے بعد نتیجہ خیر یا شر کی شکل میں کچھ بھی ہو بہر صورت جمہور امت کے ساتھ شامل ہونا ضروری ہے۔ اس کو مثال سے سمجھنے کے لئے درج ذیل حدیث ملاحظہ فرمائیں:

امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی ۲۵۶) نے کہا:

حدثنا علي بن عبد الله، حدثنا سفيان، قال: حفظناه من الزهري، عن سعيد بن المسيب، عن أبي هريرة رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: أسرعوا بالجنابة، فإن تك صالحة فخير تقدمونها، وإن يك سوى ذلك، فشر تضعونه عن رقابكم

صحابی رسول ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنازہ لے کر جلد چلا کرو کیونکہ اگر وہ نیک ہے تو تم اس کو بھلائی کی طرف نزدیک کر رہے ہو اور اگر اس کے سوا ہے تو ایک شر ہے جسے تم اپنی گردنوں سے اتارتے ہو۔ [صحیح

البخاری ۸۶/۲: رقم ۱۳۱۵]

اس حدیث میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی جنازہ کو خیر یا شر نہیں کہا ہے بلکہ اصل تعلیم جنازہ میں جلدی کرنے کی دی ہے اور جنازہ کی نوعیت کو نظر انداز کرنے کا حکم دیا ہے کیونکہ جنازہ کیسا بھی ہوا اچھا ہو یا برا، وفات کے بعد دونوں صورتوں میں جلدی کرنے میں ہی بھلائی ہے۔



بالکل یہی معاملہ بیعت یزید سے متعلق عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے کلام کا بھی ہے کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اس کلام میں یزید کی بیعت کو باعث خیر یا باعث شر نہیں کہا ہے بلکہ اس کے نتیجہ کو نظر انداز کرتے ہوئے اصل بیعت کی قبولیت پر زور دیا ہے کہ جمہور امت کے اتفاق کے بعد بیعت قبول کر لینے میں ہی بھلائی ہے کیونکہ اگر یہ باعث خیر ہے تو کوئی بات نہیں اور اگر یہ باعث شر ہے تو بھی بھلائی جمہور امت کے ساتھ رہنے میں ہی ہے۔

یہ ہے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے اس کلام کا اصل مقصود و مدعا، اسے کسی منفی معنی پر محمول کرنا کسی بھی صورت میں درست نہیں ہے۔

حیرت ہے کہ لوگ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے اس کلام کو تو یزید کے خلاف پیش کرتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ جس کتاب مصنف ابن ابی شیبہ میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ کلام منقول ہے اسی کتاب مصنف ابن ابی شیبہ ہی میں وہ بھی بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح سند کے ساتھ علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے متعلق پوری صراحت منقول ہے کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ کی قسم کھا کر کہا کہ میں علی رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کروں گا ملاحظہ ہو:

امام ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ (المتوفی ۲۳۵) نے کہا:

حدثنا ابن علية ، عن أيوب ، عن نافع ، عن ابن عمر ، قال : لما بويع لعلی أتانی فقال : إنک امرؤ محبب فی أهل الشام ، وقد استعملتک علیہم ، فسر إلیہم ، قال : فذکرت القرابة وذکرت الصهر ، فقلت : أما بعد فوالله لا أبایعک ، قال : فترکنی وخرج ، فلما کان بعد ذلک جاء ابن عمر إلی أم کلثوم فسلم علیہا وتوجه إلی مكة ...

نافع رحمہ اللہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: جب علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کی گئی تو علی رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے اور کہا:

آپ ایسے شخص ہیں جو اہل شام کی نظر میں محبوب ہیں، اور میں آپ کو ان پر عامل بناتا ہوں لہذا آپ ان کی طرف جائیں۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر میں نے قرابت و رشتہ داری کا ذکر کیا اس کے بعد کہا: اللہ کی قسم! میں آپ کی بیعت نہیں کروں گا۔ اس کے بعد ابن عمر رضی اللہ عنہ ام کلثوم کے پاس آئے انہیں سلام کیا اور مکہ روانہ ہو گئے۔۔۔

[مصنف ابن ابی شیبہ، سلفیہ: ۱۱/۱۳۳ و اسنادہ صحیح علی شرط الشیخین]

قارئین بتلائیں کہ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اللہ کی قسم کھا کر کہیں کہ میں علی رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کروں گا اس کے باوجود بھی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو علی رضی اللہ عنہ کا مخالف نہ سمجھا جائے اور یہی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ یزید بن معاویہ کی بیعت کو قبول کرتے ہوئے کہیں کہ یہ باعث خیر ہے تو ہم راضی ہیں اور باعث شر ہے تو ہم صبر کریں گے۔ تو اس بات کو یزید کی مخالفت قرار دیا جائے!

سبط ابن الجوزی متروک و مبتدع نے تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے اس طرز عمل پر امام زہری رحمہ اللہ کا اظہار تعجب نقل کرتے ہوئے کہا:

قال الزهري: والعجب من امتناع عبد الله بن عمر من بيعه أمير المؤمنين فقد بايع يزيد بن معاوية

امام زہری رحمہ اللہ نے کہا: امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا رکنا تعجب کی بات ہے جبکہ انہوں نے یزید بن معاویہ کی بیعت کر لی [تذکرۃ الخواص لسبط ابن الجوزی: ص: ۲۹۹]۔

اور روافض نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو اسی وجہ سے ناصبیت کا لقب دے دیا [القول الصراح فی البخاری و صحیحہ الجامع: ص: ۱۷۰]۔ اور ہمارے سنی بھائیوں نے دوسری انتہاء پر پہنچتے ہوئے انہیں یزید بن معاویہ ہی کا مخالف بنا دیا۔

ہمارے نزدیک عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نہ تو علی رضی اللہ عنہ کے مخالف تھے اور نہ ہی یزید کے مخالف تھے بلکہ وہ سیاسی اختلافات سے خود کو دور رکھ کر جمہور امت کے فیصلہ کا انتظار کرتے اور جمہور امت کی طرف سے جو فیصلہ ہو جاتا اسے قبول کر کے اسی پر جم جاتے تھے۔ یاد رہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے یزید کی باقاعدہ بیعت کی تھی اور آپ اس بیعت کو کتاب و سنت کے موافق بتلاتے تھے اور دوسروں کی بھی اس بیعت پر باقی رہنے کا حکم دیتے اور مخالفت کی شدید مذمت کرتے [صحیح البخاری: ۵۷/۹ رقم ۷۱۱۱]۔

✽ صحابی رسول ابو ہریرہ ؓ کا بعض علم ظاہر نہ کرنا

امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی ۲۵۶) نے کہا:

حدثنا إسماعيل، قال: حدثني أخى، عن ابن أبي ذئب، عن سعيد المقبري، عن أبي هريرة قال: حفظت من رسول الله صلى الله عليه وسلم وعاءين: فأما أحدهما فبشئته، وأما الآخر فلو فبشئته قطع هذا البلعوم ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (علم کے) دو برتن یاد کر لیے ہیں، ایک کو میں نے پھیلا دیا ہے اور دوسرا برتن اگر میں پھیلاؤں تو میرا یہ نخر کاٹ دیا جائے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بلعوم سے مراد وہ نخر ہے جس سے کھانا اترتا ہے۔ [صحیح البخاری: ۳۵/۱ رقم ۱۲۰]

اس حدیث میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جس دوسرے علم کو چھپا لیا ہے وہ ایک غیبی معاملہ ہے اس کے بارے میں صرف قیاس آرائی ہی کی جاسکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب خود ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے صراحت نہیں کی ہے تو بھلا دوسرے لوگ عالم الغیب ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے دل کی بات جان لیں۔

تاہم اتنی بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ اس علم سے مراد احکام و مسائل کے علوم

نہیں ہیں کیونکہ ان کا چھپانا جائز نہیں ہے۔ نیز ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جان کے خوف کی بات کہی ہے جس سے اشارہ ملتا ہے کہ اس سے فتنوں کے تعلق سے معلومات مراد ہیں۔  
امام قرطبی (المتوفی ۶۷۱ھ) اس حدیث سے متعلق اہل علم کی تشریح پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں:

قال علماءنا: وهذا الذي لم يشه أبو هريرة وخاف على نفسه فيه الفتنة أو القتل إنما هو مما يتعلق بأمر الفتن، والنص على أعيان المرتدين، والمنافقين، ونحو هذا مما لا يتعلق بالبينات والهدى، والله تعالى أعلم  
ہمارے علماء کا کہنا ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جس علم کو عام نہیں کیا اور جس کے عام کرنے پر فتنہ اور قتل کا خوف محسوس کیا، اس سے مراد وہ علم ہے جس کا تعلق فتنوں سے ہے، جس میں مرتدین اور منافقین کے ناموں کی صراحت کی گئی ہے اور اس جیسے امور جن کا تعلق دلائل اور ہدایت سے نہیں ہے واللہ اعلم [الجامع لأحكام القرآن: ۱۸۶/۲]

یعنی عمومی طور پر ہم صرف اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ اس سے وہ علم مراد ہے، جس کا تعلق فتنوں سے ہے۔ اس سے آگے بڑھ کر بطور خاص کسی شخصیت کو اس کا مصداق بتلانا یہ رجحان بالغیب ہے۔

افسوس کہ جس طرح بعض بدعتیوں نے اس حدیث سے اپنے مطلب کی چیز علم لدنی کو ثابت کرنا چاہا ٹھیک اسی طرح کچھ لوگ اس سے زبردستی یزید کی مذمت ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

بعض لوگ اپنی تائید میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا قول اور ان کی تشریح پیش کرتے ہیں کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ یزید کو ان امراء سوء میں مانا ہے جس کی طرف ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث میں اشارہ کیا ہے۔

عرض ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کو چند روایات سے غلط فہمی ہوئی جن میں بعض صحیح وثابت نہیں اور بعض کا مفہوم کچھ اور ہے چنانچہ:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی ۸۵۲) نے کہا:

حمل العلماء الوعاء الذى لم يشه على الأحاديث التى فيها تبين أسامى  
أمرء السوء وأحوالهم وزمنهم وقد كان أبو هريرة يكنى عن بعضه ولا  
يصرح به خوفا على نفسه منهم كقوله أعوذ بالله من رأس الستين وإمارة  
الصبيان يشير إلى خلافة يزيد بن معاوية لأنها كانت سنة ستين من الهجرة  
ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جس علم کو عام نہیں کیا اسے علماء نے ان احادیث پر محمول کیا ہے  
جن میں برے امراء اور ان کے احوال اور ان کے زمانوں کا بیان ہے۔ اور ابو ہریرہ رضی اللہ  
عنہ ان میں سے بعض کی طرف اشارہ کرتے تھے اور صراحت نہیں کرتے تھے۔ جیسے ابو ہریرہ  
رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں سن ۶۰ کے سر سے اور بچوں کی امارت سے  
ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا اشارہ یزید بن معاویہ کی خلافت کی طرف تھا کیونکہ یہ خلافت سن  
۶۰ ہجری میں تھی [فتح الباری لابن حجر: ۱/۲۱۶]

عرض ہے کہ یہاں پر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اپنی تشریح کی بنیاد یہ بتائی ہے کہ ابو ہریرہ  
رضی اللہ عنہ سن ۶۰ سے پناہ مانگتے تھے۔ اور بچوں کی امارت سے پناہ مانگتے تھے۔

یعنی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے سن ۶۰ والی روایت کی بنیاد پر یہ سمجھ لیا کہ سن ۶۰ کا دور ہی  
بچوں کی امارت کا دور ہے حالانکہ اس روایت سے ایسا سمجھنا غلط ہے جیسا کہ تفصیل سے بتایا  
جا چکا ہے۔ نیز حافظ ابن حجر کے موقف کا تفصیلی رد بھی گذشتہ صفحات میں پیش کر دی گیا ہے۔

لہذا جب اصل بنیاد ہی غلط ہے تو اس کی روشنی میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے خفیہ علم کی  
تشریح بھی غلط ہے۔

✽ صحابی رسول جابر رضی اللہ عنہ اور اہل مدینہ کو خوف زدہ کرنے پر وعید

امام بن ابی عاصم رحمہ اللہ (المتوفی ۲۸۷ھ) نے کہا:

حدثنا الصلت بن مسعود، نا يحيى بن عبد الله بن يزيد بن عبد الله بن أنيس، نا محمد بن جابر بن عبد الله الأنصاري، قال: خرجت أنا مع أبي جابر بن عبد الله، رضى الله عنه زمن الحرة فأصاب رجل جابر حجر وهو قد كف بصره فأدمى أصبع جابر فقال: خس تعس من أخاف رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فقلت: يا أبت ومن يخيف رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال: أشهد على رسول الله صلى الله عليه وسلم لقال: من أخاف هذا الحي من الأنصار فقد أخاف ما بين هذين ووضع يديه على خاصرته، وقد والله أخافنا هؤلاء "

محمد بن جابر بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ساتھ حرہ کے موقع پر نکلا تو میرے والد کا پاؤں ایک پتھر سے ٹکرا گیا اور آپ کی بصارت جا چکی تھی، چنانچہ جابر رضی اللہ عنہ کی انگلی زخمی ہو گئی تو جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: تباہ و برباد ہو وہ جس نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈرایا۔ تو میں نے کہا: اے ابا جان! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کون ڈرائے گا؟ تو جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے انصار کے اس علاقہ والوں کو ڈرایا اس نے میرے ان دونوں پہلوؤں کے درمیان چیز کو ڈرایا [الآحاد والمثانی لابن ابی عاصم: ۴/ ۷۰ و اسنادہ حسن]

بعض لوگ یہ روایت پیش کر کے کہتے ہیں کہ یزید نے واقعہ حرہ میں اہل مدینہ کو ڈرایا جس پر جابر رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث پیش کی۔

عرض ہے کہ جابر رضی اللہ عنہ نے بے شک اہل مدینہ کو ڈرانے والوں سے متعلق حدیث پیش کی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ واقعہ حرہ کے موقع پر اہل مدینہ کو ڈرانے کا ذمہ دار کون ہے؟

ہم نے اپنی کتاب ”یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ“ میں واقعہ حرہ پر مفصل بحث پیش کی ہے اور اس میں یہ وضاحت بھی موجود ہے کہ اہل مدینہ کو ڈرانے کی ذمہ داری، مدینہ کے شہر پسندوں ہی پر عائد ہوتی ہے۔ انہوں نے ہی مدینہ میں یزید کی بیعت توڑی اور یزید کے عامل اور بنو امیہ کو مدینہ سے باہر بھگادیا۔ اور پورے مدینہ میں خوف دہشت کا ماحول برپا کر دیا۔ جیسا کہ اس سے قبل عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے وقت دہشت پھیلانی گئی تھی۔

یزید نے اس دہشت گردی اور شہر انگیزی کے خاتمہ کے لئے کاروائی کی تھی نہ کہ بلا وجہ محض اہل مدینہ کو خوف زدہ کرنا مقصود تھا۔ لہذا اس حدیث کے مصداق وہی لوگ ہیں جو اصل دہشت گردی اور شہر انگیزی کے ذمہ دار ہیں۔

## فصل سوم: دوریزید کے بعض حوادث

### الف: شہادت حسین رضی اللہ عنہ

#### ❁ ۱ / قتل حسین رضی اللہ عنہ

یزید بن معاویہ پر یہ جھوٹا الزام لگایا جاتا ہے کہ اس نے حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کر لیا یعنی اسی کے حکم سے حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کیا گیا۔

حالانکہ یہ سراسر جھوٹ ہے کسی بھی مستند روایت سے یہ بات ثابت نہیں بلکہ صحابہ کرام اور اہل بیت نے اہل کوفہ کو قاتل حسین قرار دیا کمافی۔

حتیٰ کہ خود حسین رضی اللہ عنہ نے شہادت سے قبل اپنے قاتلین کو یہ کہتے ہوئے بے نقاب کر دیا کہ:

فانهم دعونا لينصرونا فعدوا علينا فقتلونا

انہیں لوگوں نے ہمیں بلایا تاکہ ہمارے ساتھ تعاون کریں گے لیکن انہوں نے ہمارے خلاف شرکشی کی اور یہی ہمیں قتل کر رہے ہیں [تاریخ الطبری: ۴۵۱/۵]۔

اگر کوئی مقتول موت سے قبل خود گواہی دے کہ اسے کس نے قتل کیا ہے تو یہ گواہی سب سے ٹھوس گواہی مانی جاتی ہے کیونکہ عموماً مرتے وقت کوئی جھوٹ نہیں بولتا۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں بھی اس گواہی کو سب سے ٹھوس گواہی مانا گیا ہے، چنانچہ بنو اسرائیل میں ایک شخص قتل کر دیا گیا تو مقتول کی زبانی قاتل کی شناخت کے لئے مقتول کو اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طور پر زندہ کیا دیکھئے سورہ بقرہ آیت ۷۶ وما بعد۔

اسی طرح صحیح بخاری کی حدیث ہے کہ ایک عورت کو کسی یہودی نے قتل کر دیا تھا اور مقتولہ کو وفات سے قبل اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی نام ذکر کر کے پوچھا کیا اس نے تمہیں قتل کیا ہے؟ چنانچہ ایک نام پر عورت نے سر کے اشارہ سے



ہاں کہا تو اللہ کے نبی ﷺ نے حکم دیا کہ اس قاتل کو بھی اسی طرح موت کے گھاٹ اتار دو [بخاری: ۵۲۹۵]۔

قرآن وحدیث سے معلوم ہوا کہ مقتول اگر موت سے قبل اپنے قاتل کی نشاندہی کر دے تو قاتل کی شناخت میں یہ سب سے بڑا ثبوت ہے بلکہ آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی مرنے سے قبل مقتول کا بیان سب سے ٹھوس ثبوت مانا جاتا ہے۔ اور حسین ﷺ نے بھی وفات سے قبل اہل کوفہ کو اپنا قاتل کہا ہے۔

### ✽ ۲۔ حسین رضی اللہ عنہ کی بے حرمتی

کہا جاتا ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ کا سریزید کے پاس لایا گیا لیکن یہ جھوٹ ہے [تفصیل کے لئے دیکھیں ہماری کتاب: حادثہ کربلا اور یزید، صرف صحیح روایات کی روشنی میں] اور صحیح بات یہ ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ کا سرعبداللہ بن زیاد کے پاس لایا گیا تھا کما مضیٰ۔

### ✽ ۳۔ قاتلین حسین رضی اللہ عنہ سے عدم قصاص

اگر یزید نے سزا نہیں دی تو پہلے یہ تو ثابت کیا جائے کہ پورے عالم اسلام میں کسی ایک نے بھی یزید سے یہ مطالبہ کیا کہ قاتلین حسین کو سزا دی جائے؟ اور تو اور خود اہل بیت جب یزید کے پاس پہنچے تو کیا انہوں نے مطالبہ کیا کہ قاتل حسین ﷺ کو سزا دی جائے؟؟ اگر یہ مطالبہ نہیں ہوا تو پھر دو باتوں میں کوئی ایک بات ہے:

اول: قاتلین حسین کو سزا دی جا چکی تھی، جیسا کہ بعض روایات میں ملتا ہے۔

دوم: حالات سازگار نہیں تھے کہ سزا دی جائے۔

ان دونوں میں سے جو بات بھی ہو یزید پر کوئی جرم عائد نہیں ہوتا، ورنہ اس منطق سے علی رضی اللہ عنہ پر بھی یہ جرم عائد ہو سکتا ہے کیونکہ خلیفہ سوم اور داماد رسول عثمان رضی اللہ عنہ کو

شہید کیا گیا اور اس کے بعد خلافت علی رضی اللہ عنہ ہی کے پاس تھی لیکن علی رضی اللہ عنہ نے قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو کوئی سزا نہ دی بلکہ سزا دینا تو دور کی بات اس کے برعکس قاتلین عثمان کو عہدے عطاء کئے، تو کیا اس طرح علی رضی اللہ عنہ بھی نعوذ باللہ خطا کا رٹھرے؟؟؟  
یاد رہے کہ قاتلین عثمان سے متعلق تو علی رضی اللہ عنہ سے مطالبہ بھی ہوا کہ انہیں سزا دلوائیں۔

صاف بات یہ ہے کہ جس طرح علی رضی اللہ عنہ کے سامنے کوئی مجبوری تھی اسی طرح یزید بن معاویہ کے سامنے بھی کوئی مجبوری ہو سکتی ہے۔  
کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یزید کو اہل مدینہ و اہل مکہ پر حملہ کی طاقت تھی پھر قاتلین حسین رضی اللہ عنہ سے قصاص کی طاقت کیونکر نہ تھی۔

عرض ہے کہ یہی بات تو علی رضی اللہ عنہ سے متعلق بھی کہی جاسکتی ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کو اہل جمل و اہل صفین پر حملہ کی طاقت تو تھی مگر قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف کارروائی کی طاقت نہ تھی۔

## ب : واقعہ حرہ

### ✽ پس منظر

مدینہ میں شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد جو فتنہ شروع ہوا تھا، حسن رضی اللہ عنہ کی صلح سے وہ موت کی نیند سوچکا تھا۔ اور پوری امت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت سے متفق ہو کر امن و سکون کی سانس لے رہی تھی اور تمام سازشی درندے اپنی اپنی گپھاؤں میں جا چھپے تھے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ان درندوں نے پھر اپنا سر نکالا اور از سر نو فتنہ انگیزی کی منصوبہ بندی کرنے لگے۔ اس بار حسین رضی اللہ عنہ کو استعمال کرنا چاہا اور جب کامیاب نہ ہوئے تو حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ شہادت حسین رضی اللہ عنہ کے بعد اسلامی حکومت پوری طرح سے چوکنا ہو گئی اور ہر چہار جانب کڑی نگرانی شروع ہو گئی۔ ایسے عالم میں فتنہ پردازوں نے ایک عرصہ تک خاموشی اختیار کی اور جب دیکھا کہ حالات پرسکون ہو گئے تو یہ از سر نو فتنہ انگیزی کا راستہ ڈھونڈنے لگے۔

بالآخر ان کی نگاہیں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ پر پڑیں جنہوں نے شروع سے لیکر اب تک یزید کی بیعت نہیں کی تھی لیکن انہوں نے اپنی مخالفت کو اپنے حد تک ہی محدود رکھا تھا اور حکومت وقت کے خلاف کوئی سرگرمی نہیں دکھا رہے تھے۔ ظالموں نے اس خاموش مخالفت ہی کو غنیمت جانا اور دور دراز سے خوارج اور فتنہ پرداز مکہ پہنچ کر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو حکومت وقت کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا کماسیاتی، دیکھئے: ص ۱۷۵۔

بالآخر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ان کی باتوں میں آ گئے اور ان کی خاموش مخالفت ایک سرگرم تحریک بن گئی۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو عائد بیت اللہ کا لقب دیا گیا اور اس طرح اپنی روحانی طاقت کو بیت اللہ کے سہارے محفوظ کر دیا گیا۔

اب وقت آ گیا تھا کہ کہیں سے فتنہ کی آگ بھڑکانی شروع کی جائے۔ عراق جو کہ ہمیشہ

سے ان فتنہ پردازوں کا مرکز رہا ہے وہاں پر عبید اللہ بن زیاد مسلط تھا، جو کسی بھی فتنے کو کچلنے میں ذرہ برابر بھی رعایت نہ کرتا اس لئے ان لوگوں نے نئے فتنے کی شروعات کے لئے مدینہ کا انتخاب کیا جو بھولے بھالے اور سیدھے سادھے لوگوں کا مسکن تھا۔

شروعات انہوں نے حاکم مدینہ عثمان بن محمد کے ساتھیوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ سے کی، ابتداء میں عثمان بن محمد نے انہیں نظر انداز کیا اور انہیں نصیحت کی [الحسن ص ۲۷۱] لیکن یہ لوگ باز نہیں آئے بالآخر عثمان بن محمد نے ان شرارتوں کی رپوٹ یزید کو دی، اور یزید نے ان لوگوں کو سخت وارنگ دی۔ [العقد الفرید: ۵/۱۳۷]

یزید کی اس تنبیہ کو ظالموں نے دوسرا رنگ دے دیا اور مدینہ کے کچھ بھولے بھالے لوگوں کو بھی یزید کے خلاف بھڑکایا اور یزید پر شراب نوشی، ترک صلاۃ اور نہ جانے کیسے کیسے اتہامات باندھے۔

کچھ سادہ لوح مسلمان ان سے اسی طرح دھوکہ کھا گئے جیسے شہادت عثمان رضی اللہ عنہ اور جمل و صفین کے موقع پر انہیں دھوکہ ہوا تھا۔

پھر کیا تھا، مدینہ میں ان شریکوں کی ایک پوری جماعت بن گئی اور انہوں نے جھوٹ، مکاری اور چال بازی سے بعض شریف لوگوں کو بھی اپنے ساتھ لے لیا۔ اب ان سب نے مل کر یزید کی مخالفت کا اعلان کر دیا، ان کی بیعت توڑ دی، اسی پر بس نہیں بلکہ یزید کی طرف سے مدینہ پر بنائے گئے حاکم عثمان بن محمد کو ذلیل کر کے مدینہ سے باہر نکال دیا نیز بنو امیہ کو بھی شہر بدر کر دیا۔ اور پورے مدینہ میں خوف و دہشت کا ماحول برپا کر دیا۔ [العقد الفرید: ۵/۱۳۷]

مدینہ کی بے حرمتی اور اہل مدینہ کو خوف و دہشت میں مبتلا کرنا، یہ دشمنان اسلام کی کوئی پہلی حرکت نہیں تھی، بلکہ انہیں کے آباؤ اجداد نے اس سے قبل عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں نہ صرف

مدینہ کی حرمت پامال کی بلکہ خلیفہ وقت اور عظیم صحابی عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل بھی کر ڈالا۔ واقعہ حرہ میں بھی تقریباً یہی تاریخ دہرائی گئی، اصل سازش دشمنان اسلام کی تھی لیکن ان درندوں کی مکاری و چال بازی سے کچھ بھولے بھولے لوگ بھی ان کے ساتھ ہو گئے۔ عین یہی حرکت ان کے آباء واجداد نے کی تھی، چنانچہ خلیفہ وقت عثمان رضی اللہ عنہ کی مخالفت میں سبائیوں کی کذب بیانی اور سازش سے بعض صحابہ، مثلاً عمار بن یاسر اور ابوذر رضی اللہ عنہ بھی متاثر ہوئے حتیٰ کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت اور ان کے قتل تک کی سازش میں خلیفہ اول کے بیٹے محمد بن ابی بکر کو بھی ان ظالموں نے بہلا پھسلا کر اپنے ساتھ کر لیا تھا۔ [تاریخ خلیفہ بن خیاط :

ص: ۱۷۴ و اسنادہ صحیح]

اب جن کی سازش کا حال یہ ہو کہ ان کے بہکاوے میں آ کر خلیفہ اول ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بیٹے محمد بھی خلیفہ سوم عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے مخالف بن جائیں، بلکہ ان کے قتل پر بھی آمادہ ہو جائیں، اور ابوذر رضی اللہ عنہ اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ جیسے صحابہ ان کی تحریک سے متاثر ہو جائیں، ایسے لوگوں کی سازش کا شکار ہو کر اگر بعض افراد حاکم مدینہ عثمان بن محمد کے مخالف ہو جائیں تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

بہر حال مدینہ کے بعض شر پسند اور ان سے دھوکہ کھا کر بعض بھولے بھالے لوگ بھی حکومت وقت کے خلاف بغاوت کر بیٹھے اور یزید بن معاویہ کی بیعت توڑ دی، اور مدینہ کے سرکاری حاکم کو ذلیل کر کے مدینہ سے باہر نکال دیا۔ اسی پر بس نہیں بلکہ مدینہ سے بنو امیہ کو بھی نکال باہر کیا۔ اور پورے مدینہ میں خوف و دہشت کا ماحول برپا کر دیا۔ ظاہر ہے کہ یہ بہت سنگین صورت حال تھی، مدینہ میں خوف و دہشت پھیلانا کوئی معمولی جرم نہیں تھا، صحیح احادیث میں بھی اہل مدینہ کو خوف زدہ کرنے کی ممانعت ہے، اور اس پر وعید وارد ہے۔ ایسے حالات میں حکومت وقت کی ذمہ داری تھی کہ ان شر پسندوں کو کنٹرول کیا جائے اور مدینہ میں امن و امان قائم کیا جائے۔

چنانچہ یزید بن معاویہ اور اکابر صحابہ نے انہیں سمجھایا جس کے نتیجے میں بعض لوگ راہ راست پر آ گئے، لیکن کچھ لوگ کسی طرح بھی راہ راست پر آنے کے لئے تیار نہ تھے، یزید بن معاویہ نے انہیں متنبہ کیا کہ مدینہ میں شرانگیزی و دہشت گردی سے باز آ جائیں ورنہ ان کے خلاف فوجی قوت استعمال کی جائے گی، لیکن اس کے باوجود بھی یہ لوگ قابو میں نہ آئے، بالآخر مجبوراً مدینہ کے ان شریکوں کے خلاف فوجی کارروائی کی گئی تاکہ مدینہ میں خوف و دہشت کے ماحول کا خاتمہ کر کے امن و امان قائم کیا جائے اور اس کی حرمت کو بحال کیا جائے۔ اس کارروائی میں یزید بن معاویہ کی تاکید تھی کہ یہ کارروائی صرف انہیں لوگوں کے خلاف ہو جو شرانگیزی کے اصل ذمہ دار ہیں اور جو بھولے بھالے لوگ ان کے بہکاوے میں آ کر ان کے ساتھ مل گئے ہوں تو ان پر قابو پانے کے بعد انہیں معاف کر دیا جائے کیونکہ یہ ان کی اجتہادی غلطی تھی۔ [تاریخ الإسلام ت بشار: ۵۸۳/۲، نقل عن المدائنی و اسنادہ صحیح]۔

### ✽ اصل مخالفین

واقعہ حرہ اسلامی حکومت کے خلاف ایک سازش تھی اور اس کے پیچھے اصلاً انہیں لوگوں کا ہاتھ تھا جو ہمیشہ سے اسلام اور مسلمانوں کے دشمن رہے ہیں اور جن کی سازشوں کے نتیجے میں واقعہ حرہ سے قبل بھی کئی بار خونریزی ہوئی ہے۔ واقعہ حرہ میں ان کا مقصد مسلمانوں کو آپس میں لڑانا اور انہیں کی تلوار سے انہیں کا خون بہانا تھا۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ: ص ۴۱۳ تا ۴۱۸۔

واقعہ حرہ میں اسلامی حکومت اور بالخصوص بنو امیہ کے خلاف سازش، یہ مدینہ کا کوئی پہلا واقعہ نہیں ہے بلکہ اس سے قبل اسی مدینہ میں بنو امیہ کے پہلے خلیفہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی گئی اور صرف مخالفت ہی نہیں بلکہ انہیں قتل تک کر دیا گیا۔  
دکتر شبیبانی لکھتے ہیں:

و الحقيقة أن محاصرة الأمويين من قبل أهل المدينة ذكّرت أهل الشام بمحاصرة الثوار للخليفة عثمان في المدينة.

حقیقت یہ ہے کہ اہل مدینہ کی طرف سے امویوں کے خلاف محاصرہ نے اہل شام کو یاد دلادیا کہ اسی مدینہ میں خلیفہ سوم عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بھی محاصرہ کیا گیا تھا۔ [مواقف المعارضہ: ص: ۵۷۴]۔

قتل عثمان رضی اللہ عنہ کے وقت بھی اصل سازشی سہائی درندے ہی تھے، لیکن ان کی ذریت نے تاریخی روایات وضع کر کے امت مسلمہ کی اگلی نسل کو یہ بتلانے کی کوشش کی کہ مدینہ میں عثمان رضی اللہ عنہ کی مخالفت بالکل بجاتھی، انہوں نے عہدہ خلافت کا ناجائز استعمال کیا، بدعتیں ایجاد کیں، اور دین اسلام اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو بدل ڈالا۔ اور ان گنت گھناؤنے جرائم کا ارتکاب کیا۔

عثمان رضی اللہ عنہ کی اس بے دینی اور بے راہ روی کی وجہ سے مدینہ کی بزرگ شخصیات، علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا، طلحہ رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ نے دین کو بچانے کی خاطر عثمان رضی اللہ عنہ کی زبردست مخالفت کی۔ عثمان کی مخالفت کرنے والے یہ سارے حضرات نہ صرف بزرگی کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے بلکہ سب کے سب جلیل القدر صحابہ تھے بلکہ ان سب کو دنیا میں ہی جنت کی بشارت مل گئی تھی۔

مدینہ کی ان مقدس ہستیوں نے مدینہ کو عثمان رضی اللہ عنہ کے شر سے بچانے اور دین اسلام کے تحفظ کی خاطر عثمان رضی اللہ عنہ کو خلافت چھوڑنے کے لئے کہا اور جب وہ نہ مانے تو انہوں نے عثمان رضی اللہ عنہ سے قتال کیا اور اللہ کے دین و سنت کے بدلنے والے عثمان رضی اللہ عنہ کو ہلاک کیا۔ (نعوذ باللہ من هذه الاكاذيب)

اب آئیے اس سلسلے کی کچھ روایات دیکھتے ہیں:

❁ امام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۱۰) نے کہا:

حدثني جعفر بن عبد الله المحمدي، قال: حدثنا عمرو، عن محمد ابن إسحاق بن يسار المدني، عن عمه عبد الرحمن بن يسار، أنه قال: لما رأى الناس ما صنع عثمان كتب من بالمدينة من اصحاب النبي ﷺ إلى من بالآفاق منهم - وكانوا قد تفرقوا في الثغور: إنكم إنما خرجتم أن تجاهدوا في سبيل الله عز وجل، تطلبون دين محمد ص، فإن دين محمد قد أفسد من خلفكم وترك، فاهلموا فأقيموا دين محمد صلى الله عليه وسلم فأقبلوا من كل أفق حتى قتلوه.

جب اہل مدینہ نے عثمان رضی اللہ عنہ کے کثوت دیکھے تو اہل مدینہ نے ان صحابہ کو خط لکھا جو جہاد کے لئے مختلف علاقوں میں بکھرے تھے کہ: آپ لوگ اللہ کی راہ میں اور دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر جہاد کے لئے نکلے ہو اور یہاں (مدینہ میں) آپ لوگوں کے جانے کے بعد دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم تباہ و برباد ہو گیا ہے۔ اس لئے آپ لوگ واپس (مدینہ) آجائیں اور دین محمد کو بچائیں، چنانچہ ہر چہار جانب سے صحابہ کرام واپس آئے اور عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر ڈالا۔ [تاریخ الطبری: ۴/۳۶۷ و اسنادہ ضعیف]۔

دیکھیں کس طرح یہ روایت بتلاتی ہے کہ مدینہ میں عثمان رضی اللہ عنہ کی جو مخالفت ہوئی تھی یہ صحابہ ہی کی طرف سے ہوئی تھی اور صحابہ ہی نے عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل کیا۔ بلکہ اگلی روایت دیکھیں جو بتلاتی ہے کہ صرف صحابہ ہی نہیں بلکہ صحابہ میں بھی افضل ترین جماعت مہاجرین و انصار نے عثمان رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی چنانچہ:

❁ ابن عبد ربہ الأندلسی (المتوفی: ۳۲۸) نے کہا:

الرياشي عن الأصمعي قال: كان القواد الذين ساروا إلى المدينة في أمر



عثمان أربعة: عبد الرحمن بن عديس البلوي، وحكيم بن جبلة العبدى، والأشتر النخعي، وعبد الله بن بديل الخزاعي، فقدّموا المدينة فحاصروه، وحاصره معهم قوم من المهاجرين والأنصار حتى دخلوا عليه فقتلوه.

عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے لئے چار لوگ مدینہ آئے، عبد الرحمن بن عدیس البلوی رضی اللہ عنہ، حکیم بن جبلة العبدی رضی اللہ عنہ، اشتر نخعی اور عبد اللہ بن بديل الخزاعي۔ یہ لوگ مدینہ آئے اور عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کر لیا اور ان کے ساتھ مہاجرین اور انصار کی ایک جماعت نے بھی محاصرہ کیا یہ لوگ عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گئے اور انہیں قتل کر ڈالا۔ [العقد

الفرید: ۳۸/۵ و اسنادہ ضعیف۔]

اور صرف عام مہاجرین و انصار نہیں بلکہ ان میں اعلیٰ فضیلت والے بلکہ دنیا میں ہی جنت کی بشارت یافتہ صحابہ کرام کو عثمان رضی اللہ عنہ کا مخالف اور ان کا قاتل کہا گیا ہے چنانچہ:

❦ امام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۱۰) نے کہا:

فیما ذکر نصر بن مزاحم، عن سيف، عن سهل بن يوسف، عن القاسم ابن محمد، قال... وأقبل غلام من جهينة على محمد بن طلحة -وكان محمد رجلا عابدا - فقال: أخبرني عن قتلة عثمان! فقال: نعم، دم عثمان ثلاثة أثلاث، ثلث على صاحبة اليهودج -يعنى عائشة -وثلث على صاحب الجمل الأحمر -يعنى طلحة -وثلث على علي بن أبي طالب.

جہینہ کا ایک شخص محمد بن طلحہ کے پاس آیا اور محمد بن طلحہ بہت عبادت گزار شخص تھے۔ ان سے اس شخص نے کہا: مجھے قاتلین عثمان کے بارے میں بتاؤ؟ تو انہوں نے جواب دیا: جی ہاں! عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کی ذمہ داری تین لوگوں پر ہے۔ ایک تہائی ذمہ داری تو اس (اونٹ کے) ہودج والی یعنی عائشہ رضی اللہ عنہا پر ہے۔ اور ایک تہائی ذمہ داری سرخ اونٹ

والے پر یعنی میرے والد طلحہ رضی اللہ عنہ پر ہے اور ایک تہائی علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ پر ہے۔ [تاریخ الطبری: ۴/ ۶۵ و اسنادہ ضعیف]۔

دیکھیں کس طرح اس روایت میں مؤمنین کی ماں عائشہ رضی اللہ عنہا اور دیگر مبشر بالجنہ صحابہ کو عثمان رضی اللہ عنہ کا مخالف اور ان کا قاتل کہا گیا ہے۔

بلکہ ایک روایت میں چشم دید گواہ یعنی عثمان رضی اللہ عنہ کی بیوی سے یہ بات کہلوائی گئی ہے کہ اہل مدینہ کے صحابہ کرام اور بزرگ ہستیوں نے ہی عثمان رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی اور ان کا خون بہایا چنانچہ:

✽ ابن عبد ربہ الأندلسی (المتوفی: ۳۲۸) نے کہا:

عن أبي مخنف عن نمير بن وعله عن الشعبي، أن نائلة بنت الفرافصة امرأة عثمان بن عفان كتبت إلى معاوية كتابا... من نائلة بنت الفرافصة إلى معاوية بن أبي سفيان؛ أما بعد،... وإني أقص عليكم خبره؛ إني شاهدة أمره كله. إن أهل المدينة حصروه في داره، ويحرسونه ليلهم ونهارهم قياما على أبوابه بالسلاح، يمنعونه كل شيء قدروا عليه، حتى منعوه الماء فمكث هو ومن معه خمسين ليلة، وأهل مصر قد أسندوا أمرهم إلى علي، ومحمد بن أبي بكر، وعمار بن ياسر، وطلحة والزبير، فأمر بهم بقتله.

(عثمان رضی اللہ عنہ کی بیوی) نائلہ بنت فرافصہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہا: میں تمہیں قتل عثمان کا واقعہ بتلاتی ہوں میں پورے واقعہ کے وقت موجود تھی، اہل مدینہ نے عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کے گھر میں گھیر لیا اور چوبیس گھنٹے دروازہ پر پہر لگا دیا، پچاس دن تک ان مدینہ والوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر میں کوئی چیز داخل نہیں ہونے دی حتیٰ کہ انہیں پانی سے بھی محروم کر دیا، اور لوگوں نے اپنا یہ سارا معاملہ علی رضی اللہ عنہ، محمد بن ابی بکر،

عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ، طلحہ رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ پر چھوڑ دیا اور انہوں نے لوگوں کو عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کا حکم دے دیا۔ [العقد الفريد: ۵/۱۵۰ واسنادہ ضعیف]۔

یہ چشم دید گواہ کی گواہی ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے ذمہ دار اہل مدینہ کی عظیم شخصیات ہیں انہوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کی اس حد تک مخالفت کی کہ انہیں قتل کر کے ہی دم لیا۔

یہ صرف بطور نمونہ چند روایات ہیں، اگر ہم اہل سنت ہی کی کتب سے صرف وہ روایات یکجا کر دیں جن میں مدینہ میں فساد، عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت، اور ان کے قتل کا الزام، صحابہ کرام پر لگایا گیا ہے، تو بلا مبالغہ ایک کتاب تیار ہو جائے گی۔

اور یہ سب کچھ اسلام دشمنی اور بالخصوص بنو امیہ کی دشمنی میں ہوا چنانچہ:

❖ امام ابن عساکر رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۷۱ھ) نے کہا:

أخبرنا أبو بكر محمد بن الحسين الفرضي نا أبو الحسين محمد بن علي بن المهتدي أنا أبو الحسن علي بن عمر الحرابي نا أبو حامد محمد بن هارون نا عبد الرحمن بن حبيب نا أحمد بن معاوية بن بكر الباهلي نا إسماعيل بن مجالد عن بيان بن بشر عن قيس بن أبي حازم قال أخبرني من دخل على طلحة بن عبيد الله وعثمان محصور وهو مستلق على سريره فقال ألا تخرج فتنهى عن قتل هذا الرجل قال لا والله حتى تؤتى بنو أمية الحق من أنفسها.

”قیس کہتے ہیں کہ عثمان کے محاصرے کے دوران ایک آدمی طلحہ سے ملنے آیا وہ اپنی چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے، اس شخص نے طلحہ رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا آپ باہر نکل کر لوگوں کو عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل سے نہیں روکیں گے؟ تو طلحہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: نہیں! اللہ

کی قسم! تب تک نہیں جب تک بنو امیہ خود اس حق سے دست بردار نہ ہو جائیں۔ [تاریخ دمشق لابن عساکر: ۳۹ / ۴۰۲ و اسنادہ ضعیف]۔

غور کریں اسلامی خلیفہ اور بنو امیہ کو بدنام کرنے کی خاطر کیسی کیسی بے ہودہ باتیں گھڑی گئیں، یہ سب کچھ سبائی ذہنیت ہی کی اختراع ہے، ان درندوں نے خود ہی سازش رچی بھولے بھالے لوگوں کو عثمان ؓ کے خلاف بھڑکایا اور بالآخر عثمان ؓ کو قتل کر ڈالا اور یہ سب کچھ خود کرنے کے بعد جھوٹ اور مکاری کا سہارا لیتے ہوئے اس پورے فساد کی ذمہ داری اہل مدینہ پر ڈال دی اور وہ بھی اہل مدینہ کی بزرگ شخصیات اور مبشر بالجہ صحابہ کرام پر۔

ٹھیک ٹھیک ایسا ہی سب کچھ، واقعہ حرہ میں بھی ہوا۔ اصل سازش سبائی ذریت نے رچی اور مکاری اور چالاک سے کچھ بھولے بھالے لوگوں کو اپنے ساتھ ملا لیا، اور اسلامی حکومت کے خلاف بغاوت کھڑی کر کے مدینہ میں قتل عثمان رضی اللہ عنہ جیسا ماحول برپا کر دیا۔ اور بعد میں ان کی ذریت نے واقعہ حرہ کی الگ داستان وضع کی، اور بغاوت اور فساد کو جہاد کا نام دے کر اس کی ساری ذمہ داری اہل مدینہ کی بزرگ شخصیات پر ڈال دی۔ بالکل ویسے ہی جیسے اس سے قبل ان کے آباء و اجداد نے اسی شہر مدینہ میں فساد برپا کر کے عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کیا، اور اس کارروائی کو جہاد سے بھی افضل بتا کر اس کی ساری ذمہ داری مدینہ کے جلیل القدر صحابہ پر ڈال دی۔

جو لوگ سبائیوں کی وضع کردہ داستان حرہ پر ایمان رکھتے ہیں ان حضرات کی خدمت میں عرض ہے انہیں مکاروں نے قتل عثمان ؓ کی جو داستان سنائی ہے اس پر ایمان کیوں نہیں لاتے؟ ایسا بھی نہیں ہے کہ قتل عثمان ؓ کی داستان کہیں اور بیان کی جا رہی ہے بلکہ یہ داستان بھی اہل سنت کی عین انہیں کتب میں درج ہے جن میں واقعہ حرہ کا بیان درج ہے۔

اگر ان کتابوں میں بیان کی گئی قتل عثمان رضی اللہ عنہ کی داستان معتبر نہیں ہے تو انہیں

کتابوں میں موجود واقعہ حرہ کی جھوٹی کہانیاں کیسے معتبر ہو گئیں؟؟

ویسے ہم یہ بات آج کی سبائیت زدہ نسل سے کہہ رہے ہیں لیکن اگر سبائیوں کی حمایت اور بنو امیہ کے ساتھ دشمنی میں ایسے ہی انصاف کا خون ہوتا رہا ہے تو کوئی بعید نہیں کہ ان کی آنے والی نسلیں اہل مدینہ کی طرف سے عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کو بھی جہاد کہنے لگ جائیں اور عثمان رضی اللہ عنہ پر بھی ویسے ہی الزامات لگانا شروع کر دیں جس طرح یزید بن معاویہ پر الزامات لگاتے جا رہے ہیں۔

### ✽ شامی فوج کا کردار

کہا جاتا ہے کہ واقعہ حرہ میں یزید کے حکم سے شامی فوج نے مدینہ کی حرمت پامال کی، عرض ہے کہ یزید نے مدینہ کی حرمت پامال نہیں کی ہے بلکہ یزید نے تو مدینہ کی حرمت بحال کی ہے، مدینہ کی حرمت کو تو سبائیوں نے پامال کیا تھا جنہوں نے مدینہ میں دہشت پھیلا کر عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل کیا پھر انہیں کی ذریت نے اپنے آبا و اجداد کی تاریخ دہرائی چاہی اور ایک بار پھر مدینہ کی حرمت پامال کر کے اہل مدینہ کو خوف و دہشت میں مبتلا کر دیا لیکن اس بار انہیں منہ کی کھانی پڑی کیونکہ یزید بن معاویہ نے انہیں سبق سکھا دیا اور مدینہ میں جاری ان کی دہشت گردی کو ختم کر کے مدینہ کی عزت و حرمت بحال کر دی۔

یزید بن معاویہ کی یہ کاروائی مدینہ کی بزرگ شخصیات کے خلاف نہ تھی بلکہ یہ کاروائی تو ان شر پسندوں کے خلاف تھی جو اسلامی حکومت کے خلاف سازش کر رہے تھے اور انہوں نے جھانسادے کر کچھ بھولے بھالے لوگوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا تھا اور اصل کردار انہیں کا تھا۔ تاہم اگر یہ بھی تسلیم کر لیں مدینہ کے مخالفین سب کے سب اہل خیر ہی تھے تو بھی ان کی بغاوت بلا وجہ تھی اس لئے اس فتنہ کو ختم کرنے کے لئے ان پر کارروائی کی گئی تو یہ قطعاً کوئی جرم نہیں ہے۔

بلکہ یزید نے تو اہل مدینہ کے ساتھ وہی کیا جو اس سے قبل علی رضی اللہ عنہ نے اہل جمل و اہل صفین کے ساتھ کیا، یا درہے کہ عام طور سے اہل جمل و صفین کے خلاف علی رضی اللہ عنہ کی کارروائی کو برحق بتلایا جاتا ہے اور ان کے مخالفین کو اجتہادی خطا کا مرتکب گردانا جاتا ہے۔

ہم کہتے ہیں بالکل یہی معاملہ یہاں بھی ہے، اہل مدینہ نے یزید کی بیعت توڑ دی جو کہ سبائی ذریت کی سازش تھی اور جو بھلے لوگ ان کے بہکاوے میں آ گئے تھے ان کی اجتہادی غلطی تھی پھر یزید بن معاویہ نے انہیں بہت سمجھایا لیکن وہ نہ مانے تو مجبوراً یزید کو ان کے خلاف فوجی قوت استعمال کرنی پڑی، اب اس میں یزید کا کیا قصور ہے۔

اگر اہل جمل و صفین کے خلاف علی رضی اللہ عنہ فوجی قوت استعمال کر سکتے ہیں تو اہل مدینہ کے خلاف یزید فوجی قوت کیوں نہیں استعمال کر سکتے۔

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس معاملہ میں علی رضی اللہ عنہ سے موازنہ درست نہیں کہاں علی رضی اللہ عنہ اور کہاں یزید!

عرض ہے کہ پہلے یہ فیصلہ کر لیں کہ علی رضی اللہ عنہ کا یہ عمل صحیح تھا یا غلط؟ اگر غلط تھا تو بے شک یہ خیال دل میں آ سکتا ہے علی رضی اللہ عنہ کی غلطی اور یزید کی غلطی میں فرق ہے۔

لیکن اگر علی رضی اللہ عنہ کا یہ عمل صحیح تھا تو ایک کام علی رضی اللہ عنہ کریں تو وہ صحیح اور عین اسی کام کو یزید کریں تو غلط یہ کیسے؟

بلکہ عمل کی یہ یکسانیت تو یزید بن معاویہ کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے کہ انہوں نے خلیفہ راشد علی رضی اللہ عنہ کی سنت کی پیروی کی، اور خلفائے راشدین کی سنت کی پیروی کا حکم صحیح حدیث میں موجود ہے، والحمد للہ۔

ایسی صورت میں یزید بن معاویہ نے سنت علی رضی اللہ عنہ کی پیروی ہی تو کی ہے! اس میں اتنا زیادہ بوکھلانے کی کیا بات ہے۔

تعجب ہے کہ لوگ اسے موازنہ کا نام دیتے ہیں، گویا کہ وہ تسلیم کرتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ اپنے اقدامات میں غلطی کے مرتکب ہوئے اور یہی غلطی کوئی اور دہرائے تو اس کا موازنہ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔

ہم کہتے ہیں اگر علی رضی اللہ عنہ کے اقدامات غلط نہیں تھے تو سنجیدگی سے بتلایا جائے کہ ایک صحیح کام جسے علی رضی اللہ عنہ انجام دیں، کیا دوسرے لوگ بھی وہی صحیح کام نہیں کر سکتے! پھر اگر صحیح نہیں تو کیا غلط کاموں میں علی رضی اللہ عنہ کے نقش قدم کی پیروی کی جائے؟

یاد رہے کہ اہل جمل و اہل صفین جن کے خلاف علی رضی اللہ عنہ نے فوجی قوت استعمال کی تھی وہ ان اہل مدینہ سے کئی گنا افضل و بہتر تھے جن کے خلاف یزید نے فوجی قوت استعمال کی تھی۔ اگر اہل جمل و صفین اس درجہ افضل ہونے کے باوجود بھی ان کے خلاف علی رضی اللہ عنہ فوجی قوت استعمال کر سکتے ہیں تو اہل مدینہ فضل و شرف میں ان سے کم تر ہیں ان کے خلاف یزید فوجی قوت کیوں نہیں استعمال کر سکتے۔ ہم تو کہتے ہیں کہ یزید نے علی رضی اللہ عنہ ہی کے نقش قدم کی پیروی کی اور علی رضی اللہ عنہ ہی کی سنت کو دہرایا۔

جہاں تک اس کا روایتی میں شامی فوج کے کردار کی بات ہے تو اس بارے میں جو صحیح روایت ملتی ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یزید کی طرف سے کارروائی کا حکم صرف انہیں لوگوں کے خلاف تھا جو فتنہ کے اصل ذمہ دار تھے اور جو لوگ شریکوں کے بہکائے میں آ کر ان کے ساتھ ہو گئے تھے ان کے بارے میں یزید کی طرف سے معافی اور درگزر کا حکم تھا

[تاریخ الإسلام ت بشار: ۵۸۳/۲ نقلا عن المدائنی و اسنادہ صحیح]۔

اس روایت کی سند صحیح ہے اس کی سند پر تفصیلی بحث ہو چکی ہے دیکھیں: یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ: ص ۲۳۹ تا ۳۳۵۔

اس صحیح روایت کی روشنی میں شامی فوج کے لئے یزید کا حکم صرف یہی تھا کہ اصل

شر پسندوں کے خلاف کارروائی کی جائے اور جن لوگوں کو بہکایا گیا ہے ان پر قابو پانے کے بعد انہیں معاف کر دیا جائے اور جن لوگوں نے مخالفت میں حصہ نہیں لیا ہے ان سے کوئی تعرض نہ کیا جائے بلکہ انہیں تحفظ فراہم کیا جائے۔ شامی فوج کی کارروائی کا ماحصل صرف اور صرف یہی تھا۔ جیسا کہ یہ صحیح روایت بتلاتی ہے۔

لیکن سبائی ذریت نے نمک مریچ لگا کر اس واقعہ کو خوب بڑھا چڑھا کر پیش کیا، ایسی ایسی باتیں اور ایسے ایسے اتہامات گھڑے جن کا وقوع حقیقت کی دنیا میں محال و ناممکن ہے۔ جس طرح واقعہ کر بلا کو ان لوگوں نے افسانہ بنا دیا، ان گنت جھوٹ اور بہتان اس واقعہ میں شامل کر دئے، ٹھیک اسی طرح واقعہ حرہ میں بھی ان لوگوں نے اکاذیب و باطلیل کا بہت بڑا حصہ شامل کر دیا۔ آگے ہم اختصار کے ساتھ چند مشہور اتہامات کی تردید پیش کرتے ہیں۔

### ❖ مسلمانوں کے قتل عام کا افسانہ:

کہا جاتا ہے کہ واقعہ حرہ میں شامی فوج کے ہاتھوں مسلمانوں کا قتل عام ہوا، اور بعض نے مقتولین کی تعداد دس ہزار بتلائی ہے۔

عرض ہے کہ واقعہ حرہ میں بے شک قتل و خونریزی ہوئی جس طرح جنگ جمل و جنگ صفین میں قتل و خونریزی ہوئی۔ لیکن ان میں سے کسی بھی واقعہ میں اس قدر خونریزی نہیں ہوئی ہے جس قدر تاریخ کی غیر معتبر روایات ہم کو بتلاتی ہیں۔ جس طرح ظالموں نے جمل و صفین کے مقتولین کی تعداد میں اس قدر مبالغہ کیا کہ بعض نے یہ تعداد تقریباً لاکھوں تک پہنچا دی۔ اسی طرح واقعہ حرہ میں بھی مقتولین کی تعداد کے بیان میں حد درجہ مبالغہ سے کام لیا گیا ہے۔ قارئین غور کریں کہ جو رواۃ جمل و صفین کے مقتولین کی تعداد لاکھوں تک پہنچا سکتے ہیں وہ اگر حرہ کی مقتولین کی تعداد دس ہزار بتلائیں تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔

بہر حال جب ہم اس سلسلے کی روایات کو تحقیق کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں تو نتیجہ یہ سامنے آتا



ہے کہ حرہ کے مقتولین کی تعداد بتانے والی کوئی ایک بھی روایت صحیح سند سے ثابت نہیں ہے۔ اس لئے کوئی بھی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ واقعہ حرہ میں کتنے لوگ قتل کئے گئے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ: ص ۴۲۸ تا ۴۳۱۔

### ✽ صحابہ کرام کے قتل عام کا افسانہ:

واقعہ حرہ میں شامی فوج پر ایک الزام یہ بھی ہے کہ انہوں نے بہت سارے صحابہ کو قتل کیا لیکن یہ بھی بے بنیاد بات ہے اور حقیقت یہ ہے کہ واقعہ حرہ میں شامی فوج کے ہاتھوں کسی ایک بھی صحابی کا قتل ہونا پسند صحیح ثابت نہیں ہے اس سلسلے میں جو باتیں ہیں بے سند اور بے حوالہ ہیں ان کا کوئی اعتبار ہی نہیں اور جو باتیں سند کے ساتھ ہیں وہ غیر متعلق ہیں یا ثابت ہی نہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ: ص ۴۳۲ تا ۴۳۵۔

### واقعہ حرہ میں قتل صحابہ کے درپہ کون؟ شامی فوج یا اہل مدینہ کے شریک؟

امام خلیفۃ بن خیاط رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۴۰) نے کہا:

حدثنا وهب بن جرير قال نا أبو عقيل الدورقي قال سمعت أبا نصره يحدث قال دخل أبو سعيد الخدري يوم الحرة غارا فدخل عليه رجل ثم خرج فقال لرجل من أهل الشام أدلك على رجل تقتله. فلما انتهى الشامى إلى باب الغار وقال لأبى سعيد وفى عنق أبى سعيد السيف اخرج إلى قال لا وإن تدخل على أقتلك فدخل الشامى فوضع أبو سعيد السيف وقال بوء بإثمي وإثمك وكن من أصحاب النار وذلك جزاء الظالمين فقال أبو سعيد الخدري أنت قال نعم قال فاستغفر لى قال غفر الله لك.

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے مصاحب منذر بن مالک ابو نصرہ کہتے ہیں کہ حرہ کے دن ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ ایک غار میں داخل ہو گئے۔ پھر ایک شخص غار میں ان کے پاس آیا

اور پھر باہر نکل گیا، اور باہر نکل کر ایک شامی فوجی سے کہا: میں تمہیں ایک شخص کے بارے میں بتاتا ہوں تم اسے قتل کر دو!

پھر جب شامی فوجی غار کے دروازے پر پہنچا تو ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ جن کے پاس تلوار تھی کہا کہ باہر نکلو! ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں! اور اگر تم میرے پاس آؤ گے تو میں تمہیں قتل کر دوں گا۔ پھر شامی فوجی غار کے اندر داخل ہوا اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے تلوار رکھ دی اور کہا: میرے اور اپنے گناہ اپنے سر لا دو اور دوزخیوں میں سے بن جاؤ، ظالموں کا یہی انجام ہے۔ (یہ سورہ مائدہ آیت: ۲۹ کا مفہوم ہے) اس کے بعد شامی فوجی بول پڑا: ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ یہ آپ ہیں؟ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا: جی ہاں! اس پر شامی فوجی نے گزارش کی کہ آپ میرے لئے مغفرت کی دعا کریں! چنانچہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے دعا کی کہ اللہ تمہاری مغفرت کرے۔ [تاریخ خلیفہ بن خیاط: ص: ۲۳۹ و اسنادہ صحیح]۔

اس روایت سے متعلق مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ: ص: ۴۱۵ تا ۴۱۶۔

یہ روایت اس بات کی دلیل ہے کہ شامی فوج صحابہ کرام کا احترام کرتی تھی اور ان کی کارروائی محض شریکوں کے خلاف تھی۔ دوسری طرف یہ روایت یہ بھی بتلاتی ہے کہ صحابہ کرام کے قتل کی مہم اہل مدینہ کے شریکوں کی تھی، وہی اس بات کی کوشش کرتے رہے کہ کسی نہ کسی طرح شامی فوج کے ہاتھوں صحابہ کا قتل کروایا جائے۔

ہماری نظر میں تو ایسی کوئی روایت ثابت نہیں جو یہ بتلاتی ہو کہ واقعہ حرہ میں کسی ایک بھی صحابی کی شہادت ہوئی، تاہم اگر بعض صحیح روایات سے ثابت بھی ہو جائے کہ واقعہ حرہ میں کچھ صحابہ شہید ہوئے تو بھی اس کے ذمہ دار اہل شام نہیں بلکہ اہل مدینہ کے شریک ہی ہیں۔

انہوں نے موقع پا کر یا تو خود صحابہ کرام کو قتل کیا یا جھوٹ اور مکاری سے اہل شام کے ہاتھوں صحابہ کا قتل کروایا جیسا کہ اس روایت میں اہل مدینہ کے شری پسندوں کی طرف سے اس سرگرمی کا ثبوت ملتا ہے۔

### ✽ مدینہ میں لوٹ کھسوٹ کا افسانہ:

کہا جاتا ہے کہ مدینہ پر اہل شام نے جب حملہ کیا تو مدینہ میں تین دن تک لوٹ کھسوٹ ہوئی، حالانکہ یہ ساری باتیں محض جھوٹ اور پروپیگنڈہ ہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ: ص ۴۴۵ تا ۴۵۸۔

### ✽ خواتین کی عصمت دری کا افسانہ:

مدینہ میں کی گئی کارروائی میں جو جھوٹی باتیں شامل کی گئی ہیں اور جسے بعض اہل علم نے بغیر تحقیق کے نقل کر دیا ہے انہیں میں سے ایک گند اور غلیظ جھوٹ یہ بھی ہے کہ اسلامی حکومت کی فوج نے مدینہ میں کارروائی کے دوران وہاں کی عورتوں کے ساتھ بدکاری کی۔ یہ بات سراسر جھوٹ اور بہتان ہے اس سے متعلق ایک بھی صحیح روایت پورے ذخیرہ کتب میں موجود ہی نہیں۔ اور جو روایات ہیں وہ قطعاً مکذوب اور مبنی بر جھوٹ ہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ: ص ۴۵۸ تا ۴۶۳۔

### ✽ مسجد نبوی میں اذان و نماز کے بند ہونے کا افسانہ:

سعید بن عبد العزیز سے منقول ہے کہ:

جب ایام حرہ کا واقعہ پیش آیا تو تین دنوں تک مسجد نبوی میں اذان اور اقامت نہیں ہوئی، اور سعید بن المسیب ان دنوں مسجد نبوی ہی میں ٹھہرے رہے آپ کہتے ہیں جب نماز کا وقت ہو جاتا تو قبر نبوی سے اذان کی آواز سنائی دیتی اور میں یہ آواز سن کر اقامت کہتا اور نماز ادا کرتا۔

عرض ہے کہ بات بھی محض جھوٹ اور کذب ہے اس سلسلے کی کوئی بھی روایت ثابت نہیں ہے تفصیل کے لئے دیکھئے: یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ: ص ۴۶۳ تا ۴۶۷۔

### ✽ صحابہ و اکابرین امت کا موقف

واقعہ حرہ کے وقت مدینہ علم و فن کا مرکز تھا وہاں اجلہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور دیگر اہل علم اور بزرگان دین کی ایک بڑی تعداد موجود تھی، مگر کسی بھی صحیح روایت میں یہ نہیں ملتا کہ اس مخالفت میں مدینہ کی کسی بھی بڑی شخصیت نے ساتھ دیا ہو اور صحابہ میں سے تو کسی ایک نے بھی ان کا ساتھ نہیں دیا، بلکہ اس کے برعکس مخالفین ہی کو عہد شکن قرار دیا اور ان کے طرز عمل کی مذمت کی، کماسیاتی۔

الغرض یہ کہ یزید کی مخالفت میں کسی ایک بھی صحابی کی شمولیت بسند صحیح ثابت نہیں ہے۔ افسوس کہ بعض حضرات بغیر کسی بنیاد کے یہ کہتے رہتے ہیں کہ مدینہ کے صحابہ اور بڑے بڑے لوگوں نے یزید کی مخالفت کی اور ان کی بیعت توڑ دی۔

ہم کہتے ہیں، اولاً تو ایسا کچھ بھی صحیح سند سے ثابت نہیں۔ ثانیاً اگر بالفرض تسلیم کر لیں کچھ صحابہ نے یزید کی مخالفت کی تو بھی ہم محض اس چیز کو بنیاد بنا کر یزید کو مطعون نہیں کر سکتے ورنہ علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا کہیں گے ان سے تو صرف اجلہ صحابہ ہی نہیں بلکہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی مخالفت کی اسی طرح طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما جیسے جنت کی بشارت یافتہ صحابہ نے علی رضی اللہ عنہ کی بیعت توڑ دی۔ [مصنف ابن ابی

شیبہ: ۷/۴۶ و اسنادہ صحیح]۔

صرف یہی نہیں بلکہ ان جلیل القدر صحابہ کے ساتھ ساتھ عالم اسلام کے ایک بہت بڑے صوبے شام کے تمام باشندوں نے علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی۔

حتیٰ کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

والذین خرجوا على عثمان طائفة من أوباش الناس، وأما على فكثير من السابقين الأولين لم يتبعوه ولم يبايعوه، وكثير من الصحابة والتابعين قاتلوه. عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف جن لوگوں نے خروج کیا وہ اوباش لوگ تھے لیکن جہاں تک علی رضی اللہ عنہ کا معاملہ ہے تو سابقون اور اولون میں سے بہت سے لوگوں نے نہ ان کی پیروی کی اور نہ ہی ان سے بیعت کی، نیز بہت سے صحابہ اور تابعین نے ان سے جنگ کی۔ [منہاج السنة النبوية: ۸/۲۳۴]۔

غور کریں یہ اہل مدینہ کی مخالفت سے بھی سنگین معاملہ ہے تو کیا اس وجہ سے علی رضی اللہ عنہ کی ذات کو ہدف طعن بنانا درست ہوگا؟ ہرگز نہیں۔ یہی موقف یزید کے ساتھ بھی اپنانا چاہئے انصاف کا تقاضا یہی ہے۔ یہ بات اس صورت میں کہی جائے گی جب یہ ثابت ہو جائے کہ یزید کے مخالفین میں صحابہ اور مدینہ کے اکابرین شامل تھے لیکن ہم اوپر عرض کر چکے ہیں کہ مدینہ کے کسی ایک بھی صحابی یا عظیم شخصیت سے یزید کی مخالفت ثابت نہیں ہے۔

در اصل واقعہ حرہ دشمنان اسلام کی ایک سازش تھی اور اس کے اصل ذمہ دار وہ شریک تھے جن کا ہمیشہ سے یہی معمول تھا کہ خیر اور اصلاح کے نام پر مسلمانوں میں اختلاف پیدا کرو، بھولے بھالے لوگوں کو بہلا پھسلا کر اپنے ساتھ کر لو اور پھر مسلمانوں کو ایک دوسرے سے لڑا دو۔ اور جب گردنیں کلنے کی نوبت آ جائے تو بھاگ کر روپوش ہو جاؤ۔

چنانچہ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی یہ کیا گیا انہیں مسلمانوں ہی کے خلاف تلوار اٹھانے پر آمادہ کیا گیا اور عین وقت پر ان کا ساتھ چھوڑ دیا گیا، واقعہ کربلا میں بھی یہی کچھ ہوا مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کی کوشش کی گئی اور عین وقت پر حسین رضی اللہ عنہ کو تنہا چھوڑ دیا گیا بلکہ اپنے ہی تحفظ کے لئے خود ہی ان کا قتل بھی کر دیا گیا۔

واقعہ حرہ میں بھی یہی کچھ ہوا، مدینہ میں یزید کے عمال کو پریشان کیا گیا، یزید نے نصیحت کی تو اسے ہی مطعون کیا گیا اور اس پر ان گنت اتہامات لگائے گئے۔ پھر خیر اور اصلاح کے نام پر کچھ بھولے بھالے لوگوں کو بہلا پھسلا کر اپنے ساتھ کر لیا گیا اور اپنے ناپاک عزائم پر پردہ ڈالنے کے لئے ہر جگہ انہیں کونمایاں کیا گیا یہاں تک کہ معاملہ حکومت وقت کے ساتھ تصادم تک پہنچ گیا۔ پھر اصل لڑائی کا وقت آیا تو ان بھولے بھالے لوگوں کو آگے بڑھا کر خود نہ صرف پیچھے ہٹ گئے بلکہ خود اہل مدینہ ہی کے مخالفین کا ساتھ دینے لگے۔

افسوس ہے کہ بعض حضرات واقعہ حرہ میں یزید کے مخالفین میں ایک دو بھولے بھالے لوگوں کا نام دیکھ کر یہ نتیجہ نکال لیتے ہیں کہ اہل مدینہ کے تمام اہل خیر یزید کے مخالف ہو گئے تھے۔

اگر یہ نتیجہ صحیح ہے تب تو علی رضی اللہ عنہ سے متعلق یہ کہنا چاہئے کہ پوری امت ان کے مخالف ہو گئی تھی بلکہ علی رضی اللہ عنہ سے بھی قبل عثمان رضی اللہ عنہ کی مخالفت میں بھی مدینہ کے بعض اہل خیر کا نام آتا ہے تو کیا اس سے ہم یہ نتیجہ نکال لیں کہ مدینہ کے تمام اہل خیر خلیفہ سوم عثمان رضی اللہ عنہ کے مخالف ہو گئے تھے چنانچہ:

امام ابن سعد رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۰) نے کہا:

أخبرنا عفان بن مسلم قال: أخبرنا حماد بن سلمة قال: أخبرنا أبو حفص، و كلثوم بن جبر، عن أبي غادية قال: ”سمعت عمار بن ياسر يقع في عثمان يشتمه بالمدينة....“

صحابی رسول ابو غادیہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے مدینہ میں عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو عثمان رضی اللہ عنہ کی شان میں بدزبانی کرتے ہوئے اور انہیں برا بھلا کہتے ہوئے

سنا۔ [الطبقات الكبرى ط دار صادر: ۳/ ۲۶۰ قال الالبانی: هذا إسناد صحيح، رجاله ثقات

رجال مسلم، الصحيحة: ۵/ ۱۹ وهو كذلك، وأبو حفص هو سعيد بن جمهان وهو وثقة،

لكن جملة ”إن قاتله وسالبه في النار“ وردت ب ”قيل“ فهي غير ثابتة لجهالة راويها]۔

اس کی سند صحیح ہے علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی اس سند کو صحیح کہا ہے۔ اس کی سند پر تفصیلی بحث کے لئے دیکھئے: یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ: ص ۴۷۰ تا ۴۷۷۔

اس صحیح روایت سے معلوم ہوا کہ مدینہ والوں نے جب عثمان رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی اور ان کی بیعت توڑ دی حتیٰ کہ انہیں قتل بھی کر ڈالا تو اس موقع پر عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ عثمان رضی اللہ عنہ کی شان میں بدزبانی کرتے تھے اور انہیں برا بھلا کہتے تھے۔

بلکہ ایک صحیح روایت کا حوالہ گذشتہ سطور میں ہم پیش کر چکے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ خلیفہ اول ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بیٹے محمد بن ابی بکر نے نہ صرف یہ کہ عثمان رضی اللہ کی مخالفت کی بلکہ ان کے قتل پر بھی آمادہ ہو گئے اور ارادہ قتل سے عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر میں گھس کر ان پر حملہ آور بھی ہو گئے تھے لیکن عثمان رضی اللہ نے انہیں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے

واسطہ سے غیرت دلائی تو وہ ہٹ گئے۔ [تاریخ خلیفہ بن خیاط: ص ۱۷۴ و اسنادہ صحیح]

سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح کی ایک دو صحیح روایات سے ہم یہ نتیجہ نکال لیں کہ مدینہ کے تمام باشندے بشمول صحابہ و تابعین خلیفہ سوم عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف ہو گئے تھے، ان کی بیعت توڑ دی حتیٰ کہ انہیں قتل بھی کر ڈالا۔ جیسا کہ شیعہ اور رافضی لوگوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور دلیل میں ہماری انہیں کتابوں سے تاریخی روایات پیش کرتے ہیں جن کتابوں سے واقعہ حرہ کی تفصیلات پیش کی جاتی ہیں۔

صاف بات یہ ہے کہ اہل مدینہ کی طرف سے یزید کی مخالفت ہو یا اہل مدینہ کی طرف سے عثمان رضی اللہ عنہ کی مخالفت یہ سب دشمنان اسلام کی سازش تھی، اصل مخالفت سبائی اور ان کی ذریت ہی کی طرف سے تھی، لیکن ان ظالموں نے دونوں موقعوں پر جھوٹ اور فریب کاری سے کچھ بھولے بھالے لوگوں کو بہلا پھسلا دیا تھا، جو درندے عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف عمار بن یاسر، اور محمد بن ابی بکر کو بہکا سکتے ہیں تو اگر یہ درندے ابن مطیع وغیرہ کو

یزید کے خلاف بھڑکادیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

بلکہ علامہ احسان الہی ظہیر رحمہ اللہ کے بقول تو سبائیوں نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو بھی عثمان رضی اللہ کے خلاف بھڑکادیا تھا چنانچہ علامہ لکھتے ہیں:

أن أبا ذر رضي الله عنه لشدة ورعه وزهده وسداجته انطلق عليه أكاذيب عبد الله بن سبأ...

ابوذر رضی اللہ عنہ کے بہت زیادہ متقی و پرہیزگار اور سیدھے سادھے ہونے کے سبب عبداللہ بن سبا کی جھوٹی باتیں ان پر اثر کر گئیں۔ [الشيععة والتشيع: ص: ۱۲۶]۔

الغرض یہ کہ جس طرح اہل مدینہ نے عثمان رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی تو کچھ بھولے بھالے لوگ بھی ان کے خلاف ہو گئے ٹھیک اسی طرح اہل مدینہ نے جب یزید کی مخالفت کی تو اس موقع پر بھی کچھ بھولے بھالے لوگ یزید کے خلاف ہو گئے لیکن اس کے باوجود بھی ان کی مخالفت میں کسی ایک بھی صحابی یا عظیم شخصیت نے شرکت نہیں کی بلکہ مدینہ کے صحابہ اہل بیت اکابرین اور اہل علم سب کے سب نہ صرف یہ کہ یزید کی بیعت پر باقی رہے بلکہ یزید کا دفاع بھی کرتے رہے اور باغیوں کو بغاوت سے روکتے بھی رہے چنانچہ:

✽ عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ کا موقف:

امام بخاری رحمہ اللہ (التوفی: ۲۵۶) نے کہا:

حدثنا إسماعيل، عن أخيه، عن سليمان، عن عمرو بن يحيى، عن عباد بن تميم، قال: لما كان يوم الحرة، والناس يبائعون لعبد الله بن حنظلة، فقال ابن زيد: على ما يبائع ابن حنظلة الناس؟ قيل له: على الموت، قال: لا أباع على ذلك أحدا بعد رسول الله ﷺ، وكان شهد معه الحديدية

عباد بن تمیم نے بیان کیا کہ حرہ کی لڑائی میں لوگ عبداللہ بن حنظلہ کے ہاتھ پر بیعت کر



رہے تھے۔ عبداللہ بن زید نے پوچھا کہ ابن حنظلہ سے کس بات پر بیعت کی جا رہی ہے؟ تو لوگوں نے بتایا کہ موت پر۔ ابن زید نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب میں کسی سے بھی موت پر بیعت نہیں کروں گا۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ حدیبیہ میں شریک تھے۔ [صحیح البخاری: ۱۲۵/۵، رقم: ۴۱۶۷]۔

معلوم ہوا کہ صحابی رسول عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ بھی اہل مدینہ کے اس طرز عمل سے متفق نہیں تھے اور عبداللہ بن حنظلہ کے طریقہ بیعت پر بھی انہیں اعتراض تھا۔

❁ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا موقف:

امام خلیفۃ بن خیاط رحمہ اللہ (المتوفی ۲۳۰ھ) نے کہا:

فحدثني وهب قال حدثني أبي عن أيوب عن عكرمة عن ابن عباس سأل عنهم وهو بالطائف ف قيل له استعملوا عبد الله بن مطيع على قريش وعبد الله بن حنظلة على الأنصار فقال أميران هلك القوم.

عکرمہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ طائف میں تھے وہاں آپ نے اہل مدینہ کے بارے میں پوچھا تو کہا گیا: اہل مدینہ نے قریش کے لئے عبداللہ بن مطیع اور انصار کے لئے عبداللہ بن حنظلہ کو امیر مقرر کر دیا ہے تو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: دو امیر! اب یہ قوم ہلاک و برباد ہوگی۔ [تاریخ خلیفۃ بن خیاط: ص: ۲۳۷ و اسنادہ صحیح ومن ہذا الطريق اخرجه ابن عساكر في تاريخ دمشق: ۴۳۱/۲۷]۔

معلوم ہوا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اہل مدینہ کے اس طرز عمل سے متفق نہیں تھے بلکہ اسے ہلاک و بربادی کا پیش خیمہ سمجھتے تھے۔

❁ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا موقف:

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا مقام و مرتبہ بیان کا محتاج نہیں ہے خود اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری صراحت کے ساتھ انہیں نیک اور دیندار قرار دیا ہے۔ چنانچہ بخاری و مسلم کی

حدیث ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:  
 إِنَّ عَبْدَ اللَّهِ رَجُلٌ صَالِحٌ.

عبداللہ نیک آدمی ہیں۔ [البخاری: ۵/۲۵۰، مسلم: ۴/۱۹۲۷، رقم: ۲۴۷۸۔]

یہی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہیں جنہوں نے نہ صرف یہ کہ یزید کی مخالفت نہ کی بلکہ یزید کے مخالفین سے اظہار برأت کیا اور ان تمام لوگوں سے رشتہ ناطہ ترک کرنے کا اعلان کیا جو لوگ یزید کی مخالفت سے باز نہ آئے، چنانچہ صحیح بخاری کی روایت ہے:

امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵۶) نے کہا:

حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ نَافِعٍ، قَالَ: لَمَّا خَلَعَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ يَزِيدَ بْنَ مُعَاوِيَةَ، جَمَعَ ابْنُ عُمَرَ، حَشَمَهُ وَوَلَدَهُ، فَقَالَ: إِنِّي سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: يُنْصَبُ لِكُلِّ غَادِرٍ لَوَاءُ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَإِنَّا قَدْ بَايَعْنَا هَذَا الرَّجُلَ عَلَى بَيْعِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ، وَإِنِّي لَا أَعْلَمُ غَدِرًا أُعْظَمَ مِنْ أَنْ يُبَايَعَ رَجُلٌ عَلَى بَيْعِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُنْصَبُ لَهُ الْقِتَالُ، وَإِنِّي لَا أَعْلَمُ أَحَدًا مِنْكُمْ خَلَعَهُ، وَلَا بَايَعَ فِي هَذَا الْأَمْرِ، إِلَّا كَانَتْ الْفَيْصَلُ بَيْنِي وَبَيْنَهُ.

نافع روایت کرتے ہیں کہ جب اہل مدینہ نے یزید کی بیعت توڑ دی تو ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں اور بچوں کو اکٹھا کیا اور کہا کہ میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ: ہر وعدہ توڑنے والے کے لئے قیامت کے دن ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا، اور ہم اس (یزید) کی بیعت اللہ اور اس کے رسول کے موافق کر چکے ہیں، میں نہیں جانتا کہ اس سے بڑھ کر کوئی بے وفائی ہو سکتی ہے کہ ایک شخص کی بیعت اللہ اور اس کے رسول کے موافق ہو جائے پھر اس سے جنگ کی جائے، تم میں سے جو شخص یزید کی بیعت توڑے گا، اور اس کی اطاعت سے روگردانی کرے گا تو میرا اس سے کوئی رشتہ باقی نہیں رہے گا۔ [البخاری: ۵۷/۹، رقم: ۷۱۱۱۔]

یادر ہے کہ واقعہ حرہ کے ختم ہونے کے بعد بھی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے یزید کی مذمت نہیں کی جب کہ آپ حجاج بن یوسف کی مذمت کرتے تھے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ واقعہ حرہ میں بھی یزید نے نہ تو ظلم و بربریت کا حکم دیا تھا اور نہ ہی شامی فوج نے مظالم ڈھائے تھے ورنہ یہ سب کچھ ہونے کے بعد عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ یزید اور شامی فوج کی ضرور مذمت کرتے لیکن مذمت کرنا تو دور کی بات آگے ہم ایک روایت پیش کریں گے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اس واقعہ کے بعد اس بات پر افسوس ظاہر کرتے تھے کہ انہوں نے بھی باغیوں کے خلاف قتال کیوں نہیں کیا۔ دیکھئے: ۱۹۴۔

❁ محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ کا موقف:

تابعین میں محمد بن الحنفیہ رحمہ اللہ جیسی عظیم شخصیت جو حسین رضی اللہ عنہ کے بھائی بھی تھے انہوں نے بھی اہل مدینہ کی اس حرکت کو سراسر غلط قرار دیا اور یزید بن معاویہ پر لگائے گئے سارے الزامات کی نہ صرف تردید کی بلکہ آپ نے یزید بن معاویہ کے محاسن و فضائل بیان کئے۔ دیکھئے یہی کتاب: ص ۱۰۱ تا ۱۰۳۔

❁ ربیعہ رسول زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا کا موقف:

صرف صحابہ و تابعین ہی نہیں بلکہ مدینہ کی فاضل خواتین نے بھی اہل مدینہ کی اس شرانگیزی کی مذمت کی چنانچہ ربیعہ رسول زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا جو اپنے دور میں مدینہ کی عورتوں میں سب سے بڑی عالمہ و فقیہہ تھیں ان کے ایک لڑکے نے یزید کے خلاف اہل مدینہ کا ساتھ دیا اور اہل شام کے ہاتھوں قتل ہوا تو ان کی یہ فقیہہ ماں اس کے سوء خاتمہ سے ڈرتی تھیں چنانچہ:

امام خلیفہ بن خیاط (المتوفی: ۲۴۰) رحمہ اللہ نے کہا:

حدثنا وهب قال: حدثني أبي قال: نا الحسن قال: أصيب ابنا زينب يوم

الحرّة فحملاً إليها فقالت: إنا لله وإنا إليه راجعون ما أعظم المصيبة على فيهما ولهي في هذا أعظم على منها في هذا. أما هذا فبسط يده فقاتل حتى قتل فأخاف عليه. وأما هذا فكف يده حتى قتل فأنا أرجو له.

حسن بصری تابعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حرہ کے دن زینب ربیبہ رسول کے دو بیٹے قتل کر دئے گئے ان دونوں کو ان کے پاس لایا گیا تو انہوں نے کہا: انا للہ وانا الیہ راجعون! ان دونوں بیٹوں کی موت سے مجھ پر کتنی سخت مصیبت نازل ہوئی ہے اور میرے اس بیٹے کی مصیبت تو میرے اس دوسرے بیٹے کی مصیبت سے بھی زیادہ ہے کیونکہ اس نے اس لڑائی میں حصہ لیا اور قتل کیا گیا میں اس کے سوء خاتمہ سے ڈرتی ہوں لیکن میرے اس دوسرے بیٹے نے لڑائی میں حصہ نہیں لیا پھر بھی قتل ہو گیا مجھے اس کے بارے میں اچھی امید ہے۔ [تاریخ

خلیفۃ بن خیاط: ص: ۲۳۹ و اسنادہ صحیح]۔

غور کریں مدینہ کی یہ عظیم فقیہ اپنے اس بیٹے کی موت کو بڑی مصیبت بتا رہی ہیں اور اس کے سوء خاتمہ سے ڈر رہی ہیں جس نے یزید کے خلاف لڑائی میں حصہ لیا تھا۔

یاد رہے کہ ربیبہ رسول کا یہ بیان واقعہ حرہ کے ختم ہونے کے بعد کا ہے اس سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ واقعہ حرہ میں شامی فوج نے مظالم نہیں ڈھائے تھے اور نہ ہی دانستہ کسی معصوم کا خون بہایا تھا ورنہ اس واقعہ کے ختم ہونے کے بعد ربیبہ رسول ایسا بیان نہ دیتیں۔

غور کرنے کی بات ہے کہ محمد بن الحنفیہ رحمہ اللہ جن کے اپنے بھائی حسین رضی اللہ عنہ یزید کے دور میں ہی شہید ہوئے، ربیبہ رسول جن کے اپنے بیٹے واقعہ حرہ میں شہید ہوئے ان لوگوں نے بھی یزید کی مذمت نہیں کی بلکہ یزید کے مخالفین ہی کو زود و کوب کیا۔ لیکن افسوس ہے کہ دور یزید کے ہزاروں سال بعد پیدا ہونے والے نہ جانے کس دنیا سے یہ خبر لاتے ہیں کہ یزید ظالم تھا یزید فاسق تھا، سبحان اللہ ہذا بہتان عظیم۔

## ج : حصار مکہ

### ✽ پس منظر

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے یزید کی مخالفت جس پس منظر میں کی تھی اس کا حاصل یہ ہے کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو یہ اندیشہ تھا کہ باپ کے بعد بیٹے کو خلیفہ بنانے سے اسلامی خلافت کا نظام بگڑ سکتا ہے اور خلافت ملوکیت میں تبدیل ہو سکتی ہے، اس لئے امیر معاویہ اور ان کے موافقین صحابہ کے اس فیصلہ سے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ متفق نہ تھے کہ امیر معاویہ کے بعد ان کے بیٹے یزید کو خلیفہ بنانے کی بیعت کی جائے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ: ص: ۲۹۶-۲۹۹۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی مخالفت صرف اسی حد تک تھی کہ انہوں نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں یزید کی بیعت نہیں کی تھی اور امیر معاویہ کی وفات کے بعد بھی آپ نے یزید کی بیعت نہیں کی۔ اور آپ چونکہ شروع ہی سے یزید کی بیعت کے مخالف تھے اس لئے ظاہر ہے کہ آپ کی عدم بیعت اور خلافت یزید سے آپ کی مخالفت کو بغاوت یا عہد شکنی سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا کیونکہ بغاوت اور عہد شکنی کی بات اس وقت ہوتی جب کوئی پہلے کسی کی بیعت کر لے اور بعد میں بیعت توڑ دے جس طرح مدینہ کے کچھ شریکین نے کیا تھا۔

بہر حال عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا موقف صرف مخالفت اور عدم بیعت کا تھا اس سے آگے بڑھ کر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوئی باغیانہ اقدام نہیں ہوا تھا اسی لئے امیر معاویہ کی زندگی میں بھی ان سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد واقعہ حرہ تک تقریباً تین سال کا عرصہ گزرا، اس عرصہ میں بھی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا کیونکہ اس بیچ ان کا موقف صرف اختلاف اور عدم بیعت کا تھا اس سے آگے بڑھ کر حکومت کے خلاف ان کی طرف سے کوئی پیش رفت نہیں

ہوئی تھی اس لئے حکومت نے بھی ان کی اس مخالفت کو نظر انداز کیا اور ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔

لیکن واقعہ حرہ کے وقت جن شری پسندوں نے اہل مدینہ کے بعض بھولے بھالے افراد کو اپنی سازش کا شکار بنایا اور انہیں خلیفہ وقت کی بیعت توڑنے تک پر آمادہ کر لیا، اسی سازشی ٹولے نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی مخالفت کو اپنے حق میں استعمال کیا اور ان کی آڑ میں ان کے ساتھ مل کر حکومت وقت کے خلاف ایک فتنہ کھڑا کر دیا۔

### ✽ اصل مخالفین

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی تحریک میں اصل کردار اسلام مخالف شری پسندوں ہی کا تھا۔ اگر مخالفت کی یہ تحریک خالص عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ہی کی ہوتی تو وہ شروع ہی میں یزید کی خلافت کو چیلنج کر دیتے لیکن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایسا کچھ نہیں ہوا بلکہ وہ اپنے اختلاف کے ساتھ اپنی جگہ خاموش تھے اور اس بیچ حکومت نے بھی ان پر کوئی دباؤ نہیں ڈالا۔ لیکن خلافت یزید پر تین سال سے زائد عرصہ گزرنے کے بعد عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی مخالفت ایک تحریک میں بدل جاتی ہے جس کا مشن یزید کی حکومت کو چیلنج کرنا اور ان کے عمال کو حتیٰ کی خاندان بنو امیہ کے افراد کو بھی مدینہ و مکہ سے نکال باہر کیا۔

سوال یہ ہے کہ اگر یہ خوفناک تحریک خالص عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ہی کی کاوش ہے تو اس کے ظہور میں اس قدر تاخیر کیوں ہوئی، یزید کے خلیفہ بنتے ہی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے یہ تحریک کیوں نہیں شروع کی، بلکہ شہادت حسین رضی اللہ عنہ کے بعد بھی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کوئی سرگرمی نہیں دکھائی۔ بلکہ اس کے کافی عرصہ بعد یہ تحریک مکہ سے شروع ہوتی ہے آخر کیوں؟

صاف ظاہر ہے کہ یہ سب دشمنوں کی ترتیب ہی سے ہوا ہے، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے

خلیفہ بننے کے بعد پورا عالم اسلام متحد ہو گیا تھا اور دشمنوں کو فتنہ انگیزی کے لئے کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ لیکن یزید کے خلیفہ بننے کے بعد پھر اس فتنے کو جگانے کی کوشش کی گئی جو صلح حسن رضی اللہ عنہ کے بعد موت کی نیند سوچکا تھا، چنانچہ حسین رضی اللہ عنہ کی شخصیت کا انتخاب کیا گیا اور کوشش کی گئی کہ ان کے ذریعہ ایک بار پھر امت مسلمہ کو خاک و خون میں ترپایا جائے۔ لیکن حسین رضی اللہ عنہ نہ صرف یہ کہ ان کے آلہ کار نہیں بنے بلکہ یزید کو امیر المؤمنین تسلیم کر کے ان سے بیعت پر رضامندی کا اعلان کر دیا۔ جس کے نتیجے میں ظالموں نے آپ کو شہید کر دیا۔

آپ کی شہادت کے بعد اسلامی حکومت پوری طرح چوکنا ہو گئی اور ہر طرح کے فتنہ پر کڑی نگاہ رکھی گئی اس لئے اس سانحہ کے بعد کافی عرصہ تک درندوں نے خاموش رہنے ہی میں عافیت سمجھی۔ پھر جوں ہی حالات پرسکون ہوئے ان سرکشوں نے دوبارہ سراٹھایا اور امت مسلمہ کے بیچ خونریزی کے لئے کسی نئے بہانے کی تلاش میں لگ گئے۔

انہوں نے دیکھا کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ پورے عالم اسلام میں واحد شخص تھے جنہوں نے شروع سے لیکر اب تک یزید کی بیعت نہیں کی ہے۔ پھر کیا تھا ہر چہار جانب سے خوارج اور فتنہ پرور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس پہونچے اور انہیں حکومت یزید کے خلاف بھڑکایا۔

وكانت الخوارج قد اتته واهل الاهواء كلهم وقالوا عائذ بيت الله  
وكان شعاره لا حكم الا لله

خوارج اور ہر طرح کے خواہش پر لوگ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور انہیں عائذ بیت اللہ کہا اور نعرہ لگایا کہ اللہ کے علاوہ کسی کا حکم نہیں چلے گا۔ [تاریخ دمشق

بعض روایات کے مطابق کچھ لوگوں نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو متنبہ بھی کیا کہ آپ جس لشکر کی قیادت کر رہے ہیں وہ سب خوارج اور بے دین لوگ ہیں چنانچہ:

فنهض ابن الزبير ومعه عمير بن ضبيعة في سبعين من الخوارج فقتل له أتقاتل بهذه المارقة؟ فقال: لو أعانتني الشياطين على أهل الشام لقاتلتهم بهم

عبداللہ بن زبیر عمیر بن ضبیعہ کے ساتھ ستر خوارج کے ساتھ اٹھے۔ ان سے کہا گیا کہ: آپ اس بے دین اور خوارج کی جماعت کے ساتھ قتال کریں گے؟ تو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر اہل شام کے خلاف شیاطین بھی میری مدد کریں تو میں ان کے ساتھ بھی قتال کروں گا۔ [أنساب الأشراف للبلاذری، ط، دار الفکر: ۳۳۹/۵]

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ تو شروع ہی سے حکومت یزید کے خلاف تھے بلکہ انہوں نے تا حال بیعت نہیں کی تھی اس لئے آپ ان لوگوں کی باتوں میں آگئے اور اس طرح آپ کی خاموش مخالفت ایک سرگرم تحریک میں بدل گئی۔

جن شریکوں نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی مخالفت کو ایک تحریک میں بدل دیا انہیں کی ایک ٹیم نے مدینہ سے فتنہ کی شروعات کی، ابتداء میں حاکم مدینہ کو ستایا، انہیں سمجھانے کی کوشش کی گئی تو یہ مزید سر پر چڑھ گئے اور معاملہ یہاں تک پہنچ گیا کہ ان لوگوں نے حاکم مدینہ کو مدینہ سے باہر نکال دیا اور ساتھ میں بنو امیہ کے افراد کو بھی شہر بدر کر دیا اور مدینہ کے بھولے بھالے لوگوں کو بہلا پھسلا کہ مدینہ میں بغاوت برپا کر دی گئی اور اپنی سازش پر پردہ ڈالنے کے لئے اس پورے فساد کو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی تحریک مخالفت سے جوڑ دیا۔

یزید نے اہل مدینہ کو سمجھانے کی کوشش کی تو الٹا یزید ہی کو مطعون کیا گیا اس پر ترک صلاۃ



، شراب نوشی اور نہ جانے کیسے کیسے اتہامات لگائے گئے بالآخر فتنہ پردازی کی حد ہو گئی اور مدینہ کی حرمت پامال کر دی گئی تو مجبوراً ان کے خلاف فوجی کارروائی کرنی پڑی جسے واقعہ حرہ کے نام سے جانا جاتا ہے جس کی تفصیل پیش کی جا چکی ہے۔

واقعہ حرہ کے بعد اسلامی فوج مکہ کی طرف روانہ ہوئی تاکہ مکہ میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں مخالفت کی جو تحریک سرگرم ہے اسے ختم کیا جائے۔ اس واقعہ کو حصار مکہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں مکہ میں یزید کی مخالفت میں روح رواں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ہی تھے لیکن یہ سب کچھ خالص انہیں کی سرگرمیوں کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ ان کے ساتھ شریکین لوگ بھی لگے ہوئے تھے۔ جو صرف فتنہ تک ہی ان کا ساتھ دے سکتے تھے اور جوں ہی گردن کٹانے کی باری آتی یہ سب بھاگنے والے تھے چنانچہ تاریخی روایات بتلاتی ہیں کہ آگے چل کر جب دوسری بار حجاج نے ان کا محاصرہ کیا تو ان کے سارے اعوان و انصار دم دبا کر نہ صرف بھاگ گئے بلکہ بعض تو مخالف گروپ میں شامل ہو گئے اور انہیں قتل ہونے کے لئے تنہا چھوڑ دیا۔ [البداية والنهاية، مكتبة المعارف: ۸/ ۳۳۰]

در اصل یہ ساتھی سچے ساتھی نہ تھے بلکہ سازشی ٹولے کے شریک تھے جن کا مقصد ہی ہمیشہ کی طرح یہی تھا کسی نہ کسی بہانے سے امت مسلمہ کے بیچ خونریزی کی جائے اور انہیں آپس میں ہی لڑا کر ان کی طاقت کو تھس نہس کر دیا جائے۔

اگر یہ لوگ مخلص اور سچے ساتھی ہوتے تو مرتے دم تک عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہ چھوڑتے لیکن فتنہ برپا کر کے عین وقت پر عبداللہ بن زبیر کا ساتھ چھوڑ کر بھاگ جانا اس بات کی دلیل ہے کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی معیت کا دم بھرنے والا یہ گروہ اسی سبائی ٹولے کی پیداوار تھا جس نے حسین رضی اللہ عنہ کی حمایت کا دعویٰ کیا اور میدان کربلا

میں انہیں اکیلا چھوڑ دیا بلکہ موقع پا کر خود ہی انہیں شہید بھی کر ڈالا اور اس سے بھی پہلے ان لوگوں نے حسن رضی اللہ عنہ کی حمایت کا بھی دعویٰ کیا لیکن جب حسن رضی اللہ عنہ نے امت کے مفاد میں فیصلہ لیا تو ان لوگوں نے حسن رضی اللہ عنہ کا ساتھ چھوڑ دیا بلکہ اس سے بھی قبل علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی ان لوگوں نے ایسا ہی کھیل کھیلا۔

اس کے برعکس امیر معاویہ اور یزید کے ساتھیوں کا ایسا کوئی ریکارڈ نہیں ملتا کہ عین وقت پر ان کے ساتھیوں نے انہیں اکیلا چھوڑ دیا ہو۔

ظالموں نے صرف اسی پر بس نہیں کیا کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو بھڑکایا بلکہ بعد میں انہیں ظالموں نے واقعہ کی داستان وضع کرتے وقت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی طرف بھی ایسی ایسی باتیں منسوب کیں جن کا کسی بھی صورت میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔

مثلاً یزید کو گالی دینا، یزید پر شراب نوشی اور زنا کاری کی تہمت لگانا اور ان تہمتوں کے سہارے لوگوں کو یزید کے خلاف بھڑکانا یہ سب کچھ شریپسندوں نے کیا لیکن اپنے اس کروت کو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر دیا۔

اور یہ سب کچھ صرف حصار مکہ کے موقع سے ہی نہیں بلکہ اس سے قبل کے فتنوں میں بھی ظالموں نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا یہی کردار پیش کیا ہے کہ انہوں نے علی رضی اللہ عنہ کے خلاف نہ صرف خود بغاوت کی بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خوب ابھارا چنانچہ:

امام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ (المتوفی ۳۱۰) نے کہا:

حدثني أحمد بن زهير، قال: حدثنا أبي أبو خيثمة، قال: حدثنا وهب بن جرير بن حازم، قال: سمعت أبي قال: سمعت يونس بن يزيد الأيلي، عن

امام ابراہیم بن اسحاق الحرّبی رحمہ اللہ (المتوفی ۲۸۵) نے کہا:

حدثنا عبد الرحمن بن صالح حدثنا أبو بكر عن مغيرة عن إبراهيم عن  
علقمة قال الأشر. كان الذي أزم أم المؤمنين على الخروج ابن الزبير  
اشترى بها: جس شخص نے (علی رضی اللہ عنہ کے خلاف) اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کو  
خروج پر ابھارا وہ عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ہی ہیں [غریب الحديث للحربی: ۹۸۰/۱۳]  
کذابوں نے بالکل ایسا ہی جھوٹ حصار مکہ سے متعلق بھی بولا اور عبد اللہ بن زبیر رضی  
اللہ عنہ کی طرف بے شمار جھوٹی باتیں منسوب کر دیں۔

جب کہ حقیقت صرف یہ ہے کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ شروع سے ہی یزید کی بیعت سے متفق نہیں تھے لیکن اس عدم اتفاق کی وجہ ان کی نظر میں یزید کا برا ہونا نہیں بلکہ یہ اندیشہ تھا کہ باپ کے بعد بیٹے کو خلیفہ بنانے سے کہیں خلافت ملوکیٹ میں تبدیل نہ ہو جائے۔ نیز یہ مخالفت بھی محض اظہار رائے کی شکل میں تھی لیکن سازشی ٹولے نے اس مخالفت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو تعاون اور حمایت کی پیشکش کی اور انہیں اپنے ساتھ لیکر باقاعدہ حکومت وقت کے خلاف ایک فتنہ کھڑا کر دیا یہ فتنہ حکومت وقت کے لئے چیلنج بن گیا اس لئے مجبوراً حکومت کو اس فتنہ کی بیخ کنی کے لئے فوجی قوت استعمال کرنی پڑی جسے حصار مکہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔

اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اس مشن سے عاجز آ گئے تھے اور وہ اس سے نکلنا چاہتے تھے لیکن ظالموں نے انہیں اپنے نرغے میں لے رکھا تھا چنانچہ: امام احمد بن حنبل، البلاذری (المتوفی ۲۵۹) نے کہا:

حدثني المدائني عن مسلمة بن علقمة عن خالد عن أبي قلابة أن معاوية قال لعبد الله بن الزبير رضي الله تعالى عنهم: إن الشح والحرص لن يدعاك حتى يدخلاك مدخلا ضيقا، فوددت أني حينئذ عندك فأستنقذك فلما حصر ابن الزبير قال: هذا ما قال لي معاوية، وددت أنه كان حيا.

ابوقلابہ کہتے ہیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے کہا: بے شک حرص اور لالچ تمہیں نہیں چھوڑے گی یہاں تک کہ تمہیں بڑی مشکل میں ڈال دے گی، کاش میں اس وقت موجود رہوں تو تمہیں اس مشکل سے نجات دلانے کی کوشش کرتا۔ چنانچہ جب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کیا گیا تو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کہتے: معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہی بات کہی تھی، کاش وہ زندہ ہوتے [أنساب الأشراف للبلاذري، ط، دار

## ✽ شامی فوج کا کردار

افواہوں اور پریپیٹنڈوں کی بنیاد پر کہا جاتا ہے کہ یزید بن معاویہ کے دور میں مکہ کی ایسی بے حرمتی کی گئی کہ اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ حالانکہ یزید بن معاویہ کے بعد مکہ ہی میں جب حجاج بن یوسف نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کیا تو انہیں شہید کر ڈالا اور حد درجہ تباہی مچائی لیکن اس کا کوئی ذکر نہیں کرتا۔

اسی طرح آگے چل کر قمر مطی نے مکہ میں جو فساد برپا کیا اس کے بارے میں امام ابن کثیر لکھتے ہیں:

وقد أُلحِدَ هذا اللعين في المسجد الحرام إلحادا لم يسبقه إليه أحد ولا يلحقه فيه

اس ملعون نے مسجد حرام میں جو إلحاد برپا کیا ماضی میں کسی نے بھی ایسا نہیں کیا [البداية

والنہایة: ۱۱/۱۶۱]۔

اس کے باوجود بھی یہی کہا اور سنایا جاتا ہے کہ یزید نے مکہ میں جو فساد برپا کیا اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

بہر حال یہ سچ ہے کہ یزید بن معاویہ کے زمانہ میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی وجہ سے مکہ کا محاصرہ کیا گیا لیکن اس میں وہ سب کچھ قطعاً نہیں ہوا جو کذا بین اور جھوٹے بتلاتے ہیں۔

ایک طرف اس سلسلے میں کذب بیانیات اور بہتان تراشیاں کی گئیں دوسری طرف بعض رواۃ نے مکہ کے دوسرے حصار جو حجاج بن یوسف کے دور میں ہوا تھا اس کی باتیں بھی اس میں گڈمڈ کر دیں چنانچہ:

امام أحمد بن حنبل، البلاذری (المتوفی ۲۹۷) نے کہا:

وقال لی مصعب بن عبد اللہ الزبیری: الرواة تدخل من خبر هذا

الحصار فی هذا وخبر هذا فی هذا

مجھ سے مصعب بن عبداللہ زبیری نے کہا کہ : رواۃ اس حصار میں دوسرے حصار کی باتیں اور دوسرے حصار میں اس کی باتیں گڈ مڈ کر دیتے ہیں [أنساب الأشراف للبلاذری، ط، دار الفکر: ۵/۳۵۸]

بہر حال حصار مکہ کے وقت بھی شامی فوج کا وہ کردار نہیں تھا جو لوگوں کو باور کرایا جاتا ہے۔ عام طور سے اس موقع سے دو چیزیں بہت زور و شور سے بیان کی جاتی ہیں ایک یہ کہ حصار مکہ میں شامی فوج نے بہت سے لوگوں کو قتل کیا اور دوسرے یہ کہ شامی فوج نے بیت اللہ پر حملہ کر کے اسے جلا دیا۔

### ✽ حصار مکہ کے مقتولین:

حصار مکہ کے وقت باضابطہ لڑائی ہوئی ہی نہیں تھی، اسی لئے صحیح سند سے ہمیں ایک بھی ایسی روایت نہیں ملتی ہے جس میں یہ ذکر ہو کہ اس حصار کے نتیجہ میں کسی کی شہادت ہوئی خواہ وہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے آدمی ہوں یا شامی فوج کے۔

تاہم کچھ ضعیف روایات ملتی ہیں جن میں فریقین میں چند لوگوں کی شہادت کا تذکرہ ہے۔ لیکن ان روایات میں بھی مقتولین کی زیادہ تعداد اہل شام ہی کی بتلائی گئی ہے۔

اس کے مقابل میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے آدمیوں میں سے صرف سات آٹھ لوگوں کے قتل کی بات ملتی ہے اور ان سے متعلق بھی یہ اختلاف ملتا ہے کہ یہ حصار اول میں شہید ہوئے یا دوسرے حصار میں حجاج بن یوسف کے دور میں شہید ہوئے، بلکہ ان میں سے بعض سے متعلق یہ بھی ملتا ہے کہ یہ شہید ہی نہیں ہوئے بلکہ فطری طور پر فوت ہوئے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ: ص ۴۹۱ تا ۴۹۴۔

غور کریں یہ روایات ایک طرف تو عبداللہ بن زبیر کے آدمیوں کی بہت کم شہادت بتلا رہی ہیں اور جو تعداد بتلا رہی ہیں ان میں بھی اضطراب ہے۔ ساتھ میں یہ بھی کہا جا رہا

ہے بعض کے بقول یہ حصار ثانی میں شہید ہوئے اور ان میں سے بھی بعض اپنی فطری موت پائے۔

شامی فوج جو عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے آدمیوں سے کہیں زیادہ تھی اس کے باوجود بھی شامی فوج کی کثیر تعداد شہید ہوئی جب کہ عبد اللہ بن زبیر کی طرف صرف چند لوگوں کی شہادت ہوئی وہ بھی مشکوک ہے۔ اگر یہ بیان درست ہے تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ اہل شام خانہ کعبہ کے احترام کے سبب بہت زیادہ احتیاط سے کام لے رہے تھے۔

### ✽ خانہ کعبہ میں آگ:

بعض جھوٹی و مردود روایات کی بنیاد پر اہل شام پر یہ تہمت لگائی جاتی ہے کہ کعبہ میں انہوں نے ہی آگ لگائی حالانکہ حقیقت اس کے خلاف ہے بلکہ متعدد روایات میں اس کے برعکس بات ملتی ہے اور وہ یہ صراحت کرتی ہیں کہ کعبہ میں آگ لگنے کے ذمہ دار اہل شام نہیں بلکہ عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے اصحاب ہی ہیں، انہیں کی وجہ سے کعبہ میں آگ لگی، گرچہ انہوں نے دانستہ ایسا نہیں کیا۔

بلکہ ایک روایت کے مطابق تو خود عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اعتراف کیا کہ انہیں کی وجہ سے کعبہ میں آگ لگی۔

أبو الفرج الأصفهانی (المتوفى ۳۵۶) نے کہا:

أخبرني محمد بن عبيد الله بن محمد الرازي قال حدثنا أحمد بن الحارث الخراز عن المدائني وذكر إسحاق عن المدائني عن أبي بكر الهذلي قال كان سبب بناء ابن الزبير الكعبة لما احترقت أن أهل الشام لما حاصروه سمع أصواتا بالليل فوق الجبل فخاف أن يكون أهل الشام قد وصلوا إليه وكانت ليلة ظلماء ذات ريح شديدة صعبة ورعد وبرق فرفع

نارا على رأس رمح لينظر إلى الناس فأطارتها الريح ف وقعت على أستار الكعبة فأحرقتها واستطالت فيها وجهد الناس في إطفائها فلم يقدروا وأصبحت الكعبة تتهافت وماتت امرأة من قریش فخرج الناس كلهم في جنازتها خوفا من أن ينزل العذاب عليهم وأصبح ابن الزبير ساجدا يدعو ويقول اللهم إني لم أتعمد ما جرى فلا تهلك عبادك بذنبي وهذه ناصيتي بين يديك

ابوبکر الہذلی سے روایت ہے کہ جب اہل شام نکلے تو انہوں نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کر لیا، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ڈرے کہ اہل شام ان تک پہنچ گئے اس وقت رات کا عالم تھا اور بجلی و کڑک کے ساتھ تیز ہوا چل رہی تھی تو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے ایک نیزے کے سرے پر آگ لگا کر اسے بلند کیا تا کہ لوگوں کا معاینہ کریں، پھر تیز ہوا اس آگ کو لے اڑی اور خانہ کعبہ کے پردوں تک گئی اور اسے جلا دیا، لوگوں نے اسے بجھانے کی بہت کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوئے، اور کعبہ جلتا رہا، اسی دوران قریش کی ایک خاتون کا انتقال ہو گیا تو اس کے جنازہ میں تمام لوگوں نے شرکت کی اس خوف سے کہ ان پر کوئی آفت نہ ٹوٹ پڑے، اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سجدہ میں یہ دعاء کرتے رہے کہ : اے اللہ ! یہ جو کچھ ہوا میں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا، پس اے اللہ ! تو میری غلطی کی وجہ سے اپنے بندوں کو ہلاک نہ کر میں سر بسجود ہو کر تجھ سے التجا کرتا ہوں [الأغانی ابی الفرج الأصبہانی: ۲۷۴/۳ ونقلہ ابن الجوزی من کتاب المدائنی فی المنتظم: ۶/۲۳]۔

معلوم ہوا کہ ایسی روایت بھی موجود ہیں جن کی رو سے خانہ کعبہ میں آگ لگنے کی ذمہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب کے سر جاتی ہے۔



### ✽ صحابہ رضی اللہ عنہم کا موقف:

اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو خانہ کعبہ کی جو بھی بے حرمتی ہوئی اس کی اصل ذمہ داری عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے گروہ ہی پر آتی ہے، اگر یہ لوگ خلیفہ وقت کے خلاف خروج نہ کرتے اور خانہ کعبہ میں پناہ نہ لیتے تو خانہ کعبہ کے ساتھ یہ سانحہ پیش نہ آتا اور اہل شام کی طرف سے کاروائی نہ ہوتی، نیز یزید کی خلافت پر پوری امت متفق ہو چکی تھی اور تمام صحابہ ان کی بیعت کر چکے تھے، ایسی صورت میں ان کی مخالفت کا کوئی جواز نہ تھا بلکہ متعدد احادیث میں ایسے اقدام کی مذمت کی گئی ہے۔ اسی لئے دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے اس طرز عمل کی سخت مخالفت کی اور اس کی بھرپور مذمت کی۔ ملاحظہ ہوں چند حوالے صحیح سندوں کے ساتھ:

### ✽ صحابی رسول عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا موقف:

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا فضل و شرف معروف ہے اور آپ کے علم میں برکت کے لئے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصی دعا بھی کی ہے آپ بھی عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی سرگرمی کے سخت مخالف تھے بلکہ مکہ کی جو بے حرمتی ہوئی اس کی بابت آپ کی رائے یہ تھی کہ عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ہی کی سرگرمیوں کے سبب مکہ کی حرمت پامال کی گئی، چنانچہ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو اس کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے اور بنو امیہ پر بھی اس کی ذمہ داری ڈالی:

امام بخاری رحمہ اللہ (التوفی: ۲۵۶ھ) نے کہا:

حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ مَعِينٍ، حَدَّثَنَا حَبَّاجٌ، قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ: قَالَ ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ: وَكَانَ بَيْنَهُمَا شَيْءٌ، فَغَدَوْتُ عَلَى ابْنِ

عَبَّاسٌ، فَقُلْتُ: أَتُرِيدُ أَنْ تُقَاتِلَ ابْنَ الزُّبَيْرِ، فَتُحِلَّ حَرَمَ اللَّهِ؟ فَقَالَ: مَعَاذَ اللَّهِ، إِنَّ اللَّهَ كَتَبَ ابْنَ الزُّبَيْرِ وَبَنَى أُمِّيَّةَ مُحَلِّينَ، وَإِنِّي وَاللَّهِ لَا أُحِلُّهُ أَبَدًا، قَالَ: قَالَ النَّاسُ: بَايَعُوا لِبَنِي الزُّبَيْرِ فَقُلْتُ: ”وَأَيْنَ بِهَذَا الْأَمْرِ عَنْهُ، أَمَا أَبُوهُ: فَحَوَارِيُّ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُرِيدُ الزُّبَيْرَ وَأَمَّا جَدُّهُ: فَصَاحِبُ الْغَارِ يُرِيدُ أَبَا بَكْرٍ وَأُمُّهُ: فَذَاتُ النَّطَاقِ يُرِيدُ أَسْمَاءَ وَأَمَّا خَالَتُهُ: فَأُمُّ الْمُؤْمِنِينَ يُرِيدُ عَائِشَةَ وَأَمَّا عَمَّتُهُ: فَزَوْجُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُرِيدُ خَدِيجَةَ وَأَمَّا عَمَّةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَجَدَّتُهُ يُرِيدُ صَفِيَّةَ ثُمَّ عَفِيفٌ فِي الْإِسْلَامِ، قَارِءٌ لِلْقُرْآنِ، وَاللَّهُ إِنْ وَصَلُونِي وَصَلُونِي مِنْ قَرِيبٍ، وَإِنْ رُبُونِي رُبُونِي أَكْفَاءُ كِرَامٍ، فَأَثَرُ التَّوْبَتَاتِ وَالْأَسَامَاتِ وَالْحَمِيدَاتِ يُرِيدُ أَبُطَنًا مِنْ بَنِي أَسَدٍ بَنَى تَوَيْتَ وَبَنَى أَسَامَةَ وَبَنَى أَسَدٍ، إِنَّ ابْنَ أَبِي الْعَاصِ بَرَزَ يَمْشِي الْقَدَمِيَّةَ يَعْنِي عَبْدَ الْمَلِكِ بْنَ مَرْوَانَ وَإِنَّهُ لَوَى ذَنْبُهُ يَعْنِي ابْنَ الزُّبَيْرِ.

ابن ابی ملیکہ نے بیان کیا کہ ابن عباس اور ابن زبیر رضی اللہ عنہم کے درمیان بیعت کا جھگڑا پیدا ہو گیا تھا، میں صبح کو ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا آپ عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے جنگ کرنا چاہتے ہیں، اس کے باوجود کہ اللہ کے حرم کی بے حرمتی ہوگی؟ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا معاذ اللہ! یہ تو اللہ تعالیٰ نے ابن زبیر اور بنو امیہ ہی کے مقدر میں لکھ دیا ہے کہ وہ حرم کی بے حرمتی کریں۔ اللہ کی قسم! میں کسی صورت میں بھی اس بے حرمتی کے لئے تیار نہیں ہوں۔ ابن عباس نے بیان کیا کہ لوگوں نے مجھ سے کہا تھا کہ ابن زبیر سے بیعت کر لو۔ میں نے ان سے کہا کہ مجھے ان کی خلافت کو تسلیم کرنے میں کیا تاثر ہو سکتا ہے، ان کے والد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری تھے، آپ کی مراد زبیر بن عوام سے تھی۔ ان کے نانا صاحب غارتھے، اشارہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف

تھا۔ ان کی والدہ صاحبہ نطاقین تھیں یعنی حضرت اسماء۔ ان کی خالہ ام المؤمنین تھیں، مراد حضرت عائشہ سے تھی۔ ان کی پھوپھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ تھیں، مراد خدیجہ سے تھی۔ حضرت ابن عباس کی مراد ان باتوں سے یہ تھی کہ وہ بہت سی خوبیوں کے مالک ہیں اور حضور اکرم کی پھوپھی ان کی دادی ہیں، اشارہ صفیہ کی طرف تھا۔ اس کے علاوہ وہ خود اسلام میں ہمیشہ صاف کردار اور پاک دامن رہے اور قرآن کے عالم ہیں اور خدا کی قسم اگر وہ مجھ سے اچھا برتاؤ کریں تو ان کو کرنا ہی چاہئے وہ میرے بہت قریب کے رشتہ دار ہیں اور اگر وہ مجھ پر حکومت کریں تو خیر حکومت کریں وہ ہمارے برابر کے عزت والے ہیں۔ لیکن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے تو تویت، اسامہ اور حمید کے لوگوں کو ہم پر ترجیح دی ہے۔ ان کی مراد مختلف قبائل یعنی بنو تویت، بنو اسامہ اور بنو اسد سے تھی۔ ادھر ابن ابی العاص بڑی عمدگی سے چل رہا ہے یعنی عبدالملک بن مروان مسلسل پیش قدمی کر رہا ہے اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے اس کے سامنے۔۔۔۔۔“ (ترجمہ: داؤد راز رحمہ اللہ) [صحیح

البخاری: ۶۶/۶ کتاب تفسیر القرآن: باب قوله: ثانی اثینن اذ هما فی الغار۔۔۔۔۔ (رقم: ۴۶۶۵)۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حسب و نسب کے اعتبار سے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی فضیلت کے قائل تھے لیکن ان کی سرگرمیوں سے نالاں تھے اور مکہ کی بے حرمتی میں انہیں ذمہ دار ٹھہراتے تھے، اور اسی طرح بنو امیہ کو بھی مکہ کی بے حرمتی کا ذمہ دار ٹھہراتے تھے۔

واضح رہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بنو امیہ کی جانب سے بے حرمتی سے عہد یزید نہیں بلکہ وفات یزید کے بعد ہونے والی بے حرمتی مراد لی ہے جیسا کہ روایت کے آخری الفاظ سے ظاہر ہے، جہاں تک یزید کے دور کی بات ہے تو اس دور میں مکہ کا صرف محاصرہ ہوا

تھا اور اسی دور اوفات یزید کی خبر آئی اور محاصرہ اٹھالیا گیا اور کسی کارروائی کی نوبت ہی نہ آئی۔ نیز صحیح بخاری ہی کی ایک روایت کے مطابق عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ حسب و نسب کے اعتبار سے ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی فضیلت تسلیم کرنے کے باوجود بھی ان کی حکومت پر بنو امیہ کی حکومت کو فوقیت دیتے تھے، چنانچہ:

امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵۶ھ) نے کہا:

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ بْنِ مَيْمُونٍ، حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، عَنْ عُمَرَ بْنِ سَعِيدٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ، دَخَلْنَا عَلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، فَقَالَ: أَلَا تَعْجَبُونَ لِابْنِ الزُّبَيْرِ قَامَ فِي أَمْرِهِ هَذَا، فَقُلْتُ: لَأَحَاسِبَنَّ نَفْسِي لَهُ مَا حَاسِبْتُهَا لِأَبِي بَكْرٍ، وَلَا لِعُمَرَ، وَلَهُمَا كَانَا أَوْلَى بِكُلِّ خَيْرٍ مِنْهُ، وَقُلْتُ: ابْنُ عَمَّةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَابْنُ الزُّبَيْرِ، وَابْنُ أَبِي بَكْرٍ، وَابْنُ أَخِي خَدِيجَةَ، وَابْنُ أُخْتِ عَائِشَةَ، فَإِذَا هُوَ يَتَعَلَّى عَنِّي، وَلَا يُرِيدُ ذَلِكَ، فَقُلْتُ: مَا كُنْتُ أَظُنُّ أَنَّي أَعْرِضُ هَذَا مِنْ نَفْسِي، فَيَدْعُهُ وَمَا أَرَاهُ يُرِيدُ خَيْرًا، وَإِنْ كَانَ لَا بُدَّ لَأَنْ يَرْتَبِي بَنُو عَمِّي أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ يَرْتَبِي غَيْرُهُمْ.

ابن ابی ملیکہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے کہا کہ ابن زبیر پر تمہیں حیرت نہیں ہوتی۔ وہ اب خلافت کے لئے کھڑے ہو گئے ہیں تو میں نے ارادہ کر لیا کہ ان کے لئے محنت مشقت کروں گا کہ ایسی محنت اور مشقت میں نے ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے لئے بھی نہیں کی۔ حالانکہ وہ دونوں ان سے ہر حیثیت سے بہتر تھے۔ میں نے لوگوں سے کہا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کی اولاد میں سے ہیں۔ زبیر کے بیٹے اور ابو بکر کے نواسے، خدیجہ کے بھائی کے بیٹے، عائشہ کی بہن کے بیٹے۔ لیکن عبد اللہ بن زبیر نے کہا کیا وہ مجھ سے غرور کرنے لگے۔ انہوں نے نہیں چاہا کہ

میں ان کے خاص مصاحبوں میں رہوں (اپنے دل میں کہا) مجھ کو ہرگز یہ گمان نہ تھا کہ میں تو ان سے ایسی عاجزی کروں گا اور وہ اس پر بھی مجھ سے راضی نہ ہوں گے۔ خیر اب مجھے امید نہیں کہ وہ میرے ساتھ بھلائی کریں گے جو ہونا تھا وہ ہوا اب بنی امیہ جو میرے چچا زاد بھائی ہیں اگر مجھ پر حکومت کریں تو یہ مجھ کو اوروں کے حکومت کرنے سے زیادہ پسند ہے۔“ (ترجمہ: داؤد راز رحمہ اللہ) [صحیح البخاری: ۶/۶۶ کتاب تفسیر القرآن: باب قولہ: ثانی اثنین إذ هما فی الغار۔۔۔۔۔۔ رقم: ۴۶۶۶]۔

اسی طرح ایک اور صحیح روایت میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو تنگ نظر اور متعصب قرار دیا ہے چنانچہ:

امام عبد الرزاق رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۱۱ھ) نے کہا:

أَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ هَمَّامٍ، قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ، يَقُولُ: مَا رَأَيْتُ رَجُلًا كَانَ أَخْلَقَ لِلْمُلْكِ مِنْ مُعَاوِيَةَ كَانَ النَّاسُ يَرُدُّونَ مِنْهُ عَلَى أَرْجَاءٍ وَإِدِّ رَحْبٍ لَيْسَ كَالضَّيِّقِ (الْحَصَصِ) الْحَصِرِ الْمُتَعَصِّبِ يَعْنِي ابْنَ الزُّبَيْرِ.

”عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حکومت کے لئے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بہتر شخص نہیں دیکھا آپ کو تمام لوگوں نے حد درجہ سخی اور کشادہ دل پایا، آپ عبد اللہ بن زبیر کی طرح تنگ نظر، تنگ دل، بخیل اور متعصب نہ تھے۔“ [الأمالی فی آثار الصحابة لعبد الرزاق: ص: ۷۴ و اسنادہ صحیح، المصنف لعبد الرزاق: ۱۱/۴۵۳ رقم: ۲۰۹۸۵ و اخرجه ايضا ابن سعد فی الطبقات الكبرى: ۴۸/۱۰ من طریق معمر به و اسنادہ صحیح]۔

### ✽ صحابی رسول عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا موقف:

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا مقام و مرتبہ بیان کا محتاج نہیں ہے۔ خود اللہ کے نبی صلی اللہ

علیہ وسلم نے پوری صراحت کے ساتھ انہیں نیک اور دیندار قرار دیا ہے چنانچہ بخاری و مسلم کی حدیث ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ عَبْدَ اللَّهِ رَجُلٌ صَالِحٌ.

”عبداللہ نیک آدمی ہیں۔“ [بخاری ۵/۲۵۰: رقم: ۳۷۴۰: مسلم: ۴/۱۹۲۷: رقم: ۲۴۷۸۔]

یہی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہیں جنہوں نے نہ صرف یہ کہ یزید کی مخالفت نہ کی بلکہ یزید کے مخالفین سے اظہار برأت کیا اور ان تمام لوگوں سے رشتہ ناطہ ترک کرنے کا اعلان کیا جو لوگ یزید کی مخالفت سے باز نہ آئیں، چنانچہ صحیح بخاری کی روایت ہے:

امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵۶ھ) نے کہا:

حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ نَافِعٍ، قَالَ: لَمَّا خَلَعَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ يَزِيدَ بْنَ مُعَاوِيَةَ، جَمَعَ ابْنُ عُمَرَ، حَشَمَهُ وَوَلَدَهُ، فَقَالَ: إِنِّي سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: يُنْصَبُ لِكُلِّ غَادِرٍ لَوَاءُ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَإِنَّا قَدْ بَايَعْنَا هَذَا الرَّجُلَ عَلَى بَيْعِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ، وَإِنِّي لَا أَعْلَمُ غَدْرًا أَعْظَمَ مِنْ أَنْ يُبَايَعَ رَجُلٌ عَلَى بَيْعِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُنْصَبُ لَهُ الْقِتَالُ، وَإِنِّي لَا أَعْلَمُ أَحَدًا مِنْكُمْ خَلَعَهُ، وَلَا بَايَعَ فِي هَذَا الْأَمْرِ، إِلَّا كَانَتْ الْفَيْصَلُ بَيْنِي وَبَيْنَهُ.

”نافع روایت کرتے ہیں کہ جب اہل مدینہ نے یزید بن معاویہ کی بیعت توڑ دی تو ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں اور بچوں کو اکٹھا کیا اور کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ: ہر وعدہ توڑنے والے کے لئے قیامت کے دن ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا، اور ہم اس (یزید) کی بیعت اللہ اور اس کے رسول کے موافق کر چکے ہیں، میں نہیں جانتا کہ اس سے بڑھ کر کوئی بے وفائی ہو سکتی ہے کہ ایک شخص کی بیعت اللہ اور اس کے رسول

کے موافق ہو جائے پھر اس سے جنگ کی جائے، تم میں سے جو شخص یزید کی بیعت توڑے گا، اور اس کی اطاعت سے روگردانی کرے گا تو میرا اس سے کوئی رشتہ باقی نہیں رہے گا۔“ [صحیح البخاری: ۵۷/۹، رقم: ۷۱۱۱]۔

صرف یہی نہیں بلکہ بخاری ہی کی روایت کے مطابق عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے یزید کے مخالف سرگرمیوں کو فتنہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ:

امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵۶ھ) نے کہا:

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، أَنَّهُ رَجُلَانِ فِي فِتْنَةِ ابْنِ الزُّبَيْرِ فَقَالَا: إِنَّ النَّاسَ صَنَعُوا وَأَنْتَ ابْنُ عُمَرَ، وَصَاحِبُ النَّبِيِّ ﷺ، فَمَا يَمْنَعُكَ أَنْ تَخْرُجَ؟ فَقَالَ يَمْنَعُنِي أَنَّ اللَّهَ حَرَّمَ دَمَ أَحْيٍ فَقَالَا: أَلَمْ يَقُلِ اللَّهُ: (وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةً)، فَقَالَ: قَاتِلْنَا حَتَّى لَمْ تَكُنْ فِتْنَةً، وَكَانَ الدِّينُ لِلَّهِ، وَأَنْتُمْ تَرِيدُونَ أَنْ تُقَاتِلُوا حَتَّى تَكُونَ فِتْنَةً، وَيَكُونَ الدِّينُ لِغَيْرِ اللَّهِ.

”نافع بیان کرتے ہیں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہ ان کے پاس ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے فتنے کے زمانہ میں (جب ان پر حجاج ظالم نے حملہ کیا اور مکہ کا محاصرہ کیا) دو آدمی (علاء بن عرار اور حبان سلمی) آئے اور کہا کہ لوگ آپس میں لڑ کر تباہ ہو رہے ہیں۔ آپ عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے اور رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں پھر آپ کیوں خاموش ہیں؟ اس فساد کو رفع کیوں نہیں کرتے؟ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ میری خاموشی کی وجہ صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے کسی بھی مسلمان بھائی کا خون مجھ پر حرام قرار دیا ہے۔ اس پر انھوں نے کہا، کیا اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا ہے کہ اور ان سے لڑو یہاں تک کہ فساد باقی نہ رہے۔ ابن

عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ ہم (قرآن کے حکم کے مطابق) لڑے ہیں، یہاں تک کہ فتنہ یعنی شرک و کفر باقی نہیں رہا اور دین خالص اللہ کے لیے ہو گیا، لیکن تم لوگ چاہتے ہو کہ تم اس لئے لڑو کہ فتنہ اور فساد پیدا ہو اور دین اسلام ضعیف ہو، کافروں کو جیت ہو اور خدا کے برخلاف دوسروں کا حکم سنا جائے۔ [صحیح البخاری: ۶/۲۶، رقم: ۴۵۱۳]۔

حتیٰ کہ مسند احمد کی صحیح روایت کے مطابق عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے یزید کے خلاف لڑنے والوں کو ملوکیت کی خاطر لڑنے والا قرار دیا ہے، چنانچہ: امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۴۱ھ) نے کہا:

حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ سَعِيدٍ ، حَدَّثَنَا خَالِدُ يَعْنِي الطَّحَّانَ ، حَدَّثَنَا بَيَّانُ ، عَنْ وَبَرَةَ ، عَنْ ابْنِ جُبَيْرٍ يَعْنِي سَعِيدًا ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ : خَرَجَ إِلَيْنَا ابْنُ عُمَرَ وَنَحْنُ نَرْجُو أَنْ يُحَدِّثَنَا بِحَدِيثٍ يُعْجِبُنَا فَبَدَرْنَا إِلَيْهِ رَجُلٌ ، فَقَالَ : يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ : مَا تَقُولُ فِي الْقِتَالِ فِي الْفِتْنَةِ ؟ فَإِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ قَالَ : (وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةً) قَالَ : وَيَحْكُ أَتَدْرِي مَا الْفِتْنَةُ ؟ إِنَّمَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَاتِلُ الْمُشْرِكِينَ ، وَكَانَ الدُّخُولُ فِي دِينِهِمْ فِتْنَةً ، وَلَيْسَ بِقِتَالِكُمْ عَلَى الْمُلْكِ .

”سعید بن جبیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہمارے پاس تشریف لائے ہمیں امید تھی کہ وہ ہم سے عمدہ احادیث بیان کریں گے، لیکن ہم سے پہلے ہی ایک آدمی جن کا نام حکم تھا بول پڑا اور کہنے لگا اے ابو عبد الرحمن! فتنہ کے ایام میں قتال کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: کہ ان سے اس وقت تک قتال کرو جب تک فتنہ باقی رہے، عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تیری ماں تجھے روئے کیا تجھے معلوم ہے کہ فتنہ کیا چیز ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین سے قتال کیا کرتے تھے، اس



وقت مشرکین کے دین میں داخل ہونا فتنہ تھا، ایسا نہیں تھا جیسا آج تم حکومت و ملوکیت کی خاطر قتال کرتے ہو۔ [مسند أحمد: ۲/۹۴ رقم: ۵۶۹۰ و اسنادہ صحیح]۔

ان تمام روایات سے معلوم ہوا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی سرگرمی کے سخت خلاف تھے اور اسے غیر شرعی سمجھتے تھے اور علی الاعلان لوگوں سے بھی یہی کہتے تھے۔

بلکہ اس روایت کے مطابق تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اس بات پر افسوس کیا کہ انہوں نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے قتال کیوں نہیں کیا کیونکہ ان لوگوں نے بغاوت کی تھی، اور اللہ نے ایسے لوگوں سے قتال کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ سنن بیہقی میں بسند صحیح منقول ہے:

أقبل علينا عبد الله بن عمر فقال: ما وجدت في نفسي من شيء من أمر هذه الأمة ما وجدت في نفسي أني لم أقاتل هذه الفئة الباغية كما أمرني الله عز وجل. زاد القطان في روايته: قال حمزة: فقلنا له: ومن ترى الفئة الباغية؟ قال ابن عمر: ابن الزبير بغى على هؤلاء القوم، فأخرجهم من ديارهم، ونكث عهدهم...

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہماری جانب متوجہ ہوئے اور کہا: اس امت کے معاملات میں سے کسی معاملہ پر مجھے اتنا افسوس نہیں ہوا جتنا اس بات پر افسوس ہوا کہ میں نے اس باغی جماعت سے قتال کیوں نہیں کیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ حسین بن القطان نے مزید بیان کیا کہ حمزہ نے کہا: ہم نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: آپ کس کو باغی جماعت سمجھتے ہیں؟ تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے اس قوم کے خلاف بغاوت کی ہے انہیں ان کے گھروں سے نکال دیا، ان کا عہد توڑ دیا۔۔۔ [السنن

الكبرى للبيهقي: ۸/۲۹۸ و اسنادہ صحیح و اخرجه ايضا ابن عساكر في تاريخه

۱۹۳/۳۱ من طرق عن الزهری بہ ونقلہ الحافظ فی الفتح ۷۲/۱۳۔

اس روایت کی سند بالکل صحیح ہے۔ دیکھئے: یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ: ص ۵۵۱۔

### ✽ صحابی رسول ابو برة الاسلمی رضی اللہ عنہ کا موقف:

صحابی رسول ابو برة الاسلمی رضی اللہ عنہ تو عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی لڑائی کے اس قدر خلاف تھے کہ اللہ کی قسم کھا کر کہتے تھے کہ عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ صرف دنیا کے لئے لڑ رہے ہیں یہ بات صحیح بخاری میں اعلیٰ سند کے ساتھ منقول ہے کہ آپ نے کہا:

وَإِنَّ ذَاكَ الَّذِي بِمَكَّةَ وَاللَّهِ إِنَّ يُقَاتِلَ إِلَّا عَلَى الدُّنْيَا.

اور وہ جو مکہ میں ہے عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما واللہ! وہ بھی صرف دنیا کے لیے لڑ رہا ہے۔ (ترجمہ: داؤد راز رحمہ اللہ) [ البخاری: کتاب الفتن: باب إذا قال عند قوم شيئا، ثم خرج فقال بخلافه: رقم: ۷۱۱۲ ]۔

یہ روایت مصنف ابن ابی شیبہ میں بھی صحیح سند کے ساتھ ہے اور اس کے اخیر میں ہے:

وَإِنَّ ذَاكَ الَّذِي بِمَكَّةَ يَعْنِي ابْنَ الزُّبَيْرِ وَاللَّهِ إِنَّ يُقَاتِلَ إِلَّا عَلَى الدُّنْيَا.

”اور وہ جو مکہ میں ہے یعنی عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، اللہ کی قسم! وہ بھی صرف دنیا کے لیے لڑ رہا ہے“ [مصنف ابن ابی شیبہ: ۴۴۹/۷ و اسنادہ صحیح]۔

نیز یہی روایت مستدرک حاکم میں بھی صحیح سند کے ساتھ ہے اور اس میں ہے:

إِنَّ ذَلِكَ الَّذِي بِمَكَّةَ يَعْنِي ابْنَ الزُّبَيْرِ أَنْ يُقَاتَلَ إِلَّا عَلَى الدُّنْيَا.

”وہ جو مکہ میں ہے یعنی عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، اللہ کی قسم! وہ بھی صرف دنیا کے لیے لڑ رہا ہے“ [المستدرک للحاکم: ۵۱۷/۴ و اسنادہ صحیح]۔

غور فرمائیں کہ صحابی رسول ابو برة الاسلمی رضی اللہ عنہ نے عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی

لڑائی کو قتال فی سبیل اللہ نہیں بلکہ قتال فی سبیل الدنیا قرار دیا ہے، اور یہ بات اللہ کی قسم کھا کر پوری تاکید سے کہی ہے۔

### ✽ صحابی رسول جناب بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کا موقف:

صحابی رسول جناب بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بھی عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی لڑائی کے سخت خلاف تھے بلکہ اس لڑائی کو ملوکیت کی لڑائی بتاتے تھے، چنانچہ:

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۴۱ھ) نے کہا:

حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي عِمْرَانَ قَالَ: قُلْتُ لِحَنْدُبٍ: إِنِّي قَدْ بَايَعْتُ هَؤُلَاءِ يَعْنِي ابْنَ الزُّبَيْرِ وَإِنَّهُمْ يُرِيدُونَ أَنْ أَخْرُجَ مَعَهُمْ إِلَى الشَّامِ، فَقَالَ: أُمْسِكْ، فَقُلْتُ: إِنَّهُمْ يَأْبُونَ، فَقَالَ: افْتَدِ بِمَا لَكَ، قَالَ: قُلْتُ: إِنَّهُمْ يَأْبُونَ إِلَّا أَنْ أَضْرِبَ مَعَهُمُ بِالسَّيْفِ، فَقَالَ حَنْدُبٌ، حَدَّثَنِي فُلَانٌ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ”يَجِيءُ الْمُقْتُولُ بِقَاتِلِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَقُولُ: يَا رَبِّ، سَلْ هَذَا فِيمَ قَتَلَنِي قَالَ: شُعْبَةُ فَأَحْسِبُهُ قَالَ: فَيَقُولُ: عَلَامَ قَتَلْتُهُ؟ فَيَقُولُ: قَتَلْتُهُ عَلَى مُلْكٍ فُلَانٍ“ قَالَ: فَقَالَ حَنْدُبٌ: فَاتَّقِهَا.

”ابو عمران عبد الملک بن حبیب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے جناب بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے کہا: میں نے عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی ہے اور یہ لوگ چاہتے ہیں کہ میں ان کے ساتھ شام جاؤں، تو جناب بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ایسا مت کرنا، میں نے کہا: وہ لوگ اس پر راضی نہیں ہیں، جناب بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: مالی فدیہ دے کر بس کرو، میں نے کہا وہ لوگ اس کے علاوہ کسی بات پر راضی نہیں کہ میں ان کے ساتھ تلوار لے کر نکلوں، اس پر جناب بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: فلاں شخص نے مجھ سے بیان

کیا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن مقتول اپنے قاتل کے ساتھ آئے گا اور کہے گا: اے میرے رب! اس سے پوچھا اس نے مجھے کیوں قتل کیا، تو اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا کہ تو نے اسے کیوں قتل کیا؟ تو وہ کہے گا کہ میں نے اسے فلاں شخص کی ملکیت کے لئے قتل کیا، اس کے بعد جناب بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اس لئے ابو عمران تم اس سے بچو“ [مسند أحمد: ۱۴۵/۲۷ وقال المعلقون علی المسند: واسنادہ صحیح علی شرط الشیخین، وهو کذلک]۔

غور فرمائیں کہ ملکیت کی خاطر کسی کو قتل کرنے پر جو وعید حدیث میں بیان ہوئی ہے اس وعید اور حدیث کو صحابی رسول جناب بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ ان لوگوں کے سامنے بیان کرتے جو عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑائی میں شرکت کا ارادہ ظاہر کرتے۔ [مسند أحمد: ۲۷/۱۴۵ وقال المعلقون علی المسند: واسنادہ صحیح علی شرط الشیخین، وهو کذلک]۔

### ❖ صحابی رسول عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا موقف:

آپ رضی اللہ عنہ بھی عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی سرگرمی کے سخت خلاف تھے اور اسے فساد و الحاد کا نام دیتے تھے، چنانچہ:

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۴۱ھ) نے کہا:

حَدَّثَنَا هَاشِمٌ ، حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ ، يَعْنِي ابْنَ سَعِيدٍ ، حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَمْرٍو ، قَالَ: أَتَى عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَمْرٍو ، ابْنَ الزُّبَيْرِ ، وَهُوَ جَالِسٌ فِي الْحِجْرِ ، فَقَالَ : يَا ابْنَ الزُّبَيْرِ ، إِيَّاكَ وَالْإِلْحَادَ فِي حَرَمِ اللَّهِ ، فَإِنِّي أَشْهَدُ لَسَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ : يُحْلَهَا وَيَحُلُّ بِهِ رَجُلٌ مِنْ قُرَيْشٍ ، لَوْ وُزِنَتْ ذُنُوبُهُ بِذُنُوبِ الثَّقَلَيْنِ لَوَزَنَتْهَا ، قَالَ : فَانْظُرْ أَنْ لَا تَكُونَ هُوَ يَا ابْنَ عَمْرٍو ،

فَإِنَّكَ قَدْ قَرَأْتَ الْكُتُبَ ، وَصَحِبْتَ الرَّسُولَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ :  
فَإِنِّي أَشْهَدُكَ أَنَّ هَذَا وَجَّهِي إِلَى الشَّامِ مُجَاهِدًا .

”صحابی رسول عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ، عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اس وقت وہ حطیم میں بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے کہا: اے ابن زبیر رضی اللہ عنہ! آپ حرم میں فساد و الحاد سے بچیں، کیونکہ میں گواہی دے رہا ہوں کہ میں نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ: قریش کا ایک شخص مکہ کو حلال کر لے گا اور اس کے حلال کئے جانے کا سبب بنے گا، اگر اس کے گناہ جن وانس کے گناہوں کے بالمقابل وزن کئے گئے تو اس کے گناہ بھاری پڑ جائیں گے۔ عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: پھر اے عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ! آپ وہ آدمی نہ بننا کیونکہ آپ نے صحیفے پڑھے ہیں اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت بھی اختیار کی ہے۔ اس پر عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا: میں آپ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں جہاد کے لئے شام جا رہا ہوں۔“ [مسند أحمد: ۲/۲۱۹ و اسنادہ صحیح علی شرط الشیخین]۔

اس روایت میں عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے اللہ کے نبی صلی اللہ وسلم سے جو روایت نقل کی ہے وہ صحیح و ثابت اور مرفوع ہے اسے موقوف قرار دینا درست نہیں علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے مرفوعاً صحیح قرار دیتے ہوئے کہا:

هَذَا إِسْنَادٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرَطِ الشَّيْخَيْنِ. [الصحيحه: ۵/۵۹۴ رقم: ۲۴۶۲]۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا طرز عمل غیر مناسب تھا اور اسی سبب اہل شام ان کے خلاف کاروائی کرنے پر مجبور ہوئے، اگر عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے یزید کی مخالفت نہ کی ہوتی تو اہل شام بھی مکہ میں ان کے خلاف لشکر کشی نہ کرتے۔

دریں صورت مکہ میں جو کچھ بھی ہوا اور خانہ کعبہ کو جو بھی نقصان پہنچا اس کے اصل ذمہ دار ابن زبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی ہی تھے، کیونکہ اہل شام کا اصل مقصد مکہ یا خانہ کعبہ پر حملہ نہ تھا بلکہ ان کا مقصد ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو گرفتار کرنا تھا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

وَأَمَّا مُلُوكُ الْمُسْلِمِينَ، مِنْ بَنِي أُمَيَّةَ وَبَنِي الْعَبَّاسِ (وَنَوَائِبُهُمْ)، فَلَا رَيْبَ أَنَّ أَحَدًا مِنْهُمْ لَمْ يَقْصِدْ إِهَانَةَ الْكُعْبَةِ: لَا نَائِبٌ يَزِيدُ، وَلَا نَائِبٌ عَبْدُ الْمَلِكِ الْحَجَّاجِ بْنِ يَوْسُفَ، وَلَا غَيْرُهُمَا، بَلْ كُلُّ الْمُسْلِمِينَ كَانُوا مُعْظَمِينَ لِلْكُعْبَةِ، وَإِنَّمَا كَانَ مَقْصُودُهُمْ حِصَارَ ابْنِ الزُّبَيْرِ. وَالضَّرْبُ بِالْمُنْجَنِيْقِ كَانَ لَهُ لَا لِلْكُعْبَةِ، وَيَزِيدُ لَمْ يَهْدِمِ الْكُعْبَةَ، وَلَمْ يَقْصِدْ إِحْرَاقَهَا: لَا هُوَ وَلَا نَوَائِبُهُ بِاتِّفَاقِ الْمُسْلِمِينَ.

”جہاں تک مسلم بادشاہوں بنو امیہ، بنو عباس اور ان کے نائبین کی بات ہے تو بلاشبہ ان میں سے کسی نے بھی خانہ کعبہ کی اہانت کبھی نہ کی، نہ تو یزید کے نائب نے نہ عبد الملک الحجاج بن یوسف کے نائب نے، اور نہ ہی ان کے علاوہ کسی نے، بلکہ مسلمان تو ہمیشہ سے کعبہ کی تعظیم ہی کرتے آئے ہیں، ان میں سے بعض کا مقصد صرف یہ تھا کہ عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو گرفتار کیا جائے، اور منجنيق کا استعمال عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ہی کی خاطر ہوا تھا نہ کہ خانہ کعبہ کی خاطر، اور یزید نے ہرگز بیت اللہ کو منہدم (شہید) نہیں کیا اور نہ ہی اسے جلانے کا ارادہ کیا، یقیناً نہ تو ایسا اقدام یزید نے کیا اور نہ ہی اس کے نائبین نے کیا اس بات پر تمام مسلمانوں کا اتفاق و اجماع ہے۔“ [منہاج السنة النبوية: ۴/ ۵۷۷]۔

یاد رہے کہ کچھ لوگ جذباتی انداز میں سوچتے ہیں اور ایک طرف ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو رکھ کر اور دوسری طرف یزید اور ان کے اصحاب کو رکھ کر یہ سوچتے ہیں کہ ان میں حق پر کون تھا؟

پھر جذبات سے مغلوب ہو جاتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں اس لئے یہی حق پر تھے۔

اول تو:

یہ حق و باطل کا معرکہ ہرگز نہیں تھا بلکہ ایک سیاسی اختلاف تھا۔

دوم: موازنہ صرف ابن زبیر رضی اللہ عنہ اور یزید اور ان کے اصحاب ہی کے مابین نہیں ہے بلکہ موازنہ ابن زبیر اور دیگر صحابہ کرام کے مابین بھی ہے۔

یعنی اگر ابن زبیر رضی اللہ عنہ حکومت یزید کی مخالفت میں سرگرم ہیں تو دیگر صحابہ جن کا تذکرہ اوپر ہوا یعنی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، ابوہریرۃ الاسلمی رضی اللہ عنہ، جناب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ، یہ تمام کے تمام صحابہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے اس طرز عمل کی مذمت کر رہے ہیں، اب سنجیدگی سے غور کیا جائے اور بتلایا جائے کہ حق پر کون ہے؟ آیا ابن زبیر رضی اللہ عنہ یا وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی سرگرمی کے خلاف تھے؟

آخر میں ہم یہ بھی واضح کر دیں کہ یزیدی حکومت سے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی جو مخالفت تھی وہ اس وجہ سے نہ تھی کہ یزید اس کے لئے مناسب نہ تھے یا وہ بدکردار تھے نعوذ باللہ، بلکہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی مخالفت محض اس بنا پر تھی کہ باپ کے بعد بیٹے کا خلیفہ بننا درست نہیں کیونکہ اس سے ملوکیت کی راہ ہموار ہو سکتی ہے، لیکن چونکہ یزید کو خلیفہ بنانے میں یہ مقصد کا فرمانہ تھا نیز امت نے یزید کی خلافت پر اتفاق کر لیا تھا لہذا ان حالات میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی مخالف سرگرمیوں کا کوئی جواز نہ تھا اسی لئے دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کی اس مخالفت کی مذمت کی، لیکن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بہر حال ایک جلیل القدر صحابی ہیں اس لئے ظاہر ہے کہ ان کا مقصد نیک ہی تھا لہذا ان کا یہ اقدام ان کی طرف

سے اجتہادی امر تھا جس میں عدم صواب کے باوجود وہ ایک اجر کے مستحق ہیں، رضی اللہ عنہ۔

### کعبہ کی حرمت اور مومن کی حرمت

جس طرح کعبہ قابل احترام ہے ایسے ہی مسلمانوں کی عزتیں بھی قابل احترام ہیں، بلکہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے بسند صحیح مروی ہے:

عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: صَعِدَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمِنْبَرَ فَنَادَى بِصَوْتٍ رَفِيعٍ، فَقَالَ: يَا مَعْشَرَ مَنْ أَسْلَمَ بِلِسَانِهِ وَلَمْ يُفِضْ الْإِيمَانُ إِلَى قَلْبِهِ، لَا تُؤْذُوا الْمُسْلِمِينَ وَلَا تُعَيِّرُوهُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا عَوْرَاتِهِمْ، فَإِنَّهُ مَنْ تَتَّبَعَ عَوْرَةَ أَخِيهِ الْمُسْلِمِ تَتَّبَعَ اللَّهُ عَوْرَتَهُ، وَمَنْ تَتَّبَعَ اللَّهُ عَوْرَتَهُ يَفْضَحْهُ وَلَوْ فِي جَوْفِ رَحْلِهِ قَالَ: وَنَظَرَ ابْنُ عُمَرَ يَوْمًا إِلَى الْبَيْتِ أَوْ إِلَى الْكُعْبَةِ فَقَالَ: مَا أَعْظَمَكَ وَأَعْظَمَ حُرْمَتَكَ، وَالْمُؤْمِنُ أَعْظَمُ حُرْمَةً عِنْدَ اللَّهِ مِنْكَ.

”صحابی رسول ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے اور بلند آواز سے فرمایا اے لوگوں کے وہ گروہ جو صرف زبانوں سے اسلام لائے ہیں اور ایمان ان کے دلوں میں نہیں پہنچا، مسلمان کو اذیت نہ دو انہیں عار نہ دلاؤ اور ان میں عیوب مت تلاش کرو۔ کیونکہ جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کی عیب جوئی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی عیب گیری کرتا ہے اور جس کی عیب گیری اللہ تعالیٰ کرنے لگے وہ ذلیل ہو جائے گا۔ اگرچہ وہ اپنے گھر کے اندر ہی کیوں نہ ہو۔ پھر راوی کہتے ہیں کہ ایک دن ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بیت اللہ، کعبہ پر نظر ڈالی اور فرمایا: تو کتنا عظیم ہے، تیری حرمت بھی کتنی عظیم ہے، لیکن مومن کی حرمت اللہ کے نزدیک تیری عزت سے بھی زیادہ ہے۔ [سنن الترمذی]



## یزید سے متعلق شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا موقف

یزید کی مذمت میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی بھی بعض عبارات بڑے زور شور سے پیش کی جاتی ہیں حالانکہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے یزید کی فضیلت بھی بیان کی، ان کا دفاع بھی کیا۔ لیکن ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی ان باتوں کو دیوار پر مار دیا جاتا ہے۔

حالانکہ انصاف کا تقاضا یہ کہ جو بات بادل کی دلیل ہو اسے لیا جائے اور جو بات بے دلیل ہو اسے رد کر دیا جائے۔ اور ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے یزید کی جو فضیلت بیان کی ہے اور یزید کا جو دفاع کیا ہے وہ مدلل ہے لہذا اسے ہی قبول کرنا چاہئے۔ ذیل میں ہم کچھ عبارتیں پیش کرتے ہیں:

یزید کی فضیلت:

ابن تیمیہ رحمہ اللہ (المتوفی ۷۲۸ھ) نے کہا:

ولهذا كان الصحابة -رضى الله عنهم- يغزون مع يزيد وغيره، فإنه غزا القسطنطينية في حياة أبيه معاوية -رضى الله عنه- وكان معهم في الجيش أبو أيوب الأنصاري رضي الله عنه وذلك الجيش أول جيش غزا القسطنطينية. وفي صحيح البخاري عن ابن عمر -رضى الله عنهما- عن النبي -ﷺ- أنه قال: أول جيش يغزو القسطنطينية مغفور لهم

اسی لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یزید وغیرہ کے ساتھ جہاد کرتے تھے۔ چنانچہ یزید نے اپنے والد معاویہ کی زندگی میں قسطنطنیہ پر حملہ کیا اور اس کے ساتھ لشکر میں ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ تھے۔ اور یہ پہلا لشکر تھا جس نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا اور صحیح بخاری میں ابن عمر (صحیح ام حرام) رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کا پہلا لشکر جو مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر حملہ کرے گا وہ سب کے سب مغفور (بخشتے

ہوئے) ہوں گے۔ [منہاج السنة النبوية: ۴/ ۵۴۴]

## یزید کا دفاع:

ابن تیمیہ رحمہ اللہ (المتوفی ۷۲۸ھ) نے کہا:

أن القول في لعنة يزيد كالقول في لعنة أمثاله من الملوك الخلفاء وغيرهم، ويزيد خير من غيره: خير من المختار بن أبي عبيد الثقفي أمير العراق، الذي أظهر الانتقام من قتلة الحسين؛ فإن هذا ادعى أن جبريل يأتيه. وخير من الحجاج بن يوسف؛ فإنه أظلم من يزيد باتفاق الناس

یزید پر لعنت کا مسئلہ اسی جیسے دیگر خلفاء و بادشاہوں پر لعنت کی طرح ہے، اور یزید دیگر بادشاہوں سے بہتر ہی ہے، یہ امیر عراق مختار بن ابوعبید ثقفی سے بہتر ہے جس نے قاتلین حسین سے انتقام کا نعرہ بلند کیا تھا۔ کیونکہ اس ثقفی نے یہ دعویٰ کر لیا کہ اس کے پاس جبریل آتے ہیں، اسی طرح یزید، حجاج بن یوسف سے بھی بہتر ہے۔ کیونکہ حجاج بن یوسف

، یزید سے بڑھ کر ظالم ہے اس پر سب کا اتفاق ہے۔ [منهاج السنة النبوية: ۴/۵۶۷]

واضح رہے کہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے یزید کو ظالم تسلیم نہیں کیا ہے بلکہ الزامی جواب دیا ہے یعنی اگر یزید کی طرف منسوب ظلم کی باتیں تسلیم کر لی جائیں تب بھی یہ حجاج بن یوسف سے بڑا ظالم نہیں ہے۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ (المتوفی ۷۲۸ھ) نے کہا:

لكن لم يقتل جميع الأشراف ولا بلغ عدد القتلى عشرة الاف ولا وصلت الدماء إلى قبر النبي صلى الله عليه وسلم ولا إلى الروضة ولا كان القتل في المسجد وأما الكعبة فإن الله شرفها وعظمها وجعلها محرمة فلم يمكن الله أحدا من إهانتها لا قبل الإسلام ولا بعده بل لما قصدوا أهل الفيل عاقبهم الله العقوبة المشهورة كما قال تعالى ألم تر كيف فعل ربك بأصحاب الفيل ألم يجعل كيدهم في تضليل وأرسل عليهم طيرا أبابيل ترميهم بحجارة من سجيل فجعلهم كعصف مأكول

یزید بن معاویہ رحمہ اللہ نے نہ تو تمام اشراف کو قتل کیا نہ ہی مقتولین کی تعداد ہزاروں تک پہنچی اور نہ ہی قبر نبوی یا روضہ اطہر کے پاس خونریزی ہوئی، اور نہ ہی مسجد نبوی میں کسی کو قتل کیا گیا، جہاں تک خانہ کعبہ کی بات ہے تو اللہ تعالیٰ نے اسے شروع ہی سے عزت و شرف بخشا ہے اور اسے حرمت کی جگہ قرار دیا ہے، لہذا اللہ تعالیٰ کسی کو یہ قدرت نہیں دے سکتا کہ وہ اس کی اہانت کرے، نہ تو اسلام سے پہلے اور نہ ہی اسلام کے بعد، بلکہ ہاتھی والوں نے جب اس کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ایسا عقاب نازل کیا جو ہر چہار جانب مشہور ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا تو نے نہ دیکھا کہ تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟ (۱) کیا ان کے مکر کو بیکار نہیں کر دیا؟ (۲) اور ان پر پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیج دیئے (۳) جو انہیں مٹی اور پتھر کی کنکریاں مار رہے تھے (۴) پس انہیں کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کر دیا (سورہ فیل) [منہاج السنۃ النبویہ: ۴/ ۵۷۶]

ابن تیمیہ رحمہ اللہ (المتوفی ۷۲۸ھ) نے آگے کہا:

وأما ملوک المسلمین من بنی أمیة و بنی العباس و نوابہم فلا ریب أن أحدا منهم لم یقصد أهانة الکعبة لا نائب یزید ولا نائب عبد الملک الحجاج بن یوسف ولا غیرہما بل کان المسلمین کانوا معظمین للکعبة وإنما کان مقصودہم حصار ابن الزبیر والضرب بالمنجنیق کان له لا للکعبة ویزید لم یهدم الکعبة ولم یقصد إحراقها لا وهو ولا نوبہ باتفاق المسلمین

جہاں تک مسلم بادشاہوں بنو امیہ، بنو عباس اور ان کے نائبین کی بات ہے تو بلاشبہ ان میں سے کسی ایک نے بھی خانہ کعبہ کی اہانت کبھی نہ کی، نہ تو یزید کے نائب نے نہ عبد الملک الحجاج بن یوسف کے نائب نے، اور نہ ہی ان کے علاوہ کسی نے، بلکہ مسلمان تو ہمیشہ سے کعبہ کی تعظیم ہی کرتے آئے ہیں، ان میں سے بعض کا مقصد صرف یہ تھا کہ عبد اللہ بن

زبیر رضی اللہ عنہ کو گرفتار کیا جائے، اور منجیق کا استعمال عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ہی کی خاطر ہوا تھا نہ کی خانہ کعبہ کی خاطر، اور یزید نے ہرگز بیت اللہ کو منہدم (شہید) نہیں کیا اور نہ ہی اسے جلانے کا ارادہ کیا، یقیناً نہ تو ایسا اقدام یزید نے کیا اور نہ ہی اس کے نائبین نے کیا اس بات پر تمام مسلمانوں کا اتفاق و اجماع ہے۔ [منہاج السنۃ النبویۃ: ۴/ ۵۷۷]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے آخری جملہ پر غور کریں وہ اس بات پر اجماع نقل کر رہے ہیں کہ یزید نے نہ صرف یہ کہ خانہ کعبہ کو شہید نہیں کیا بلکہ اس کا ارادہ تک نہ کیا، اب جو لوگ اس کے خلاف دعویٰ کریں ان کی ذمہ داری ہے کہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے دور میں یا اس سے قبل اس بارے میں اختلاف ثابت کریں کہ یزید نے خانہ کعبہ کو جلایا یا نہیں؟؟ اگر یہ اختلاف ثابت نہیں کیا جاسکتا ہے تو ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی یہ بات درست ہوگی کہ اس سلسلے میں یزید کی براءت پر اجماع ہے، اور اجماع امت کبھی غلط نہیں ہو سکتا۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ (المتوفی ۷۲۸ھ) نے کہا:

ولا كان من المشهورين بالدين والصلاح وكان من شبان المسلمين ؛  
ولا كان كافرا ولا زنديقا ؛ وتولى بعد أبيه على كراهة من بعض المسلمين  
ورضا من بعضهم وكان فيه شجاعة وكرم ولم يكن مظهرا للفواحش كما  
يحكى عنه خصومه . وجرت في إمارته أمور عظيمة - : أحدها مقتل  
الحسين رضي الله عنه وهو لم يأمر بقتل الحسين ولا أظهر الفرح بقتله ؛  
ولا نكت بالقضيب على ثنياه رضي الله عنه ولا حمل رأس الحسين  
رضي الله عنه إلى الشام

یزید دینداری اور نیکی میں مشہور نہیں تھا بلکہ یہ عام مسلم نوجوانوں میں سے تھا، یہ نہ کافر تھا نہ زندیق تھا، اپنے والد کے بعد اس نے حکومت سنبھالی بعض مسلمانوں کی کراہت اور بعض کی رضامندی کے ساتھ۔ اس کے اندر بہادری، کرم کی صفات تھیں، یہ فواحش کا اظہار کرنے

والا نہیں تھا جیسا کہ اس کے مخالفین بیان کرتے ہیں، اس کی حکومت میں بڑے بڑے حادثے ہوئے، ایک حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت، لیکن اس نے حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کا حکم نہیں دیا تھا، اور نہ ہی اس پر خوشی کا اظہار کیا، اور نہ ہی حسین رضی اللہ عنہ کے دانتوں پر چھڑی ماری، اور نہ ہی حسین رضی اللہ عنہ کا سر شام میں لایا گیا [مجموع الفتاویٰ: ۳/۴۱۱]۔

یاد رہے کہ یہاں ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے جو کہا کہ: یزید دینداری اور نیکی میں مشہور نہیں تھا، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ دیندار یا نیک تھا ہی نہیں۔ کسی چیز کی عدم شہرت عدم وجود پر دلالت نہیں کرتی۔ نیز یہ بات بھی ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنی معلومات کی بنیاد پر کہی ہے، لیکن دلائل اس کے خلاف ہیں، صحابہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کی گواہی نقل کی جا چکی ہے کہ انہوں نے یزید کو نیک کہا ہے دیکھئے: ص ۹۹۔ اور یزید کی ایک بہت بڑی نیکی غزوہ قسطنطنیہ کا اعتراف تو خود ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی کیا ہے کما مضی۔

اور ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے جو یہ کہا کہ یزید نے بعض مسلمانوں کی رضا مندی اور بعض کی کراہت سے حکومت سنبھالی تو کراہت سے مراد یزید کی شخصیت سے کراہت نہیں ہے۔ بلکہ باپ کے بعد بیٹے کو خلیفہ بنائے جانے کے فیصلہ سے کراہت مراد ہے اور یہ فیصلہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور دیگر اجلہ صحابہ کرام ہی کا تھا دیکھئے: یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ: ص ۲۹۲ تا ۲۹۹۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ (المتوفی ۷۲۸ھ) نے کہا:

ولما قدم أهلهم رضي الله عنهم علي يزيد بن معاوية أكرمهم وسيرهم إلى المدينة  
 اور جب حسین رضی اللہ عنہ کے گھرانے والے یزید بن معاویہ کے پاس آئے تو یزید نے  
 ان کا اکرام کیا اور انہیں مدینہ پہنچا دیا [مجموع الفتاویٰ: ۳/۴۱۱]۔ نیز دیکھیں: یزید بن  
 معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ ص ۳۶۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے نزدیک یزید سے متعلق معتدل قول

یزید سے متعلق ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے لوگوں کا جو موقف پیش کیا ہے افسوس ہے کہ بعض لوگ اس کی غلط ترجمانی کرتے ہیں اور خود ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی طرف ایسا موقف منسوب کرتے ہیں جو فی الحقیقت ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا موقف ہے ہی نہیں۔ ذیل میں ہم ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا اصل موقف پیش کرتے ہیں۔ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے یزید سے متعلق لوگوں کا جو موقف نقل کیا ہے سب سے پہلے اس کا خلاصہ ملاحظہ ہو:

ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے یزید سے متعلق تمام لوگوں کا تین موقف بتایا ہے۔

☆ پہلا موقف: یزید کا فر تھا، منافق بن کر مسلمانوں کے ساتھ تھا۔ (روافض)

☆ دوسرا موقف: یزید صحابی اور ولایت بلکہ نبوت کے درجہ پر فائز تھا۔ (اکراد)

☆ تیسرا موقف: یزید نہ صحابی تھا نہ نبی، بلکہ ایک مسلمان شخص تھا۔ (اہل سنت

والجماعت)

ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے پہلے اور دوسرے موقف والوں (روافض اور اکراد) کو گمراہ اور اہل سنت والجماعت سے خارج قرار دیا ہے۔ اور تیسرے موقف کو اہل علم و اہل عقل اور اہل سنت والجماعت کا موقف بتلایا ہے۔ پھر یزید سے متعلق اہل سنت کے بھی تین گروہ ذکر کئے ہیں:

اہل علم و اہل عقل و اہل سنت والجماعت کا پہلا گروہ:

یزید ملعون ہے، محبت کے لائق نہیں۔ اس کی وجہ سے حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی، اور واقعہ حرہ میں اس نے اہل مدینہ پر مظالم ڈھائے۔

اہل علم و اہل عقل و اہل سنت والجماعت کا دوسرا گروہ:

یزید مغفور ہے، ہماری محبتوں کا مستحق ہے۔ قتل حسین میں اس کا کوئی ہاتھ نہیں، واقعہ حرہ

میں اصل خطا کار اہل مدینہ ہی تھے۔ یزید کی کارروائی کو زیادہ سے زیادہ اجتہادی خطا کہا جاسکتا ہے۔ اس کے اندر کئی نیکیاں اور اچھی و قابل تعریف صفات تھیں، بلکہ غزوہ قسطنطنیہ تو اس کی عظیم الشان نیکی ہے۔

### اہل علم و اہل عقل و اہل سنت و الجماعت کا تیسرا گروہ:

یزید کے اندر نیکیاں اور برائیاں دونوں تھیں، اس نے قسطنطنیہ پر پہلا حملہ کر کے عظیم الشان نیکی انجام دی، لیکن اہل مدینہ پر لشکر کشی کر کے سخت غلطی کی۔ تاہم یزید کو نہ برا بھلا کہیں گے، نہ اس سے علی الاطلاق محبت کریں گے۔ اور محبت نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس سے جو ظلم ہوئے اسے پسند نہیں کریں گے بلکہ برات کا اظہار کریں گے۔ البتہ اس کی دیگر نیکیوں اور اعمال صالحہ کی ستائش کریں گے اور اس پہلو سے وہ ہماری محبتوں کا مستحق بھی ہے۔ تاہم اولیاء اللہ جیسی محبت اس سے نہیں کی جائے گی۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس آخری موقف کو معتدل قرار دیا ہے۔

اب ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے الفاظ دیکھتے ہیں:

افترق الناس فی یزید بن معاویۃ بن ابی سفیان ثلاث فرق: طرفان ووسط. فأحد الطرفين قالوا: إنه كان كافرا منافقا وأنه سعی في قتل سبط رسول الله تشفيا من رسول الله صلى الله عليه وسلم وانتقاما منه وأخذًا بشار جده عتبة وأخی جده شیبۃ وخاله الولید بن عتبۃ و غیرہم ممن قتلہم أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم بید علی بن ابی طالب و غیرہ یوم بدر و غیرہا؛ وقالوا: تلك أحقاد بدرية وآثار جاهلية وأنشدوا عنه \*\*\*: لما بدت تلك الحمول وأشرفت \*\*\* تلک الرءوس علی ربی جیرون \* \* نعق الغراب فقلت نوح أو لا تنح \* \* فلقد قضیت من النبی دیونی \* \* وقالوا: إنه تمثل بشعر ابن الزبیری الذی أنشده یوم أحد \* \* \* لیت أشیأخی ببدر شهدوا \* \* \* جزع الخزرج من وقع الأسل \* \* \* قد قتلنا

الكثير من أشياخهم\* \* وعدلناه ببدر فاعتدل\* \* وأشياء من هذا النمط .  
وهذا القول سهل على الرافضة الذين يكفرون أبا بكر وعمر وعثمان ؛  
فتكفير يزيد أسهل بكثير .

والطرف الثانی یظنون أنه كان رجلا صالحا وإمام عدل وأنه كان من  
الصحابة الذين ولدوا على عهد النبی صلی اللہ علیہ وسلم وحمله على  
يديه وبرك عليه وربما فضله بعضهم على أبى بكر وعمر . وربما جعله  
بعضهم نبيا ويقولون عن "الشيخ عدى" أو حسن المقتول - كذبا عليه -  
إن سبعين ولما صرفت وجوههم عن القبلة لتوقفهم فى يزيد . وهذا قول  
غالبية العدوية والأكراد ونحوهم من الضلال . فإن الشيخ عديا كان من  
بنى أمية وكان رجلا صالحا عابدا فاضلا ولم يحفظ عنه أنه دعاهم إلا إلى  
السنة التى يقولها غيره كالشيخ "أبى الفرج" المقدسى فإن عقيدته  
موافقة لعقيدته ؛ لكن زادوا فى السنة أشياء كذب وضلال من الأحاديث  
الموضوعة والتشبيه الباطل والغلو فى الشيخ عدى وفى يزيد والغلو فى ذم  
الرافضة بأنه لا تقبل لهم توبة وأشياء أخر . وكلا القولين ظاهر البطلان  
عند من له أدنى عقل وعلم بالأمر وسير المتقدمين ولهذا لا ينسب إلى  
أحد من أهل العلم المعروفين بالسنة ولا إلى ذى عقل من العقلاء الذين  
لهم رأى وخبرة .

يزید بن معاویہ کے سلسلے میں لوگوں کی تین جماعتیں ہیں دو افراط و تفریط کی شکار ہیں اور  
ایک راہ اعتدال پر ہے۔ تفریط کی شکار جماعت کا موقف یہ ہے کہ : یزید کا فر اور منافق تھا،  
اس نے حسین رضی اللہ عنہ کا قتل کیا تاکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بدلہ لے سکے اور  
اس کے رشتہ دار عقبہ، شیبہ اور خالد وغیرہ جو علی رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کے ہاتھوں جنگ بدر  
وغیرہ میں قتل کئے گئے تھے ان کے خون کا قصاص لے سکے۔ ان لوگوں نے کہا کہ اس کے  
اندر بدر کا کینہ و کپٹ اور جاہلی آثار تھے، ان لوگوں نے یزید کی طرف یہ اشعار بھی منسوب



کئے \* \* \* : جب یہ قیدی اور مقتولین نمودار ہوئے اور قریب آئے \* \* \* یہ سر جب جیرون (باب دمشق) کی بلندی پر پہنچے \* \* \* کوے نے آواز لگائی تو میں نے کہا تو نو حہ کر یا مت کر \* \* \* میں نے نبی سے اپنا قرض وصول لیا ہے \* \* \* (ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں) ان لوگوں نے یہ بھی کہا کہ : یزید نے ان اشعار کو بطور مثال پڑھا جن اشعار کو ابن الزبیری نے احد کے موقع پر پڑھا تھا اور وہ اشعار یہ ہیں \* \* \* : کاش بدر میں قتل ہونے والے میرے آباء و اجداد دیکھتے \* \* \* نیزوں کی مار پر خنجر کی آہ و بکا کو \* \* \* ہم نے ان کے بڑے بڑے لوگوں میں سے بھی کئی قتل کر ڈالا \* \* \* اور جنگ بدر میں قتل ہونے والوں کا بدلہ لے لیا اب معاملہ برابر ہو گیا۔ \* \* \* (ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں) اور اس جیسی دیگر خرافات منسوب کی گئیں۔ یہ قول ان رافضہ کے لئے کوئی بہت بڑی بات نہیں ہے جو ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہ کی تکفیر کرتے ہیں، ایسے میں یزید کی تکفیر کرنا تو ان کے لئے معمولی چیز ہے۔

اور افراط کی شکار جماعت کا موقف یہ ہے کہ : یزید بزرگ شخص اور عادل امام تھا۔ یہ ان صحابہ میں سے تھا جن کی پیدائش اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ہوئی، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے ہاتھوں میں اٹھایا اور اس کے لئے برکت کی دعا کی۔ بلکہ بعض نے اسے ابوبکر اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے بھی افضل بتایا، حتیٰ کہ بعض نے اسے نبی بھی بنادیا۔ یہ لوگ شیخ عدی اور حسن مقتول سے یہ جھوٹا قول نقل کرتے ہیں کہ : ستر اولیا کے چہرے ان کی قبر میں قبلہ سے پھیر دئے گئے کیونکہ وہ یزید کے بارے میں توقف کرتے تھے۔ یہ غالی عدویہ اور اکراہ اور ان جیسے گمراہ لوگوں ہی کا قول ہے کیونکہ شیخ عدی بنو امیہ میں سے تھے اور یہ نیک، عبادت گزار اور فاضل تھے۔ ان کے بارے میں جو کچھ ملتا ہے وہ یہی کہ انہوں نے اسی طریقہ کی طرف دعوت دی ہے جو شیخ ابوالفرج مقدسی کا طریقہ تھا کیونکہ ان کا

عقیدہ ان کے عقیدہ کے موافق تھا۔ لیکن ان کے طریقہ میں لوگوں نے موضوع احادیث، باطل تشبیہ، شیخ عدی اور یزید کے سلسلے میں غلو، روافض کے بارے میں اس حد تک غلو کہ اللہ ان کی توبہ قبول نہیں کرے گا اور اس جیسی دیگر چیزوں پر مشتمل جھوٹی اور گمراہ کن باتیں شامل کر دیں۔

(یزید کے سلسلے میں) ان دونوں موقف کا باطل ہونا ہر اس شخص کے لئے ظاہر ہے جس کے پاس ادنیٰ عقل، اور حالات اور متقدمین کی سیرتوں سے کچھ بھی واقفیت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان دونوں موقف میں سے کوئی بھی موقف معروف اہل سنت اور سنجیدہ و پختہ اہل علم میں سے کسی کی طرف بھی منسوب نہیں ہے۔ [مجموع الفتاویٰ: ۴/۸۲۷]۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے یزید سے متعلق افراط و تفریط پر مبنی روافض اور اکراد کے دونوں قول ذکر کرنے کے بعد کہا:

والقول الثالث : أنه كان ملكا من ملوك المسلمين له حسنات وسيئات ولم يولد إلا في خلافة عثمان ولم يكن كافرا ؛ ولكن جرى بسببه ما جرى من مصرع ”الحسين“ وفعل ما فعل بأهل الحرة ولم يكن صاحباً ولا من أولياء الله الصالحين وهذا قول عامة أهل العقل والعلم والسنة والجماعة

اور یزید کے سلسلے میں تیسرا موقف یہ ہے کہ : یہ مسلم بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ تھا، اس کی نیکیاں بھی ہیں اس کی غلطیاں بھی ہیں، اس کی پیدائش عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوئی، یہ کافر نہیں تھا، لیکن اس کی وجہ سے حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا، اور اس نے اہل حرہ کے ساتھ کیا جو کیا، یہ صحابی نہ تھا اور نہ ہی اللہ کے بزرگ اولیاء میں سے تھا، یہ عام اہل عقل و علم اور اہل سنت والجماعت کا موقف ہے [مجموع الفتاویٰ:

بعض لوگ اس تیسرے قول کو علی الاطلاق ابن تیمیہ کا قول بتلاتے ہیں حالانکہ یہ غلط ہے کیونکہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس تیسرے قول والوں کے بھی تین گروہ ہیں جن میں ایک یزید سے محبت کرنے والا بھی ہے یہ نہ تو قتل حسین میں یزید کو سبب وار مانتا ہے اور نہ ہی واقعہ حرہ کی وجہ سے یزید کو مطعون کرتا ہے نیز یزید کی اچھی اور قابل تعریف صفات کا بھی معترف ہے۔ اور ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے یہاں تینوں گروہوں کے قول کو مجموعی طور پر نقل کیا ہے جس سے تینوں گروہوں کی باتیں خلط ملط ہو گئیں ہیں۔ لیکن اس کے فوراً بعد ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس تیسرے قول کے تینوں گروہوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

ثم افترقوا ثلاث فرق: فرقة لعنته وفرقة أحبته وفرقة لا تسبه ولا تحبه وهذا هو المنصوص عن الإمام أحمد وعليه المقتصدون من أصحابه وغيرهم من جميع المسلمين

پھر اس تیسرے قول میں بھی تین گروہ ہیں: ایک گروہ وہ ہے جو یزید پر لعنت کرتا ہے، دوسرا گروہ وہ ہے جو یزید سے محبت کرتا ہے، اور تیسرا گروہ وہ ہے جو نہ تو یزید کو برا بھلا کہتا ہے اور نہ ہی اس سے محبت کرتا ہے یہ قول امام احمد سے منقول ہے، حنا بلہ اور دیگر تمام مسلمانوں میں معتدل لوگ اسی قول پر ہیں۔ [مجموع الفتاوی: ۴/ ۸۳۷]۔

غور فرمائیں یہاں پر تیسرے قول میں بھی تفصیل کی گئی ہے اور تیسرے قول میں ایک گروہ ایسا بھی ہے جو یزید سے محبت بھی کرتا ہے، نیز یہ گروہ قتل حسین میں یزید کو سبب وار نہیں مانتا اور نہ ہی واقعہ حرہ کی وجہ سے یزید کو مطعون کرتا ہے نیز یزید کی اچھی اور قابل تعریف صفات کا بھی یہ معترف ہے۔

چنانچہ دوسرے موقع پر ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے یزید سے محبت کرنے والے اس گروہ کے موقف کی مزید تفصیل پیش کرتے ہوئے کہا:

ابن تیمیہ رحمہ اللہ (المتوفی ۷۲۸ھ) نے کہا:

وأما الذين سوغوا محبته أو أحبوه كالغزالي والدستى فلهم مأخذان: أحدهما: أنه مسلم ولى أمر الأمة على عهد الصحابة وتابعه بقاياهم وكانت فيه خصال محمودّة وكان متأولاً فيما ينكر عليه من أمر الحرية وغيره فيقولون: هو مجتهد مخطئ ويقولون: إن أهل الحرية هم نقضوا بيعته أولاً وأنكر ذلك عليهم ابن عمر وغيره وأما قتل الحسين فلم يأمر به ولم يرض به بل ظهر منه التألم لقتله وذم من قتله ولم يحمل الرأس إليه وإنما حمل إلى ابن زياد. والمأخذ الثاني: أنه قد ثبت في صحيح البخاري عن ابن عمر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ( أول جيش يغزو القسطنطينية مغفور له ) وأول جيش غزاها كان أميره يزيد

یعنی جن لوگوں نے یزید سے محبت کو درست کہا ہے یا یزید سے محبت کی ہے جیسے امام غزالی اور علامہ دستی وغیرہم تو ان لوگوں نے اپنے موقف پر دو دلیل دی ہے:

پہلی یہ کہ یزید نے صحابہ کے دور میں حکومت سنبھالی اور صحابہ نے اس کی پیروی کی۔ اور اس کے اندر اچھی صفات تھیں، اور حرہ وغیرہ کے جس معاملہ کو لیکر یزید کو مطعون کیا جاتا ہے اس معاملہ میں یزید نے اجتہاد کیا تھا اور زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس نے اجتہاد میں غلطی کی۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ اہل مدینہ ہی نے بیعت توڑنے میں پہل کی اور ان کے اس عمل پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مثلاً عبداللہ بن عمر وغیرہ نے نکیر کی۔ جہاں تک قتل حسین رضی اللہ عنہ کا معاملہ ہے تو یزید نے اس قتل کا حکم نہیں دیا اور نہ ہی اسے پسند کیا۔ بلکہ قتل حسین رضی اللہ عنہ پر اس کی طرف سے رنج و غم کا اظہار ہوا ہے اور قاتلین کی اس نے مذمت کی ہے۔ نیز حسین رضی اللہ عنہ کا سر اس کے پاس نہیں لایا گیا تھا بلکہ عبید اللہ بن زیاد کے پاس لایا گیا تھا۔

اس موقف والوں کی دوسری دلیل یہ ہے کہ: صحیح بخاری کی حدیث کے مطابق اللہ کے نبی

ﷺ نے اس لشکر کو مغفور لہم یعنی بخشا ہوا کہا ہے جو قسطنطنیہ پر سب سے پہلے حملہ کرے گا۔ اور جس لشکر نے قسطنطنیہ پر سب سے پہلے حملہ کیا یزید اس کا امیر تھا۔ [مجموع الفتاویٰ:

۴/ ۴۸۶]

اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ یزید سے محبت کرنے والے اور اس کا دفاع کرنے والے گروہ کو بھی ابن تیمیہ نے اہل عقل و اہل علم اور اہل سنت و الجماعت کہا ہے۔ پھر ان مؤخر الذکر تین گروہوں میں سے معتدل گروہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے انہیں کہا ہے جو نہ یزید کو برا کہتے ہیں اور نہ ہی اس سے محبت کرتے ہیں۔

لیکن اس معتدل گروہ کے یہاں یزید سے محبت نہ کرنے کا جو مطلب ہے وہ بھی ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے واضح کر دیا ہے چنانچہ کہا:

ولهذا كان المقتصدون من أئمة السلف يقولون في يزيد وأمثاله : إنا لا نسبهم ولا نجهم أي لا نحب ما صدر منهم من ظلم . والشخص الواحد يجتمع فيه حسنات وسيئات وطاعات ومعاص و بر وفجور و شر فيشبه الله على حسناته ويعاقبه على سيئاته إن شاء أو يغفر له ويحب ما فعله من الخير ويبغض ما فعله من الشر

ائمہ سلف میں سے معتدل لوگ یزید اور اس جیسے لوگوں کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ: ہم انہیں برا نہیں کہیں گے اور نہ ان سے محبت کریں گے یعنی (محبت نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ) ان سے جو مظالم صادر ہوئے ہیں ان سے محبت نہیں کریں گے۔ ایک شخص کے اندر اچھائیاں اور برائیاں، طاعات اور معاصی، نیکی اور شر دونوں جمع ہو سکتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ اس کے حسنات پر ثواب دے گا اور برائیوں پر اگر چاہے تو سزا دے اور چاہے تو معاف کر دے، اور اس کے اعمال خیر سے محبت کرتا ہے اور اعمال شر کو ناپسند کرتا ہے [مجموع الفتاویٰ:

۴/ ۴۷۵]

یہاں پر ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے معتدل گروہ کے یہاں یزید سے محبت نہ کرنے کا یہ مطلب بتایا ہے کہ یزید سے جو ظلم ہوا اس سے محبت نہیں کی جائے گی۔ یعنی سرے سے یزید کی شخصیت اور اس کے دیگر اعمال صالحہ سے محبت کا انکار نہیں ہے۔

یاد رہے کہ محبت نہ کرنے کے اس مفہوم کو ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس پورے گروہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تیسرا گروہ جو یزید کو برا نہ کہنے کے ساتھ ساتھ اس سے محبت نہ کرنے کی بات کرتا ہے ان کی مراد یزید کی ذات سے محبت کا انکار نہیں بلکہ یزید کے مظالم سے محبت کا انکار ہے۔

لیکن یزید سے محبت میں بھی اس بات کا خیال رکھا جائے گا اس کی محبت کو اولیاء اللہ اور بزرگوں کی محبت کا درجہ نہیں دیا جائے گا چنانچہ:

ابن تیمیہ رحمہ اللہ (المتوفی ۷۲۸ھ) نے کہا:

یزید عند علماء أئمة المسلمين ملك من الملوك. لا يحبونه محبة الصالحين وأولياء

یزید مسلمانوں کے ائمہ مسلمین کے نزدیک بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ ہے اس سے اولیاء اللہ اور بزرگوں جیسی محبت نہیں کی جائے گی [مجموع الفتاوی: ۴/۱۱۲]۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا یہ قول جہاں اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان کی نظر میں ائمہ مسلمین کے نزدیک یزید سے اولیاء اللہ اور بزرگوں جیسی محبت نہیں کی جائے گی وہیں یہ قول اس بات پر دلیل ہے کہ ائمہ مسلمین یزید سے مطلق محبت کا انکار نہیں کرتے بلکہ یزید بھی اپنے مقام و مرتبہ کے لحاظ سے مسلمانوں کی محبت کا مستحق ہے۔

اس پوری تفصیل سے معلوم ہوا کہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی نظر میں یزید سے متعلق اہل سنت والجماعت کے تینوں گروہوں میں سے وہ گروہ معتدل ہے جو یزید کے اندر نیکیاں اور

برائیاں دونوں مانتا ہے۔ یزید کو برا بھلا نہیں کہتا اور نہ ہی علی الاطلاق اس سے محبت کرتا ہے۔ یعنی محبت نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یزید سے جو مظالم ہوئے ہیں ان کی ستائش نہیں کرتا اور نہ ہی ان افعال کو محبوب سمجھتا ہے۔ البتہ یزید کی جو دیگر نیکیاں اور اعمال صالحہ ہیں انہیں محبوب سمجھتا ہے اور اس پہلو سے یزید کو محبت کے قابل بھی سمجھتا ہے تاہم اس سے اولیاء اللہ جیسی محبت نہیں کرتا بلکہ یزید جس مقام و مرتبہ کا ہے اسی اعتبار سے اس سے محبت کا قائل ہے۔

واضح رہے کہ اہل سنت کے سہ گروہی جماعت کے اس گروہ نے یزید کی طرف بعض مظالم کی نسبت میں تساہل سے کام لیا ہے اور اس سلسلے میں وارد روایات کی چھان بین اور مکمل تحقیق کی ہی نہیں۔ ورنہ اگر یہ تحقیق کرتے تو یزید کی طرف بعض مظالم کی نسبت بھی نہ کرتے اور نہ یزید سے اس کی حیثیت کے اعتبار سے علی الاطلاق محبت کا موقف اپناتے۔ جیسا کہ اہل سنت کے سہ گروہی جماعت ہی کے ایک دوسرے گروہ کی رائے ہے جو یزید سے اس کے مقام کے اعتبار سے علی الاطلاق محبت کا قائل ہے کیونکہ اس کی نظر میں یزید کی طرف منسوب یہ مظالم ثابت ہی نہیں ہیں۔ اس گروہ میں سرفہرست امام غزالی اور علامہ دہلی وغیرہم ہیں جیسا کہ خود ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس گروہ میں ان کے نام پیش کئے ہیں، کما مضی۔

یاد رہے کہ کچھ لوگ جہالت یا انتہائی مکاری اور چالاکی سے یزید سے متعلق اہل سنت کے سہ گروہی جماعت سے یزید سے محبت اور اس کا دفاع کرنے والے گروہ۔ جن میں بقول ابن تیمیہ رحمہ اللہ امام غزالی اور علامہ دہلی وغیرہ ہیں۔ کو اہل سنت میں شمار ہی نہیں کرتے۔ بلکہ اس گروہ کو لے جا کر اس گروہ سے ملا دیتے جسے ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اکرا دکہا ہے اور انہیں اہل سنت کے مخالف گروہ کے طور پر پیش کیا ہے۔

دراصل ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے یزید سے متعلق شروع میں جن تین جماعتوں کا ذکر کیا ہے

ان میں سے افراط و تفریط والی دونوں جماعتوں روافض اور اکراد کو ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اہل سنت میں شمار ہی نہیں کیا ہے۔ بلکہ اہل سنت اس جماعت کو کہا ہے جو نہ تو یزید کو کافر کہتے ہیں اور نہ ہی یزید کو صحابی یا نبی مانتے ہیں۔ اسی جماعت کو ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اہل علم، اہل عقل، اور اہل سنت والجماعت کہا ہے۔

پھر ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اہل سنت کی اس جماعت کے بھی تین گروہ بتلائے ہیں۔ پھر اسی میں اہل سنت کے اس گروہ کا ذکر کیا ہے جو یزید سے محبت کرتے ہیں۔ یہ گروہ بھی ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے نزدیک اہل علم، اہل عقل اور اہل سنت والجماعت ہے۔ ان لوگوں میں ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے امام غزالی اور علامہ دسی کا نام بھی پیش کیا ہے۔ کما مضیٰ۔

ہمارے نزدیک اسی گروہ کا موقف رائج ہے۔ کیونکہ یزید کی طرف منسوب جرائم اور مظالم ثابت ہی نہیں ہیں۔ اس لئے اس پہلو سے یزید کی تنقیص کا کوئی جواز نہیں ہے۔

### یزید پر الزام:

ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے یزید کا بھرپور دفاع کرنے کے ساتھ ساتھ اس پر کچھ الزامات بھی لگائے ہیں لیکن اس کی کوئی صحیح دلیل آپ نے پیش نہیں کی ہے چنانچہ:

ابن تیمیہ رحمہ اللہ (المتوفی ۷۲۸ھ) نے کہا:

لكنه مع هذا لم يظهر منه إنكار قتله ، والانتصار له والأخذ بثأره : كان هو الواجب عليه

لیکن اس کے باوجود اس سے حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کی مذمت ظاہر نہیں ہوئی، نہ اس نے حسین رضی اللہ عنہ کی مدد کی نہ قصاص لیا جو کہ اس پر واجب تھا [مجموع الفتاویٰ:

۴/۱۱۱-]

عرض کہ جہاں تک قتل حسین رضی اللہ عنہ کی مذمت نہ کرنے کی بات ہے تو خود ابن تیمیہ



رحمہ اللہ ہی نے دوسری جگہ یہ بھی نقل کیا ہے کہ یزید نے مذمت کی چنانچہ کہا:

ولم یکن یزید أمرهم بقتله ولا ظہر منه سرور بذلک ورضی بہ بل قال  
کلاما فیہ ذم لهم

یزید نے انہیں قتل حسین رضی اللہ عنہ کا حکم نہیں دیا تھا، نہ اس پر اس نے خوشی ظاہر کی نہ اس سے راضی ہوا۔ بلکہ ایسی بات کہی جس میں ان کی مذمت تھی [مجموع الفتاویٰ:

۵۰۵/۴]۔

اور گذشتہ سطور میں ہم صحیح سند سے یہ ثبوت پیش کر چکے ہیں کہ حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر سن کر یزید کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں، بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ شہادت کی خبر سن کر یزید رونے لگے لیکن قاتلین کی مذمت نہ کرے۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ (المتوفی ۷۲۸ھ) نے کہا:

وأمره إذا لم يطيعوه بعد ثلاث أن يدخلها بالسيف ويبيحها ثلاثا فصار  
عسكره في المدينة النبوية ثلاثا يقتلون وينهبون ويفتضون الفروج  
المحرمة

یزید نے مسلم بن عقبہ کو حکم دیا کہ اگر اہل مدینہ اس کی اطاعت نہ کریں تو تین دن مہلت دینے کے بعد بزور شمشیر مدینہ میں داخل ہو جانا اور تین دن تک مدینہ کو حلال کرنا، چنانچہ اس کی فوج تین دن تک مدینہ میں قتل و غارت گری کرتی رہی اور لوٹ کھسوٹ مچاتی رہی، اور عورتوں کے ساتھ بدکاری کرتی رہی۔ [مجموع الفتاویٰ: ۴۱۲/۳]۔

عرض یہ ہے کہ ان باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی صحیح سند سے ثابت نہیں ہے۔

شامی فوج کے ہاتھوں بعض لوگ ضرور قتل ہوئے، لیکن انہوں نے اہل مدینہ کا قتل عام نہیں کیا تھا دیکھئے: یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ: ص ۴۲۸ تا ۴۳۳۔ بلکہ خود ابن

تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی کہا:

ولا بلغ عدد القتلى عشرة آلاف

اور نہ ہی مقتولین کی تعداد دس ہزار تک پہنچی [منہاج السنۃ النبویہ: ۴/ ۵۷۵]

رہی بات یہ کہ یزید نے مدینہ کو تین دن تک حلال کرنے کا حکم دیا تو اس تعلق سے بھی جتنی روایات ہیں سب موضوع اور من گھڑت ہیں دیکھئے: یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ ص ۴۴۵ تا ۴۵۸۔

اسی طرح شامی فوج کی جانب سے لوٹ کھسوٹ کی بھی کوئی دلیل موجود نہیں ہے دیکھئے: یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ ص ۴۴۵ تا ۴۵۸۔

اور جہاں تک شامی فوج پر یہ الزام ہے کہ انہوں نے مدینہ کے خواتین کی عزت لوٹی تو اس بارے میں بھی جو روایات ہیں وہ سب موضوع اور من گھڑت ہیں دیکھئے: یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ ص ۴۵۸ تا ۴۶۳۔

الغرض یہ کہ یزید پر الزامات سے متعلق ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے جو کچھ کہا ہے اس کی آپ نے کوئی دلیل پیش نہیں کی ہے اور نہ ہی اس کی کوئی دلیل موجود ہے۔ اس لئے آپ کی یہ باتیں بے دلیل ہونے کی بنا پر غیر مسموع ہیں۔

یہ باتیں آپ نے بعض ایسی روایات کی بنیاد پر کہی ہیں جو موضوع اور من گھڑت ہیں اور اس طرح کی روایات کی بنیاد پر کسی کی بات بھی قبول نہیں کی جاسکتی جیسا کہ خود ابن تیمیہ رحمہ اللہ ہی نے کہا:

لم یجز لأحد أن يحتج في مسألة فرعية بحديث حتى يبين ما به يثبت فكيف يحتج في مسائل الأصول التي يقدر فيها خيار القرون و جماهير المسلمين و سادات أولياء الله المقربين بحيث لا يعلم المحتج به صدقه کسی شخص کے لئے کسی فروعی مسئلہ میں بھی کسی حدیث سے استدلال اس وقت تک جائز

نہیں ہے جب تک کہ وہ اسے صحیح ثابت نہ کر دے، پھر یہ کس طرح صحیح ہو سکتا ہے کہ ان اصولی مسائل میں جن سے خیر القرون، جمہور مسلمان، اور اللہ تعالیٰ کے عظیم اولیاء (صحابہ) پر حرف آتا ہے، ان روایات کو بطور حجت پیش کرنا جائز ہو، جن کا صدق ہی نامعلوم ہو۔ [منہاج السنة النبویة: ۷/۱۶۱]

یاد رہے کہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بعض غیر ثابت روایات کی بنیاد پر علی رضی اللہ عنہ سے متعلق بھی کچھ اس طرح کی باتیں کہیں ہیں مثلاً:

ابن تیمیہ رحمہ اللہ (المتوفی ۷۲۸ھ) نے کہا:

وقد علم قدح كثير من الصحابة في علي  
 یہ بات معلوم ہے کہ بہت سارے صحابہ نے علی رضی اللہ عنہ پر قدح کی ہے [منہاج السنة النبویة: ۷/۱۴۷]

ابن تیمیہ رحمہ اللہ (المتوفی ۷۲۸ھ) نے کہا:

أن الله قد أخبر أنه سيجعل للذين آمنوا وعملوا الصالحات وداً، وهذا وعد منه صادق. ومعلوم أن الله قد جعل للصحابة مودة في قلب كل مسلم، لا سيما الخلفاء رضي الله عنهم، لا سيما أبو بكر وعمر، فإن عامة الصحابة والتابعين كانوا يودُّونهما، وكانوا خير القرون. ولم يكن كذلك علي، فإن كثيراً من الصحابة والتابعين كانوا يبغضونه ويسبونونه ويقاتلونونه.

اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤمنوں اور عمل صالح کرنے والوں کے لئے محبت پیدا کرے گا۔ اور یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کے تعلق سے ہر مسلمان کے دل میں محبت پیدا کی ہے، بالخصوص خلفائے راشدین، اور ان میں بھی بالخصوص ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہم۔ کیونکہ تمام صحابہ ان دونوں سے محبت کرتے تھے، اور یہ لوگ خیر القرون کے تھے۔ لیکن علی رضی اللہ عنہ کا یہ معاملہ نہ تھا کیونکہ بہت سارے صحابہ

وتابعین علی رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتے تھے، انہیں گالی دیتے تھے، اور ان سے قتال کرتے

تھے [الإمامة فی ضوء الكتاب والسنة: ۱/۹۴]

اور خود علی رضی اللہ عنہ کے کردار سے متعلق لکھتے ہیں:

فلعن علی وأصحابه فی قنوت الصلاة رجالا معینین من أهل الشام  
علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے قنوت نازلہ میں اہل شام کے مخصوص افراد  
پر لعنت کی [مجموع الفتاوی: ۴/۴۸۵]

اور ان مخصوص افراد سے کوئی عام لوگ مراد نہیں ہیں بلکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے گروہ کے  
بڑے بڑے لوگ مراد ہیں جیسا کہ خود ایک دوسرے مقام پر علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:  
وأما ما ذكره من لعن علی، فإن التلاعن وقع من الطائفتين كما وقعت  
المحاربة، وكان هؤلاء يلعنون رء و س هؤلاء فی دعائهم، وهؤلاء يلعنون  
رء و س هؤلاء فی دعائهم

اور رافضی نے جو علی رضی اللہ عنہ کے لعنت کرنے کی بات ذکر کی ہے تو لعنت کرنے کے  
کام دونوں گروہوں کی جانب سے ہوا جیسا کہ لڑائی کا عمل دونوں گروہ کی طرف سے ہوا ہے  
چنانچہ علی رضی اللہ عنہ کا گروہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے گروہ کے بڑے بڑے لوگوں پر لعنت  
کرتا تھا اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا گروہ بھی علی رضی اللہ عنہ کے گروہ کے بڑے بڑے  
لوگوں پر لعنت کرتا تھا [منهاج السنة النبویة: ۴/۶۸]

عرض ہے کہ علی رضی اللہ عنہ سے متعلق اس طرح کی باتیں بھی بعض غیر ثابت روایات ہی  
کی بنیاد پر ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے صادر ہوئی ہیں، اور یہی معاملہ یزید کے ساتھ بھی ہوا۔

لہذا بے دلیل اور غیر ثابت روایات کی بنیاد پر ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی کوئی بھی بات نہ تو علی  
رضی اللہ عنہ سے متعلق قابل قبول ہے اور نہ ہی یزید بن معاویہ سے متعلق۔